خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
اگست 2025
خواتین ڈائجسٹ
www.pklibrary.net

خواتین ڈائجسٹ

واٹس ایپ 0317 2266944

بانی ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

معاون مدیرہ ——— امتہ الصبور
بلقیس بھٹی

امنیات ——— ادارہ

قانونی مشیر ——— نور الدین سی کی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل ایڈوائزرز

کہنی سُنی — مدیرہ 6

کرن کرن روشنی — ادارہ 7

ہمارے نام — نادرہ خاتون 22

سائرہ رضا

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا — نگہت سیما 204

انجان وادی کی ساحرہ — [illegible] رابعہ 202

آپ سے کیا پردہ

شادی کارڈ — انشا جی 12

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے — امتہ الصبور 199

انٹرویو

ثمین صداقت سے ملاقات — شاہین رشید 14

خاموشی کو زباں ملے — ادارہ 32

مجھ سے ملئے

باتیں شہریار ملک سے — شاہین رشید 14

ناول

کب چلے جاں نثار ہم — سنیعہ حمید 34

مکمل ناول

مالا — [illegible] احمد 164

پردیس — سمیرا حمید 126

مشکل — ثمین صداقت 96

ناولٹ

خالی مٹھیاں اور دعا — شمائکہ کمال عباد 74

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

digest library.com

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتہ
خواتین ڈائجسٹ
37-اردو بازار کراچی

اگست 2025
جلد 53 شمارہ 04
قیمت 150 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

افسانے

کوہِ نور، سیدہ 60
چچی کی بالیاں، حرا رفاقت 64
واشنگ مشین، عقیلہ ہاشمی 71
گوتند، ایمان رضا 154
ماں برابر، ہاجرہ ریحان 158

نظمیں غزلیں

غزل، شوکت واسطی 195
نظم، حسین الطاف 195

پکوان

آپ کا باورچی خانہ، حنا گل 205
موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 207

رنگا رنگ پھول

رنگارنگ سلسلہ، شگفتہ سجاد 196

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے، روحیلہ خان 201

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، ادارہ 208

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 210

کہی سُنی

خواتین ڈائجسٹ اگست کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اگست کا مہینہ ایک ایسی خوشی کا احساس لے کر آتا ہے جو انمول ہے۔ 14 اگست 1947 وہ تاریخ جب ایک نئی تاریخ رقم کی گئی، برصغیر کے مسلمانوں کو اپنی شناخت، ایک علیحدہ وطن اور آزادی کا تحفہ دے دیا کا سب سے قیمتی تحفہ۔

قارئین کو جشن آزادی مبارک

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ چونکہ انہوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی، اس لیے انہوں نے شعوری طور پر مسلمانوں کو ہر لحاظ سے پیچھے رکھا۔ ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کے زیرِ تسلط جس کسمپرسی سیاسی بدحالی اور تعلیمی پسماندگی کا شکار تھے۔ اسے مسلم رہنماؤں اور دانشوروں نے محسوس کر لیا تھا۔ وہ تعلیمی فکری اور سیاسی محاذ پر مسلمانوں کو ابھارنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان سے رخت سفر باندھا تو مسلم رہنماؤں نے دو قومی نظریہ پیش کیا۔ ہندو مسلم دو علیحدہ قومیں ہیں۔ جن کا مذہب، رسم و رواج، رہن سہن ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے۔ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ ہندو کس قدر تنگ دل اور متعصب قوم ہیں، وہ کبھی بھی مسلمانوں کو آگے بڑھنے نہیں دیں گے۔ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا قیام ضروری ہے جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکیں۔

بظاہر یہ ناممکن نظر آتا تھا لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی پرعزم اور بےلوث قیادت میں مسلمانوں کے اتحاد نے اسے ممکن کر دکھایا، دنیا کی سب سے بڑی ہجرت عمل میں آئی۔ بے شمار لوگوں نے جان اور مال کی قربانیاں دیں اور دنیا کے نقشہ پر ایک نیا ملک ابھر آیا۔ جس کی بنیاد کلمہ توحید پر تھی۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک جو ایک نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا۔

پاکستان کے سب سے بڑے دشمن پڑوسی ملک نے روز اول سے ہی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم شاملِ حال رہا، پاکستان نا صرف قائم رہا بلکہ تعمیر و ترقی کے منازل بھی طے کرتا رہا۔ اللہ کا احسان ہے کہ بہت سارے سانحات سے گزرنے کے باوجود پاکستان آج ایٹمی طاقت ہے۔ حالیہ حملے میں پاکستان نے جس طرح بھارت کا مقابلہ کیا اور بھارت کو شکست فاش دی، اس نے پاکستانیوں کے سر فخر سے بلند کر دیے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ ہمیں آج تک اس آزادی کی قدر نہیں ہوئی۔

پاکستان کی قدر جاننا ہو تو ایک نظر بھارت کے مسلمانوں پر ڈال لیں، وہ کس قدر کسمپرسی اور بدحالی کا شکار ہیں، زندگی ان پر تنگ ہے۔

ہم نے جس جذبے سے متحد ہو کر پاکستان حاصل کیا تھا۔ ہمیں آج اسی جذبے اور اتحاد کی ضرورت ہے۔ سارے اختلافات اور تعصبات بھلا کر ایک قوم بننے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے وطن کو تاقیامت سلامت رکھے۔ آمین

☆☆

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔
پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔
کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔
ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

خواب اور تعبیر

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوروں کے درخت (بہت زیادہ) ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا علاقہ ہے۔ لیکن وہ تو مدینہ، یعنی یثرب تھا اور میں نے اپنے اس خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار چلائی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کا مطلب (یہ ظاہر ہوا کہ وہ) احد کے دن مسلمانوں کو پہنچنے والا نقصان تھا، پھر میں نے تلوار کو حرکت دی تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ تو اس سے مراد وہ فتح اور مسلمانوں کا (منتشر ہو جانے کے بعد) اکٹھا ہو جانا تھا جو اللہ نے نصیب فرمایا۔ میں نے اس خواب میں گائیں دیکھیں اور (خواب میں سنا) اللہ بہتری والا ہے۔ اس کا مطلب جنگ احد میں شہید ہونے والے مومن افراد تھے اور خیر سے مراد بعد میں حاصل ہونے والی بھلائی تھی (اور اس سے پہلے) بدر میں اللہ نے ہمیں خلوص کا جو ثواب عطا فرمایا (وہ مراد تھا۔")

فوائد و مسائل:

1۔ تلوار سے مراد مسلمانوں کی اجتماعی قوت، تلوار ٹوٹنے سے مراد اس قوت میں کمی اور تلوار درست ہو جانے کا مطلب، اس نقصان کا ازالہ تھا۔
2۔ گائے کا ذبح ہونا مومن کی شہادت کا اشارہ ہے۔
3۔ ہجرت والا خواب اس لحاظ سے سچ تھا کہ کھجوروں والے علاقے کی طرف ہجرت ہوئی، البتہ اس علاقے کے تعین میں اشتباہ ہوا، یعنی اصل تعبیر مدینہ منورہ ہی تھی۔
جاہلیت میں مدینہ شریف کا نام یثرب تھا۔ ہجرت نبوی کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر" ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ اور طابہ (پاک زمین) رکھا۔ اب اسے یثرب نہیں کہنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وضاحت کے لیے "یثرب" کا لفظ فرمایا۔

سونے کے کنگن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

digest library.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”میں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے۔ میں نے ان پر پھونک ماری (تو وہ غائب ہو گئے) میں نے اس کی تعبیر کی کہ ان سے مراد یہ دو کذاب ہیں تسلیمہ اور عنسی۔“

فوائد و مسائل:

1۔ مرد کے لیے سونے کے زیور پہننا منع ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں سونے کے کنگنوں سے مراد کوئی ناگوار واقعہ یا شخص ہی ہو سکتا ہے اور پھونک مارنے سے مراد ان کا مقابلہ کرنا اور انہیں شکست دینا ہے۔

2۔ اسود عنسی نے یمن کے شہر صنعاء میں نبوت کا جھوٹا دعوا کیا تھا۔ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے گھر میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ تسلیمہ کذاب نے یمامہ میں نبوت کا جھوٹا دعوا کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف فوج کشی کی اور وہ مارا گیا۔ اسے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں شہید کیا تھا۔

حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کا خواب

حضرت قابوس بن مخارق رحمہ اللہ سے روایت ہے، حضرت ام فضل (لبابہ بنت حارث) رضی اللہ عنہا نے ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے (خواب میں) دیکھا گویا میرے گھر میں آپ ﷺ کے جسم مبارک کا حصہ ہے۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”تو نے اچھی چیز دیکھی ہے۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا تو تم اسے دودھ پلاؤ گی۔“

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو انہیں ام فضل رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا جو قثم (بن عباس) رضی اللہ عنہ سے تھا۔ انہوں نے بیان فرمایا میں انہیں (حسن یا حسین رضی اللہ عنہ کو) لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کی آغوش میں رکھ دیا۔ بچے نے پیشاب کر دیا تو میں نے اس کے کندھے پر چپت لگائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”اللہ تجھ پر رحم کرے! تو نے میرے بیٹے کو تکلیف پہنچائی ہے۔“

digest library.com

سیاہ فام عورت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”میں نے ایک سیاہ فام اور بکھرے بالوں والی عورت دیکھی، وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ، یعنی جحفہ کے مقام پر جا ٹھہری۔“
میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ کی وبا جحفہ منتقل ہو گئی ہے۔

فوائد و مسائل:

1۔ شروع میں مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعے سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش خبری دی کہ مدینہ سے وبا ختم ہو جائے گی، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

2۔ خواب میں بد صورت انسان سے مراد بیماری یا مصیبت اور خوب صورت انسان سے مراد راحت و نعمت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

نیکیاں

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔
”قبیلہ بلیّ کے دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ہجرت کر کے مدینہ) آ گئے۔ وہ دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت (نیکی کے کاموں میں) زیادہ محنت کرنے والا تھا، چنانچہ اس محنت کرنے والے نے جہاد کیا اور شہید ہو گیا۔ دوسرا آدمی اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہا، پھر وہ فوت ہو گیا۔“
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں۔ اچانک دیکھا کہ وہ دونوں بھی وہاں موجود ہیں۔ جنت سے ایک آدمی باہر آیا اور اس نے بعد میں فوت ہونے والے کو (جنت میں جانے کی) اجازت دے دی۔ (کچھ دیر بعد) وہ پھر نکلا اور شہید ہونے والے کو جنت دے دی۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "واپس چلے جاؤ، ابھی آپ کا وقت نہیں آیا۔"

صبح ہوئی تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خواب سنایا۔ انہیں اس پر تعجب ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم ہوا اور لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (تفصیل سے خواب کی) بات سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہیں کس بات پر تعجب ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دونوں میں یہ شخص زیادہ محنت والا تھا، پھر اسے شہادت بھی نصیب ہوئی لیکن جنت میں دوسرا اس سے پہلے چلا گیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ (دوسرا) اس (پہلے) کے بعد ایک سال تک زندہ نہیں رہا؟"

انہوں نے کہا "جی ہاں!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس میں روزے رکھے اور سال میں اتنی اتنی رکعت نماز پڑھی؟"

انہوں نے کہا "جی ہاں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ان دونوں (کے درجات) میں تو آسمان و زمین کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ فرق ہے۔"

فوائد و مسائل:

1۔ بعض اوقات خواب سے وہی کچھ مراد ہوتا ہے جو خواب میں نظر آیا، جیسے اس خواب کو صحابہ نے حقیقت پر محمول کیا اور اس کی تعبیر کچھ اور نہیں سمجھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے اس فہم کی تائید فرمائی۔

2۔ مومن کے لیے ہی زندگی رحمت ہے جب کہ نیکیوں کی توفیق حاصل ہو۔

3۔ طویل عرصہ نماز روزے کا ثواب شہادت کے ثواب سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے لیکن شہید کے لیے کچھ خاص انعامات ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتے۔

4۔ اس حدیث میں ان دو صحابیوں کے جنتی ہونے کی بشارت ہے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی جنت کی بشارت ہے، ویسے بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر جنت کی بشارت دی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد سے واپس تشریف لائے تو ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔" اس نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول! میں نے خواب میں ایک سائبان (یا بادل) دیکھا ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس (گھی اور شہد) سے لے رہے ہیں۔ کوئی زیادہ لے رہا ہے کوئی کم اور میں نے ایک رسی دیکھی جو آسمان تک پہنچی ہوئی تھی اور میں نے دیکھا کہ آپ نے اسے پکڑا اور اس کے ذریعے سے اوپر تشریف لے گئے، پھر آپ کے بعد ایک اور آدمی نے وہ رسی پکڑی اور وہ اس کے ذریعے سے اوپر چلا گیا، پھر اس کے بعد ایک اور آدمی نے اسے پکڑا، وہ بھی اس کے ذریعے سے اوپر چلا گیا، پھر اس کے بعد ایک آدمی نے اسے پکڑا تو وہ ٹوٹ گئی۔ پھر وہ رسی جوڑ دی گئی تو وہ اس کے ذریعے سے اوپر چلا گیا۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی تعبیر کرنے کی اجازت دیجیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آپ اس کی تعبیر کریں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"سائبان (یا بادل) تو اسلام ہے۔ اس سے ٹپکنے

والا شہد اور گھی قرآن، یعنی اس کی شیرینی اور نرمی ہے اور اس سے لینے والے لوگ کم یا زیادہ قرآن (کا علم و فہم) حاصل کرنے والے ہیں۔ آسمان تک پہنچنے والی رسی سے مراد وہ حق (سچا دین) ہے جس پر آپ قائم ہیں۔ آپ نے اسے پکڑا اور اس کے ذریعے سے بلند ہو گئے (بلند درجات پر فائز ہو گئے) پھر آپ کے بعد ایک آدمی پکڑے گا اور اس کے ذریعے سے بلند ہو جائے گا۔

پھر دوسرا آدمی بھی اس (کو پکڑ کر اس) کے ذریعے سے بلند ہو جائے گا۔ پھر ایک اور آدمی پکڑے گا تو رسی ٹوٹ جائے گی لیکن پھر جڑ جائے گی اور وہ اس کے ذریعے سے بلند ہو جائے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آپ نے کچھ صحیح کہا اور کچھ غلطی کی ہے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے یہ بتا دیجیے کہ میں نے کون سی بات صحیح کہی اور کون سی غلط کہی؟"

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! قسم نہ کھاؤ۔" (بخاری)

فوائد و مسائل:

1۔ بزرگ اور استاد کی اجازت سے عام آدمی یا شاگرد تعبیر بیان کر سکتا ہے۔

2۔ رسی پکڑنے سے مراد دین پر عمل کرنا اور تین بزرگوں کا اس رسی کو پکڑنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور خلافت کے منصب پر فائز ہونا ہے۔

3۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے رسی کا ٹوٹ جانا ان مشکلات اور فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو انہیں پیش آئے اور اسی رسی کے جڑ جانے کے بعد اس کے ذریعے سے اوپر چلے جانے سے غالباً یہ اشارہ ہے کہ وہ اس فتنے میں حق پر ہوں گے، لہٰذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی جنت میں ہوں گے۔

4۔ کسی حکمت کی بنا پر خواب کے کچھ حصے کی تعبیر بتانا اور کچھ نہ بتانا جائز ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں واقع ہونے والی غلطی کی وضاحت نہیں فرمائی۔

5۔ اس سچے خواب میں خلفائے ثلاثہ کی عظمت و شان کا اظہار ہے۔

تہجد کی نماز

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غیر شادی شدہ نوجوان لڑکا تھا۔ میں رات کو مسجد میں سویا کرتا تھا۔ ہم میں سے جو کوئی خواب دیکھتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتا۔ میں نے کہا "یا اللہ! اگر تیرے پاس میرے لیے خیر ہے تو مجھے بھی کوئی خواب دکھا دے جس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریں، چنانچہ (ایک بار) میں سویا تو میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے ساتھ لے گئے۔ انہیں ایک اور فرشتہ ملا، اس نے (مجھ سے) کہا۔ گھبرا مت، وہ دونوں فرشتے مجھے جہنم کی طرف لے گئے۔ دیکھا تو اس کی منڈیر بنی ہوئی تھی جس طرح کنویں کی منڈیر ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس میں کچھ لوگ تھے جن میں سے بعض کو میں نے پہچان لیا، پھر وہ (فرشتے) مجھے دائیں طرف لے گئے۔"

صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب (اپنی ہمشیرہ ام المومنین) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سنایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خواب سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عبداللہ نیک آدمی ہے، کاش وہ رات کو نماز تہجد زیادہ پڑھتا۔"

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سالم رحمتہ اللہ نے فرمایا "اس لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو بہت زیادہ نماز پڑھتے تھے۔")

فوائد و مسائل:

1۔ایک نوجوان کنوارا آدمی ضرورت پڑنے پر دن یا رات کو مسجد میں سوسکتا ہے۔

2۔نیک آدمی کی اس انداز سے تعریف کرنا جائز ہے جس سے اس میں فخر کے جذبات پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو۔

3۔نیکی کی ترغیب دلانے کے لیے موجود نیکی کا ذکر کر کے کوتاہی بیان کرنا درست ہے تا کہ اصلاح کی ہمت پیدا ہو۔

4۔اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کا اشارہ ہے۔

جنتی شخص

حضرت خرشہ بن حر الفزاری رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔ ”میں مدینہ منورہ آیا تو مسجد نبوی میں کچھ بزرگ حضرات کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک بزرگ لاٹھی ٹیکتے تشریف لائے تو لوگوں نے کہا۔

”جو کوئی ایک جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ انہیں دیکھ لے۔“

انہوں نے ایک ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی۔ میں اٹھ کر ان کے پاس گیا اور ان سے کہا۔

”کچھ لوگ آپ کے بارے میں اس اس طرح کہتے ہیں۔“

انہوں نے کہا۔ ”الحمدللہ! جنت اللہ کی ہے، وہ جسے چاہے گا، اس میں داخل کرے گا۔ (لوگ یہ بات اس لیے کہتے ہیں کہ) میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک خواب دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا گویا ایک آدمی میرے پاس آیا اور اس نے کہا ”چلیے۔“ تو میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے ایک بڑی شاہراہ پر لے چلا۔ (چلتے چلتے) مجھے بائیں طرف ایک راستہ نظر آیا۔ میں نے اس پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس (میرے ساتھی) نے کہا ”آپ اس راستے والوں میں سے نہیں۔ پھر مجھے دائیں طرف ایک راستہ نظر آیا۔ میں اس پر چل پڑا حتی کہ میں ایک پھسلواں پہاڑ تک جا پہنچا۔ اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اوپر کی طرف اچھال دیا۔ اچانک میں اس (پہاڑ) کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ میں وہاں نہ ٹھہر سکا اور پاؤں نہ جما سکا۔ اچانک دیکھا کہ لوہے کا ایک ستون ہے جس کے بالائی حصے میں سونے کا ایک حلقہ ہے۔ اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اوپر اچھال دیا حتی کہ میں نے وہ حلقہ پکڑ لیا اس نے کہا ”کیا آپ نے اسے اچھی طرح پکڑ لیا ہے؟“ میں نے کہا ”ہاں“ تو پھر اس نے ستون کو پاؤں مارا (اور گرا دیا) اور میں حلقے کو مضبوطی سے پکڑے رہا۔ (پھر میں بیدار ہو گیا۔)

صحابی فرماتے ہیں۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب سنایا تو آپ نے فرمایا۔

”تو نے اچھی چیز دیکھی ہے۔ وہ شاہراہ تو میدان محشر تھی۔ بائیں طرف جو راستہ نظر آیا، وہ جہنمیوں کا راستہ تھا۔ تو اس راستے والوں میں سے نہیں۔ اور جو راستہ تجھے دائیں طرف نظر آیا، وہ اہل جنت کا راستہ تھا۔ وہ پھسلواں پہاڑ شہیدوں کا مقام تھا اور جو حلقہ تو نے پکڑا، وہ اسلام کا حلقہ ہے۔ اسے فوت ہونے تک مضبوطی سے پکڑے رہنا۔“ (مسلم)

(اب اس خواب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعبیر کی وجہ سے) مجھے امید ہے کہ میں جنت والوں میں سے ہوں گا۔“ (دریافت کرنے پر) معلوم ہوا کہ وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔

1۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودی مذہب پر تھے اور ان کے بہت بڑے عالم تھے۔

2۔دین پر مرتے دم تک قائم رہنا نجات کا باعث ہے۔

3۔شہادت کے منصب کو پھسلواں پہاڑ سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح پھسلن والے پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح جہاد کر کے شہادت حاصل کرنا مشکل ہے لیکن وہ پہاڑ کی طرح بلند اور عظیم مقام ہے۔

☆☆

شادی کارڈ

انشا جی

digest library.com

لچھے ہماری زندگی اور تہذیب کا ٹریڈ مارک سمبل ہے، ہماری کوئی بات، کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ ہمیں لچھے دار زبان بولنے کا شوق ہے۔ لچھے دار عبارتیں لکھنے کا شوق ہے اور لچھے دار تقریریں کرنے کا شوق ہے۔ لچھی کو بھی لچھے ہی میں شامل سمجھیے۔ بحوالہ ایک پنجابی شاعر کے

اگے تیرے بھاگ لچھیے

غالب روایت شکن آدمی تھے اور اردو نثر کو سلیس بلکہ پانی کر گئے ہیں۔ لیکن القاب و آداب میں کبھی کبھی جمیل المناقب، عمیم الاحسان وغیرہ کے لچھے وہ بھی چھوڑ دیتے تھے۔ اس زمانے کے حساب سے یہ کچھ بھی نہ تھا کیونکہ اس عہد کی ایک کتاب پر تو ہم نے مصنف کا نام یوں لکھا دیکھتے ہیں۔

ناشر عدیم النظیر و ناظم فقید المثال، بذلہ سنج نازک خیال، جلا بخش اردو زبان، اعجاز بیان "جناب میرزا رجب علی بیگ سرور۔"

ایک عامی کے لیے اس طومار میں سے نام کی سوئی تلاش کرنا اور اس پر طرۂ پرپیچ دم کے پیچ و خم نکالنا ایسا آسان کام نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اصل نام جلا بخش نہیں۔ جب مولا بخش اور خدا بخش اور پیر بخش نام ہو سکتے ہیں تو جلا بخش کیوں نہیں۔ عدیم النظیر اور فقید المثال بھی بھلے مانسوں کے نام لگتے ہیں۔ لیکن فی الحال لچھے کی گرہوں میں سے صرف رجب علی برآمد ہوتا ہے۔ سرور بھی تخلص یعنی مصنف کی اپنی ایجاد ہے۔ کیا عجب رجب علی بھی بچپن میں فقط رجبے ہی کہلاتے ہوں۔ بڑا ہو کر یہ پرسا پرس رام بنا ہو۔

☆☆☆

اب عبارت آرائی کتابوں اور قصوں کہانیوں میں تو متروک ہوئی۔ یہ کاروباری زمانہ ہے۔ لوگوں کے پاس دماغ سوزی اور کاوکاو کی فرصت کم ہے۔ آداب و تسلیم کا خلاصہ نکل کر "ہوائے" گیا ہے۔ لوگ آپ سے تم، تم سے تو ہی نہیں ابے تبے پر اتر آئے ہیں۔ احکام کے کاغذوں اور شادی بیاہ کے موقعوں میں البتہ ابھی پرانی شان قائم ہے۔ شادی کے رقعوں میں بیٹی ابھی تک نور چشمی ہے۔ اگر دختر ہے تو نیک اختر ضرور ہے۔

فرزند ہے تو دلبندی کے رشتے میں بندھا ہے۔ باپ احقر اور چشم براہ ہے۔ آج کل کے نئے پڑھے لکھے تو احقر کو بھی نام سمجھتے ہیں اور نیک اختر جو ویسے دختر کا تابع مہمل یا غیر مہمل ہے، صاف کسی لڑکی کا نام معلوم ہوتا ہے اردو میں بھی اس قسم کے سیدھے سادے رقعوں کا رواج نہیں ہوا کہ "اے صاحب فلاں تاریخ، فلاں وقت میری بیٹی کی شادی ہے۔ آئیے اور نیوتہ دیجیے۔ تحفہ دیجیے اور خالی ہاتھ لٹکاتے

ہوئے مت آئیے۔ ہم نے تمبو شامیانے کا سخت انتظام کیا ہے۔ دیگیں پکی ہیں۔ گوشت روٹی کھا کر جائیے۔ کیونکہ آپ نے ہمیں بھی کھلائی تھی وغیرہ، پنجاب والے ہمیشہ دوسروں سے نسبتاً کم سرگشتہ خمار رسوم وقیود رہے ہیں۔ ایک پرچے نے کسی صاحب کی شادی کے کارڈ کا مضمون نقل کیا ہے جو راوی اور چناب ہی نہیں بیاس کے پانی میں بھی دھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یوں کہیے ابھی پوری طرح نچوڑا بھی نہیں گیا۔ نقل مطابق اصل۔

”بچے سجنوں تے مترو، شالا تسیں رب دیاں رحمتاں تھلے پھلو تے پھلو، ساڈے لاڈلے پتر...... دا ویاہ، لاڈلی دھی...... دے نال...... ہونا ایں...... تسیں وی خوشیاں وچ رل کے تے دعاواں دی سانجھ پا کے ساڈا مان تے پت ودھاؤ۔

آیاں اگے اکھیاں وچھان والے

(یعنی چشم براہ)

امابعد۔ ”ویلے دی ونڈ“ یعنی تقسیم الارسات یا ٹائم ٹیبل کے عنوان تھلے درج ہے۔

سہرے دیاں لڑیاں سجان دا ویلا......

جنج دے ٹرن دا ویلا (روانگی بارات)

لاڑے ولوں ان پانی۔

اس آخری جملے کا مطلب ہے دولہا کی طرف سے دانا دنکا یا آب ودانہ۔ مطلب ولیمہ، تھوڑی بہت پنجابی تو اپنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ہمیں بھی آتی ہے لیکن گیانیوں والی نہیں اور ویلے دی، ونڈ تو ہم نے آج ہی سنا۔ اسے ایجاد بندہ بلکہ گندہ کہتے ہیں۔ سجنوں تے مترو، ماں تے پت (ماں تے پت نہیں) وغیرہ پڑھ کر تو مذکورہ پرچے کے ایڈیٹر کی طرح ہمیں بھی دربار صاحب امرتسر یاد آیا۔

☆☆☆

اردو میں بھی دعوت ناموں کو سلیس بنانے کا ایک تجربہ کیا گیا ہے ہمیں پسند آیا۔ آج کل نظام امتحان بھی بدل گیا ہے۔ ہمارے زمانے کا سا نہیں کہ لمبے لمبے جواب مضمون لکھنے پڑتے تھے۔ گزرے ہوئے بادشاہوں کی پالیسی بنانے کے علاوہ ان کے چال چلن کا سرٹیفکیٹ بھی دینا پڑتا تھا۔ یہ سوال وجواب کا زمانہ ہے۔ اسی سے لیاقت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو مار مار کر کیا نکال دیا تھا؟ اگر آپ جواب میں فقط بھرکس لکھ دیں تو آپ شاندار نمبروں سے پاس ہیں۔ نادر شاہ کو دیکھ کر محمد شاہ کی کیا بندھ گئی تھی۔ گھگھی ...... صحیح جواب ہے شاباش بیٹھ جاؤ۔ یحییٰ خان نے قوم کو کیا بنایا؟ الو اس کے بجائے کبوتر یا توتا کسی اور جانور کا نام لکھنا غلط ہوگا۔ آپ کے نمبر کٹ جائیں گے۔ ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔

☆☆☆

خیر ذکر دعوت نامے کا تھا۔ اور دعوت نامہ ہمارے ایک بہت عزیز دوست کی شادی اور لاڑے ولوں ان پانی یعنی ولیمے کا ہے۔ چونکہ یہ دن عید کے تھے اس لیے ہر کارڈ جو آتا تھا، لوگ اسے عید کارڈ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیتے تھے یا بچوں کو دے دیتے تھے۔ اس لیے ابتدا اسی اطلاع سے کی گئی ہے کہ یہ کارڈ کیا ہے کس کا ہے اور کہاں ہے؟ کس طرف کو ہے۔ کدھر ہے۔ اب مضمون ملاحظہ ہو۔

☆☆

باتیں شہریار ملک سے

شاہین رشید

1۔اصلی نام؟
"شہریار علی ملک۔"
2۔پیار کا نام؟
"شہری ہی بولتے ہیں۔"
3۔تاریخ پیدائش/سال؟
"ستمبر 1997ء"
4۔قد/ستارہ؟
"چھ فٹ ایک انچ/ لبرا"
5مادری زبان؟
"اردو"
6۔تعلیمی قابلیت؟
"بی اے اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس۔"
7۔شادی/ بچے؟
"بیچلر ہوں۔"
8شوبز میں آمد؟
"شوبز میں آنا میرے بچپن کا خواب تھا۔ پورا ہوا۔"
9۔بہن بھائی آپ کا نمبر؟
"ہم دو بھائی ہیں اور میں بڑا ہوں۔"
10۔بچپن کی ایک بری عادت جو مشکل سے گئی؟
"ڈر ڈر کر جینے کی عادت...... بڑی مشکل سے گئی ہے۔"
11۔زندگی کی پہلی کمائی کس عمر میں کی اور کس کے ہاتھ میں رکھی؟
"اٹھارہ سال کا تھا جب پہلی کمائی کی اور خود ہی رکھ لی تھی۔"
12۔آپ کی زندگی کی سب سے بڑی اچیومنٹ؟
"اپنے خوابوں کو فالو کرنا۔"
13۔اپنے ہر کام کے لیے کس سے مشورہ لیتے ہیں؟
"اپنی ماں سے۔"
14۔گھر میں کس کا رعب ہے؟
"رعب سے کام نہیں چلتا میرے گھر میں۔"
15۔صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی اور رات کیا نہ ملے تو رات نہیں ہوتی؟
"صبح تنہائی نہ ملے تو اور رات کو بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔"
16۔بھوک میں آپ کی کیفیت؟
"غصہ اور ڈپریشن۔"
17۔پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں؟
"کیا سوچنا ہے۔ بس میری نیک تمنائیں ہیں

اپنے ملک کے لیے۔"
18۔کس ملک کی شہریت کے خواہش مند ہیں؟
"کینیڈا۔"
19۔اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ کون سا کھیل پسند ہے؟
"فٹ بال۔"
20۔گھر میں ضدی اور آرام طلب کون؟
"گھر میں ضدی میں ہوں اور آرام طلب چھوٹا بھائی ہے۔"
21۔پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو؟
"بہت پرسکون تھا اور میں کیمرے کو بہت آسانی سے فیس کر لیتا ہوں۔"
22۔گھر میں سب سے زیادہ پیار کس کو ملا؟
"مجھے ہی ملا۔ہاہا"
23۔کس سیاست دان کا رول کرنا پسند کریں گے؟
"ضیاء الحق کا۔"
24۔شوبز میں کیا اچھا ہے کیا برا ہے؟
"شوبز میں ایکسپوژر اچھا ہے اور پرائیویسی کم ہونا شروع ہو جاتی ہے، یہ برا ہے۔"
25۔کس بات پر آپ کی آواز اونچی ہو جاتی ہے؟
"جہاں حق مارا جا رہا ہو۔"
26۔کیا کیا چیزیں خریدنا آپ کا خواب ہیں؟
"میں اپنے سب دوستوں کے لیے ایک گاڑی خریدنا چاہتا ہوں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے۔"
27۔کس کی خاطر فیلڈ چھوڑ سکتے ہیں؟
"اپنے بچوں کی خاطر......اللہ نے اگر ایسا موقع دیا تو۔"
28۔خاندان میں کون جلدی ناراض ہو جاتا ہے؟
"میں ہی ہوں۔"
29۔کسی کی ایک اچھی عادت جو آپ چاہتے ہیں کہ آپ میں آ جائے؟
"میرے دوست ہیں میں ان کے صبر سے بہت متاثر ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ مجھ میں بھی یہ اچھی عادت ہو۔"
30۔زندگی میں کچھ واپس ملنے کا موقع ملے تو کیا واپس لینا چاہیں گے؟
"نہیں......جو چیزیں آپ کی زندگی میں ہیں اس کے ہونے سے ہی گروتھ ہوتی ہے۔"
31۔دل کا ٹوٹنا ناقابل برداشت ہے یا موبائل کا؟
"دل ٹوٹنا......میوزک کافی اچھا بنتا ہے اس کے بعد۔"
32۔اپنے گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟
"گھر کی چھت پر۔"
33۔بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتے ہیں؟
"چھوٹی بیماریوں کو سیریس لیتا ہوں لیکن بڑی بیماریوں کو نہیں۔"
34۔اس فیلڈ میں کیا کیا کر چکے ہیں؟

"دو ڈرامے کچھ سال ماڈلنگ کی اور میوزک۔"

35۔ کردار کون سے پسند ہیں نیگیٹو یا پوزیٹو؟
"ابھی تک نیگیٹو رول کیا نہیں...... لیکن مجھے نیگیٹو رول پسند ہیں۔"

36۔ پہلا ڈرامہ وجہ شہرت؟
"پہلا ڈرامہ "ہم دونوں" اور اس سے شہرت ملی اور اب "منجھلی" بھی پسند کیا جا رہا ہے۔"

37۔ کچن سے لگاؤ...... کبھی شیف بننے کا خیال آیا؟
"کچن سے لگاؤ ہے کیونکہ عادت ہے خود کام کرنے کی مگر ابھی کوکنگ میں مہارت نہیں ہے۔"

38۔ کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا؟
"ہاں...... چھوٹے چھوٹے تو بہت ہیں مگر بڑا کوئی نہیں ہے۔"

39۔ کس شخصیت پہ چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتے؟
"اپنے بھائی پر۔"

40۔ کس کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی؟
"موبائل کے لیے ہی کہوں گا۔"

41۔ کس تہوار کا انتظار رہتا ہے؟
"عیدالفطر یعنی چھوٹی عید۔"

42۔ ملک کی ترقی کی راہ میں کون رکاوٹ ہے؟ عوام یا حکمران؟
"کسی ایک کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے جب تک کہ پوری طرح معلومات نہ ہوں۔"

43۔ کھانے کی ٹیبل پہ کیا ہونا ضروری ہے؟
"کھانا کھانے کے بعد چائے کا کپ ہونا ضروری ہے۔"

44۔ کبھی غربت میں وقت گزارا؟
"میرے خیال میں میرے والدین نے گزارا ہوگا۔ کیونکہ جب میں پیدا ہوا تو حالات اچھے تھے ہمارے۔"

45۔ طالب علمی کے دور میں کس مضمون سے نفرت تھی یا ناپسندیدہ تھا؟
"کیمسٹری۔"

46۔ ڈاکٹر، حکیم یا ہومیو پیتھک کس پر یقین ہے؟
"یقین تو ڈاکٹر پر ہی ہے...... اور جلدی ٹھیک ہونا نہ ہونا قوت مدافعت پر بھی منحصر ہے۔"

47۔ آپ کی آج کل کی مصروفیات؟
"منجھلی آن ایر ہے اور میوزک کے پروجیکٹ کر رہا ہوں۔"

48۔ اپنا ڈرامہ بار بار دیکھتے ہیں؟
"میں اپنے سین بار بار دیکھتا ہوں سیکھنے کے لیے۔"

49۔ گھر میں کون پڑھاکو تھا؟
"میں ہی پڑھاکو تھا۔"

50۔ مشکل میں کس کو کال کرتے ہیں؟
"اپنی والدہ کو کال کرتا ہوں۔"

51۔ گھر میں کون بی بی سی ہے؟
"بی بی سی نیوز چینل بھی شاید میں ہی ہوں۔"

52۔ کن چیزوں پر زیادہ خرچ کرتے ہیں؟
"میرا خیال ہے میں جوتوں پر زیادہ خرچ کرتا ہوں۔"

53۔ میری خواہش ہے کہ؟
"کہ میں ذوالفقار علی بھٹو یا عمران خان کا کردار ادا کروں۔"

54۔ گھر میں بچت کی عادت کس کو ہے؟
"سب کو ہی ہے مگر یہ عادت ختم کر رہا ہوں میں سب کی۔"

55۔ کیا آپ کے اندر بھی ایک ولن ہے؟
"ہر انسان میں ایک ولن ہوتا ہے...... یہ کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔"

56۔ آپ کے گھر میں کون اس فیلڈ میں آنا چاہتا ہے؟

''ہماری فیملی میں میری ایک کزن ہیں جو ڈائریکٹر بننا چاہتی ہیں۔''

57۔ غصے میں پہلا لفظ؟

''یار......''

58۔ پہلی ملاقات میں شخصیت کی کس چیز کا جائزہ لیں گے؟

''ان کی انرجی کا۔''

59۔ شوبز میں آنے کی بنیادی وجہ؟

''مجھے بچپن سے شوق تھا اس فیلڈ میں آنے کا۔''

60۔ مطالعہ کرتے ہیں؟ کس کو زیادہ پڑھتے ہیں؟

''میں پوڈکاسٹ دیکھتا ہوں اور بکس کی سمری دیکھتا ہوں۔''

61۔ سوشل میڈیا نہ ہوتا تو؟

''اگر نہ ہوتا تو آپ کو نئی نئی شکلیں بھی نظر نہ آتیں۔''

62۔ پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟

''لاہور فوڈ اسٹریٹ، بہترین۔''

63۔ آپ کے موبائل پہ صبح سویرے کس کا میسج آتا ہے؟

''میری والدہ کا۔''

64۔ اگر اپنا ریسٹورنٹ کھولیں تو کون سی ڈش کبھی نہیں پکنے دیں گے؟

''میرے ریسٹورنٹ میں ''پلاؤ'' کبھی نہیں بنے گا۔''

65۔ اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟

''شہرت اور کام دو مختلف چیزیں ہیں۔''

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ
بساط دل	آمنہ ریاض
دردموسم	راحت جبیں
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار
میں سے عورت	فرزانہ عزیز
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی
زخم کو بند تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین
لماؤں کا چاند	بشریٰ سعید
رنگ خوشبو ہوا اور دل	افشاں آفریدی
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل
آج صحن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل
درد کی منزل	رضیہ جمیل
میرے دل میرے مسافر	تسیم سحر قریشی
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر

[redacted]

ابھرتی ہوئی مصنفہ

ثمین صداقت سے ملاقات

شاہین رشید

گزشتہ سے پیوستہ

"آپ کی "پی ایچ ڈی" کہاں تک پہنچی؟"

"ابھی میرا پی ایچ ڈی" کا دوسرا سال ہے۔ پہلا سال کورس ورک کا ہوتا ہے اور دوسرے سال میں کمپری ہنسیو پیپرز ہوتے ہیں" لکھنے میں اور زبانی دوسرے سال ہی ریسرچ اپروول ہوتا ہے، اس کے لیے تین میٹنگز ہوتی ہیں، میری دو میٹنگ ہو چکی ہیں۔ اب آخری جگہ سے ٹاپک اپروو ہوتا ہے۔ پھر میری ریسرچ شروع ہوگی اور پھر دو سال ان شاء اللہ مزید۔"

"پی ایچ ڈی کے بعد کیا ارادے ہیں؟"

"جیسا کہ آپ کو بتایا کہ میری دلچسپی ٹیچنگ میں ہے۔ ویسے میرا ابھی دل کرتا ہے کہ بلکہ بہت دل کرتا ہے کہ یہ سب چھوڑ چھاڑ ایک دفعہ لکھنے پر دھیان دے لوں...... پورے فوکس اور دلچسپی سے لکھوں...... مگر لکھنا سب سے آخر میں آتا ہے باقی کام پہلے۔"

"تحریریں ریجیکٹ ہونے پر دل برداشتہ ہوئیں کس بات نے لکھنے پر اکسایا کس نے متحرک کیا۔"

"بہت دفعہ سوچا کہ اب نہیں لکھوں گی، کیونکہ دل بہت دکھتا تھا افسوس ہوتا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ کہانی دماغ میں بن جائے تو بس لکھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ میری ڈائریاں بھری ہوئی ہیں جن میں ایک ہی رونا ہے کہ اگر نہیں چھپنی کہانی تو میرے دماغ میں مت آیا کرو کیونکہ لکھنے میں وقت صرف ہوتا ہے میں کچھ اور کر لوں گی اس وقت میں۔

پھر کافی دیر کے بعد سمجھ میں آیا کہ اگر میری کہانیاں نہیں چھپ رہی ہیں تو اس میں میری ہی غلطی ہوگی۔ میں بہت جلدی میں لکھتی ہوں اور ایڈیٹ بھی نہیں کرتی...... ایک بار کہانی لکھنے کے بعد کم سے کم تین سے چار بار ٹھیک نہ کرو تو میری تو بالکل بھی کہانی کسی کام کی نہیں ہوتی، کہانی کو سر سے نہیں اتار سکتے...... اور اگر میں نے کہانی چھپوانی ہے تو اسے بہت دفعہ سنوارنا بھی ہے ورنہ بھول جائیں ثمین کو اور بہت دفعہ سنوارنے کے بعد بھی میری ایک کہانی نہیں چھپی تب وہ میں نے کسی اور ڈائجسٹ میں بھیج دی تھی، وہاں وہ چھپ گئی تھی...... میرا کام لکھنا ہے اور محنت سے دل لگا کر لکھنا ہے...... باقی اللہ مالک ہے۔"

"پرانی کہانیوں کا کیا کیا؟ دوبارہ لکھیں؟"

"میں نے اپنی پرانی تحریریں ایک دو بار نکالی تھیں اور ان کی نوک پلک سنوار کر بھیج دی تھیں...... ایک دو اور بھی ہیں جن کا تھیم بہت اچھا ہے...... اسے ان شاء اللہ ٹھیک کر کے ضرور ڈائجسٹ

میں بھیجوں گی۔

اب آج کے دور کے حالات اور مشکلات تھوڑے مختلف ہیں تو ان شاء اللہ میں ان حالات وواقعات کو مدنظر رکھ کر لکھوں گی۔ خاص طور پر نوجوان نسل کے لیے بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں۔"

"وہ اساتذہ جنہوں نے برا سلوک کیا ان سے ملاقات ہوتی ہے تمہاری؟"

وہ اساتذہ جنہوں نے میری حوصلہ شکنی کی، ان سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ اور شوق بھی ہے کہ بتاؤں کہ آپ کی ٹھکرائی ہوئی ردی اور کند ذہن اسٹوڈنٹ آج کہاں ہے؟

اور وہ اساتذہ جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی میرے رابطے میں رہتے ہیں۔ وہ سب بہت خوش ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر آمنہ خاور اور ڈاکٹر آمنہ معظم تو ہمیشہ تعریف کرتی ہیں......

اور میں جب سے ٹیچنگ کے شعبے میں آئی ہوں مجھے احساس ہوا ہے کہ یہ ایک انتہائی مشکل فیلڈ ہے۔ صرف پڑھانا ہی نہیں ہوتا آپ کو مزید بھی بہت سے کام کرنے ہوتے ہیں...... اس فیلڈ میں آپ بہت تھک جاتے ہیں کہ روز اتنے سارے لوگوں سے ملنا بھی پڑتا ہے۔ ہر بچے کے الگ الگ مسائل ہوتے ہیں۔ ایک استاد کو اموشنلی بہت مضبوط ہونا پڑتا ہے...... ذمہ داری لینی پڑتی ہے اپنے ہر کام کی۔ اس لیے استاد کے لیے جو ٹیسٹ اور انٹرویو ہو۔ اس میں لازمی ایموشنلی انٹیلیجنس کے سوالات ہونے چاہیے جو انہیں پاس کرے اسے ہی استاد بننا چاہیے...... ایک استاد کو اپنے گھر کی بھی بہت ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اس لیے اپنے مزاج پر بھی قابو رکھنا پڑتا ہے کیونکہ طالب علموں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ آپ کے گھر میں کیا چل رہا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا، آپ نے...... بہ حیثیت ٹیچر کے یا طالبہ کے بھی اسکول کالج کے لیے بھی لکھنے کا اتفاق ہوا؟"

بالکل ہوا......اور ہم ابھی بات کر رہے تھے حوصلہ افزائی کی تو میری بہن ملائکہ۔ میری کزن افراح اور میری اسکول فیلو میرا نے نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ پہچانا کہ تمہیں ٹیبلو اور کہانی وغیرہ لکھ سکتی ہے......

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں ہم لوگ 14 اگست بہت دھوم دھام سے منایا کرتے تھے...... گھر میں بھی ہم بچے مل کر فنکشن ارینج کیا کرتے تھے، جس میں مختلف گیمز ٹیبلو اور ڈرامہ وغیرہ ہوا کرتے تھے اور پاکستان پر پورا اسکرپٹ تیار کیا جاتا تھا پہلے یہ اہتمام بڑے کزن کیا کرتے تھے اور جب ہم بڑے ہوئے تو ہم نے میدان سنبھالا......اور یہ سارا فنکشن اپنی کزنز اور بہن ملائکہ، حارث، حسن، مومن، عائشہ اور منہا کے ساتھ مل کر میں ارینج کیا کرتی تھی...... جس میں مین بڑا ڈرامہ جو پاکستان پر لکھا جاتا تھا وہ میں لکھتی تھی۔ اور یقین کریں کہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔ یہاں سے بھی حوصلہ ملا...... پھر جب کالج میں آئی تو "افسانہ" نگاری کے مقابلے میں حصہ لیا تو میری تیسری پوزیشن آئی...... پھر یونی ورسٹی میں میری دوست مریم نے حوصلہ افزائی کی، وہ نہ صرف میرے افسانے ناول پڑھا کرتی تھی بلکہ ایک لمبا چوڑا تبصرہ بھی کرتی تھی۔ میری دوست حفصہ رفاقت خود بھی بہت اچھا لکھتی تھی مگر وہ میری تحریروں کو بھی بہت پسند کرتی تھی...... باقی سدرہ مختار، یاسمین، نور الہدیٰ، رخماہ، زرین، عائشہ جبار اور فرح نے بھی بہت حوصلہ افزائی کی۔"

"آپ کی تحریروں ین کیا آپ کی شخصیت کا عکس ہوتا ہے؟"

"آپ جتنے بھی میری تحریروں میں اماں کے رول دیکھیں گی جو لیکچر دے رہی ہوتی ہیں وہ میں ہوتی ہوں اور ایک مزے کی بات تو مجھے کچن کے کام اتنے پسند نہیں تو میری ہیروئن زیادہ تر آپ کو کام سے بھاگتی ہوئی ہی نظر آئے گی ...... گھر کے کام

کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔جیسے مجھے لگتا ہے کہ کیریئر پر فوکس کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔"

"گھرداری سے زیادہ لگاؤ نہیں ہے، کیوں؟"

"گھرداری سے بہت زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔ پہلے میں سات آٹھ سال سے لاہور ہوسٹل میں مقیم تھی اور 2024ء میں واپس "چونیاں" آئی ہوں۔مجھے گھرداری سے زیادہ اپنا کیریئر پسند ہے......میں صبح چھ بج کر تیس منٹ پر گھر سے نکلتی ہوں اور دوپہر تین بج کر تیس منٹ پر گھر آتی ہوں......اور پھر فون چیک کرتی ہوں اور ضروری میسجز کا جواب دیتی ہوں......پھر لیکچر بھی تیار کرنے ہوتے ہیں۔ریسرچ ورک بہت زیادہ ہے......اور ان سب کاموں کے دوران میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں کہانی لکھوں......مگر وقت ہی نہیں ملتا۔

صاف ستھرا گھر مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور ایسا نہیں کہ مجھے کھانا پکانا نہیں آتا، جب وقت ملتا ہے پکا بھی لیتی ہوں اور میرے ہاتھ میں ذائقہ ہے میرا پکا سب پسند کرتے ہیں......گھر کے ننانوے فیصد کام ماما ہی کررہی ہوتی ہیں۔ مجھے ٹائم ملتا ہے تو میں بھی ہاتھ بٹا دیتی ہوں۔"

"سیاست اور سیاحت سے دلچسپی؟"

"دو سال پہلے اگر آپ مجھ سے یہ سوال کرتیں تو میں فٹ سے سیاحت ہی کہتی......گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا اور پورا بھی کیا......مگر اب کوئی خاص شوق نہیں رہا......ابھی باقی چیزیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں......سیاست سے بھی زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔لیکن اب باخبر رہنا بھی پسند ہے کہ دیکھیں تو سہی کہ دنیا میں کیا چل رہا ہے۔جب گھومنے پھرنے کا شوق تھا تو ناران، کاغان اور خیبر پختون خواہ کا کچھ حصہ دیکھا۔ باقی کبھی جیب نے اجازت دی تو پہلے پورا پاکستان دیکھوں گی اور پھر سعودی عرب۔مزید پیسہ ہوا تو دیگر ممالک بھی جاؤں گی۔"

"ملک سے باہر سیٹ ہونے کا خیال آیا؟"

"نہیں......لوگ پاکستان کو برا کہتے ہیں مگر میں دل سے پاکستانی ہوں...... باہر سیٹ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی، ہاں ان شاء اللہ گھومنے پھرنے ضرور جاؤں گی اور سب کو گھومنے جانا چاہیے مگر اپنے ملک کو چھوڑنے کی باتیں نہ کیا کریں کہ اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔

"میں جب 14 اگست کے موقع پر پاکستان پر ڈرامہ لکھا کرتی تھی تو وہ بھی حب الوطنی پر مبنی ہوتا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک پاکستان کو برا کہنے کا دل نہیں چاہا۔"

"اپنی دیگر خوبیاں اور خامیاں بتائیں؟"

"ذرا مشکل کام ہے......خیر......میں ہمیشہ کفایت شعار رہی ہوں۔اپنے والدین کا اور خاص طور پر اپنے والد کا احساس کرتے ہوئے بہت سنبھل کر خرچ کرتی ہوں......ہاسٹل میں رہی اور وہاں بھی جتنا خرچ ملتا تھا اسی میں گزارا کرتی تھی۔والد کو بھی زیادہ تنگ نہیں کیا......میرے پاس میرا لیپ ٹاپ اور فون......یہ دو چیزیں کسی حد تک مہنگی ہیں لیکن یہ میں نے اپنے اسکالرشپ سے لی ہیں......مجھے ایک چیز کا گلٹ ہے کہ کاش میں نے والد کے پیسے اڑائے ہوتے۔اگرچہ یہ بچگانہ خواہش ہے۔مگر ہے......وہ ہمیشہ اسکالرشپ ملنے پر مجھے کہتے تھے اسے جمع کرلو اور تمہیں جو چاہیے ہو مجھے بتادو۔میں دلوادوں گا......لیکن میرے اندر کا کیڑا کہ نہیں اپنے پیسوں سے چیز لینی ہے......اور اب جب کوئی والد والے الفاظ نہیں کہتا اور آپ کو اپنی ضروریات کے علاوہ کچھ چاہیے ہوتا ہے تب پاپا یاد آتے ہیں......انہیں پتا نہیں کیسے معلوم ہو جاتا تھا کہ نمین کے پاس پیسے ختم ہوگئے ہیں...... وہ ہمیشہ خود ہی اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کروادیتے تھے......اب جب مانگنے پڑتے ہیں تب خیال آتا ہے کہ کاش پاپا کے پیسے کھلے دل سے اڑائے ہوتے۔"

"مزاجاً کیسی ہو؟ اور فیشن سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"فیشن سے مجھے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے......مطلب مجھے جو چیز پسند ہے اب اس کا فیشن ہے یا

نہیں مجھے وہی پہنتا ہے، جیسے لمبی قمیص...... میک اپ مجبوری ہے...... مجھے معمول والا میک اپ پسند ہے یعنی لائیٹ اور مزاج تو آپ میرے اطراف کے لوگوں سے پوچھیں۔

میں خوش خوراک ہوں، اچھا کھانا مجھے پسند ہے اور میٹھا زیادہ پسند ہے۔ اس لیے اکثر اوقات ڈائٹنگ پہ جانا پڑ جاتا ہے...... ہمارے گھر میں موٹاپا جینز میں ہے اس لیے ہمارے گھر میں آپ کو ہر کوئی ڈائیٹ پر ملے گا۔

اور آپ نے اچھی بری عادت پوچھی ہے تو اسی جواب میں آپ کو میرے مزاج کا جواب بھی مل جائے گا۔

اچھی عادت میں نرم دل ہوں، معاف کر دیتی ہوں، حسد جلن، نہیں ہے کی ہے، سب کی مدد کرنے کے لیے تیار رہتی ہوں اپنی غلطی بھی مان لیتی ہوں۔ اپنی کمائی کو حلال کر کے کماتی ہوں۔ مطلب گورنمنٹ ادارے میں ہونے کے باوجود بھی اپنا پورا سو فیصد دیتی ہوں۔ اور نرم مزاج ہوں خوش مزاج اور خوش اخلاق بھی ہوں۔ اور بہت کم چیزوں کو یعنی مسائل کو سر پر سوار کرتی ہوں...... آپ سوچ رہی ہوں گی کہ اپنی اچھی عادتیں ہی بتائے جا رہی ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ اپنی اچھی عادتیں بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے...... اگر آپ کو اپنی خامیوں کا پتا ہے تو آپ کو اپنی خوبیوں کا بھی پتا ہونا چاہیے۔

بری عادتوں میں غصہ بہت تیز ہے کبھی کبھی غصے میں آپے سے باہر ہو جاتی ہوں، میٹھا زیادہ کھاتی ہوں، ایکسر سائز کم کرتی ہوں...... ابھی تک مجھے ورک لائف بیلنس نہیں آیا، مجھے پڑھنا بھی ہے، پڑھانا بھی ہے ٹریول بھی کرنا ہے لکھنا بھی ہے گھر کو بھی وقت دینا ہے...... تو مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ میں کیسے مینیج کروں...... سب سے زیادہ تب جب ماما اگنور ہوتی ہیں تب افسوس ہوتا ہے، اس کے علاوہ اسٹوڈنٹ کو کیسے ڈانٹنا ہے یہ بھی نہیں آتا وہ کافی بار جھوٹ بول کر چلے جاتے ہیں۔ مجھے پتا بھی ہوتا ہے لیکن پھر بھی کیا کہیں بچے ہیں...... یہ بھی میری بری عادت کے زمرے میں ہی آتا ہے۔"

"ٹی وی ڈرامے دیکھتی ہیں کس کے ڈرامے زیادہ پسند آتے ہیں؟"

"مجھے ڈراما دیکھنا پسند ہے۔ پہلے میں کورین ڈرامے بہت دیکھا کرتی تھی، اب تھوڑے کم ہو گئے ہیں...... کیونکہ پہلے پہل وہ مختلف چیز لگتی تھیں اب پہلی قسط دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آگے کیا ہوگا...... اس لیے ان میں دلچسپی کم ہو گئی ہے کہ دو ہفتے میں ایک ڈراما...... پاکستانی ڈرامے بھی پسند ہیں اور کچھ پاکستانی ڈرامے تو ایسے ہیں کہ جب میں بور ہو رہی ہوتی ہوں تب دیکھ لیتی ہوں، جیسے فرحت اشتیاق کا "ہم سفر"،"یقین کا سفر" عمیرہ احمد کا "زندگی گلزار ہے"۔"

"ایک ہی ڈرامے کو بار بار دیکھ کر بور نہیں ہو جاتیں کیا۔"

"نہیں مجھے بالکل بھی بوریت نہیں ہوتی۔ جو ڈرامے ناول مجھے پسند ہوتے ہیں انہیں کئی دفعہ دیکھ اور پڑھ سکتی ہوں۔ کورین اور ترکش ڈرامے بھی اسی طرح جو اچھے لگتے ہیں میں کئی دفعہ دیکھ چکی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ سب لوگ ایسے ہی کرتے ہیں۔"

"آپ نے کہا کہ آپ کے علاوہ سب کی شادی ہو چکی ہے تو معذرت کے ساتھ...... آپ کی کیوں نہیں ہوئی؟"

"شادی ہمارے گھروں میں والدین ہی کرواتے ہیں اور جب وہ کوئی ڈھونڈ لائیں گے تو شادی بھی ہو جائے گی۔ ابھی تو میرا سارا فوکس پی ایچ ڈی پر ہے۔ پی ایچ ڈی تھوڑی اسٹیبل ہو جائے میری...... جتنی لڑکیوں کی پی ایچ ڈی کئی کئی سال چلتی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ شادی ہے۔ لیکن آپ کو پتا ہے کہ ہم لڑکیوں کی کون سنتا ہے...... گھر والوں کو جب کوئی مل گیا اور جب نصیب میں ہوا تو شادی بھی ہو جائے گی۔"

"بہت شکریہ تحسین! آپ نے اپنی مصروفیات سے وقت نکالا۔"

☆☆

نادرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

صدف ناصر ...... گوجرانوالہ

ٹائٹل بالکل بھی پسند نہیں آیا ''کہنی سُنی'' از حد متاثر کن ...... ''کرن کرن روشنی'' بھرپور معلوماتی اور اصلاحی سلسلہ۔ ''پھر دیکھ بہاریں کراچی کی'' پڑھ کر ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئے۔1970 ہو یا 2025 حالات نہیں بدلے۔

''دشمین صداقت'' اپنے نام اور کام کی طرح ہی پیاری اور ذہین لڑکی ہیں۔ بہت حیرت ہوئی کہاں ایک اوسط درجہ کی طالبہ اور پھر ایک پوزیشن اسکالر شپ ہولڈر۔ واہ! ماشاء اللہ۔ ''فرح بھٹو'' سے بھی ملاقات کروادیں۔

''ہمارے نام'' رومیسہ (نارووال) کا تبصرہ ایک طرف اور باقی پورا ڈائجسٹ ایک طرف۔ اتنی خوب صورتی سے اتنا جامع اور شاندار تبصرہ لکھا، 45 سالوں کی قلم سی چل پڑی۔ ناہیدا اسماعیل بہت دنوں سے آپ نے اپنی سسٹرز کا ذکر نہیں کیا اور آپ کیا جاب کرتی ہیں۔ آپ نے کہا کہ آپ کا آفس ہے؟

''صائمہ علی کی اگلی تحریروں کا انتظار ہے۔''

''ن اور م'' کو ہمارے خطوط پسند ہیں۔ شکریہ بہنو۔ مگر آپ اپنے نام تو لکھو۔

''انگنا پھول کھلیں گے'' کی جگہ ''کر چلے جانثار ہم'' کو دیکھ کر دل اداس تو ہوا۔ مگر سعیعہ عمر کی یہ تحریر بھی کسی سے کم نہیں۔ پھر انتہائی تیز رفتار ''بورے والا ایکسپریس'' جیسی۔ (ہاہاہا) نعیمہ اور زاہلہ کی اسٹوری بے حد سسپنس، ایکشن اور دلچسپی سے بھرپور ہے۔ محراب خان کی ذہانت اور مکاری شان دار ہے اور ''جنان'' کا نام اور کام خاصے منفرد۔ تحریر زبردست رہے گی۔ ان شاء اللہ

''پروین'' اختتامی مراحل میں داخل ہو گیا۔ بہر حال شہریار اور اس کی ماں نہیں سدھرنے والے، یہ بچھو ہیں انہوں نے ڈسنا ہی ہے۔ سمیرا حمید، پلیز ان دونوں سے کوئی رعایت نہیں برتیے گا۔

''ناولٹ راشدہ رفعت کہانی ایک گھر کی سنانے میں مصروف ہیں۔ یوں لگا جیسے بچپن لوٹ آیا ہے۔ یہ ساس، بہو کی ماں، بیٹی بننے کی کہانی بھی پریوں کے دیس کی لگ رہی ہے۔ (ہاہاہا) افسانوں میں ''بابا کا گھر'' سب سے اچھا رہا۔ ''فیصلہ'' متاثر کن اور خوش آئند تحریر لکھی، حمیرا اشفیع نے ''شہری وو ہٹی'' مزے کی تحریر ہے۔ گھر کی تینوں بیبیاں کھا کھا کے پھٹنے پر آ گئیں مگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں۔ ''بھولا ہوا رستہ'' بہت ہی سبق آموز اور قابلِ عمل تحریر ہے۔

''مہتاب ظہور'' ایک کپ چائے لائی ہیں۔ یقین کریں، پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

صبیحہ کا کردار بے حد سلجھا ہوا اور سمجھ دار تھا۔ مہتاب ظہور کی پہلی ہی تحریر بہت پختہ اور زبردست ہے۔ تالیاں!

نازیہ رزاق نے انٹرویو میں وعدہ کیا کہ اب وہ متواتر لکھیں گی مگر وعدہ ایفا نہ کر پائیں۔ عمیرہ احمد ہمارا دانہ پانی آپ پر ادھار ہے، پلیز جلد چکا دیں۔

digest-library.com

(ہاہاہا) آخر میں "چاہتوں کی بساط" فرح بھٹو کی بات ہو جائے۔ یہی زبان، یہی کردار ہم ڈھونڈتے ہیں مگر جا کر فرح اور سحرش بھٹو کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ سب سے برا کردار مہران کا ہے۔ عجیب خود غرض اور بے شرم انسان ہے۔ کان پر جوں نہیں رینگی۔ اس سے اچھا تو "سمان مہر" رہا جسے دوسروں کی بہن، بیٹیوں کی عزت کا اتنا پاس رہا۔ افسوس ہے ایسے بھائیوں پر "رملہ" بہت بری لگی۔

کچھ سزا تو بنتی ہی تھی اس خود غرض بندے کی۔ بہر حال تحریر اچھی رہی۔

سائرہ رضا کے لیے امت الصبور اور ہماری ناہید اسماعیل نے لاجواب لکھا۔ جبکہ دکھ اتنا شدید رہا کہ ہمیں الفاظ ہی نہیں ملے کہ کچھ کہہ پائیں۔ میں تو آج تک "خالی آسمان" کے "تارے" کا دکھ ہی نہیں بھول پائی تو سائرہ رضا کے لیے کیا کہوں۔ ایک سائرہ ہی کیا ہماری شازیہ چودھری، آسیہ رزاقی، فرحانہ ناز، شازیہ جمال، حیا بخاری کس کس کا نام لیں، سب ہی کا غم آج تک تازہ ہے۔ کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ (آمین)

ج: پیاری صدف! پرچے میں آپ کی شرکت کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ ہر ماہ انتظار رہتا ہے کسی ماہ آپ کا نام شامل نہ ہو تو لگتا ہے جیسے کوئی بہت اپنا آنے والا تھا لیکن کسی وجہ سے آ نہ سکا۔ بہت شکریہ پرچے میں شرکت اور اتنا اچھا تبصرہ کرنے کے لیے۔

ریحانہ چوہدری...... مدو کے (رندھیر)

سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔

مگر آہ! سائرہ رضا اختتام سفر حیات ہزاروں لوگوں کو سوگوار کر گیا ہمارے سمیت۔ سبحان اللہ "کرن کرن روشنی" دین کا ہماری دنیاوی زندگی سے تعلق بہت باریکیوں سے سمجھایا گیا ہے۔ "پھر دیکھ بہاریں کراچی کی" انشا جی 1970 میں لکھا گیا کالم آج کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔

ثمین صداقت سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ بہت نیچرل، بہت پرجوش معصومانہ سے جوابات قل آف لائف۔ ان کا یہ جملہ بہت اچھا لگا اور بہت اپنا سا بھی کہ میں نے پی ایچ ڈی میں داخلہ ایک دو انسانوں کو دیکھ کر لیا کہ اگر یہ پی ایچ ڈی کر سکتے ہیں تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ رومیسہ نارووال کا خط واقعی بہترین تھا۔ بہن سلمٰی مسرت بہت شکریہ کہ آپ کو میرے گاؤں کا نقشہ اچھا لگا۔ جب بل والے پراٹھے بناتی ہوں اور گھی کے بجائے بالائی ان میں لگاتی ہوں۔ میرے پراٹھے میری میکے اور سسرالی دونوں فیملیز کو بہت ہی پسند ہیں۔

صدف ناصر آپ کا بہت شکریہ میں نور کے پیپر کے سلسلے میں گجرانوالہ گئی پورا سفر خیالوں میں آپ شریک سفر رہیں۔ آپ کا نمبر بھی نہیں تھا کہ آپ کو بتا...... یا بلا سکتے۔

پیاری اختل آپ کا اور بہن ناہید اسماعیل کا بہت شکریہ کہ آپ ہمیں بہادر سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک بات کی تصحیح کرنا چاہوں گی۔ تین بجے باہر نہیں نکلتی وہ تو بیدار ہوتی ہوں۔ فجر کی نماز کے بعد سیر کو جاتی ہوں ویسے ناہید آپ کی جاب کیا ہے۔

سعیعہ عمر کا "کر چلے جاں نثار ہم" بہترین ناول ایک وسیع کینوس رنگا رنگ موڈز، پرت در پرت ہر کردار واضح ہو رہا ہے۔

افسانہ "بابا کا گھر" صبا تحریم کا سبق آموز ہلکی پھلکی تحریر۔ حمیرا شفیع کا فیصلہ بھی بہترین اصلاحی کاوش حنا بشریٰ کی شہری دوہٹی تو باکمال نکلی آخر سب کو رام کر ہی لیا۔

راشدہ رفعت "کہانی ایک گھر کی" ویلڈن تالیاں بہت ساری۔ فرح بھٹو نے سندھ کی سرزمین پہ ایک امید کی کرن جگانے کی کوشش کی ہے جو بہترین ہے۔ بمیرا اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ اجالا کے ساتھ شہریار بغیر کسی مفاد کے اچھا نہیں ہو سکتا مگر اللہ کرے کہ اجالا اسی وکیل کے پاس پہنچ جائے اجالا کا نام بتاتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کوئی اجلا پیغام ثابت ہو گی۔ پلیز اس کے ساتھ مزید کچھ برا مت کرنا کیونکہ پہلے ہی انتہا ہو چکی ہے رو رو کے ہماری آنکھیں تھک چکی ہیں۔

"مالا" میں لگتا ہے کہ بیربل پہ سوزی کی اصلیت کھل گئی ہے اور ماہر نے اسی کے رونے کی آواز سنی ہے۔ ماہر اس بددعا کے حصار میں قید ہونے جارہا ہے جو ایک ماں کے دل سے نکلی ہے۔

"کچھ یادیں، کچھ باتیں" پیاری احمل آپ نے تو الفاظ کی صورت سائرہ کی تصویر بنا کے رکھ دی آپ تو مصور ہیں، سائرہ کو چلتے پھرتے آپ کے دفتر آتے۔ شادی میں اسٹیج پہ جاتے۔ آپ سے بحث کرتے نظر آتی رہیں، نہیں نظر آیا تو ان کا چہرہ کوئی واضح نقش نہ بن سکا مگر ان کی سادگی، معصومیت بے ساختہ انداز گفتگو نا صرف نمناک آنکھوں سے پڑھا بلکہ دیکھا بھی۔ بہت خوش نصیب تھیں سائرہ کہ اتنے بہترین الفاظ میں ان کو خراج تحسین پیش کیا جارہا ہے۔ ناہید آپ نے ابھی تک افسانہ نگاری شروع کیوں نہیں کی؟ اتنا رواں اتنا شستہ انداز تحریر۔ واہ۔

ج: پیاری ریحانہ! الفاظ پر تو آپ کو بھی پوری دسترس حاصل ہے، آپ کا طویل خط کس دل سے ایڈٹ کیا ہے کچھ دل ہی جانتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ وہ پرانے دن لوٹ آئیں جب صفحات کا مسئلہ تو ہوتا تھا لیکن اس قدر نہیں۔ اب تو ایک ایک صفحہ قیمتی لگتا ہے۔

ناہید اسمعیل کو یہ مشورہ تو ہم بھی کئی بار دے چکے ہیں کہ وہ لکھیں۔ شاید مصروفیت کے باعث اس طرف توجہ نہیں دیتیں۔

آپ کے گھر اور گاؤں کا احوال پڑھ کر دل بے اختیار یہی چاہتا ہے کہ وہاں جا کر آپ کے ساتھ سیر کریں۔ اب یہ بیل دار بالائی والے پراٹھے...... واہ واہ کیا بات ہے۔

صائمہ علی...... نامعلوم شہر

سمیرا حمید کا پردیس یہ ایک ایسا ناول ہے۔ جو ہر اس گھر کی کہانی ہے جس کے گھر سے لڑکیاں بیاہ کر باہر گئی ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے جب میری پھپھو انگلینڈ گئیں تو انہوں نے یہی حالات دیکھے۔ جب ان کے بچے بڑے ہوئے تو ان کی زندگی میں سکون آیا۔

پچیس سال پہلے میری بہت اچھی سہیلی اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ گئی وہاں جا کر اس کے شوہر نے اس کا پاسپورٹ اپنے پاس رکھ لیا اور اس کو اسٹور میں بھرتی کروادیا۔ اٹھارہ گھنٹے کی مشقت یہ کرتی اور شوہر شراب پی کر فلیٹ پر پڑا رہتا۔

آخر وہ اپنا پاسپورٹ چرا کر آٹھ سال بعد واپس پاکستان پہنچی۔ خدارا اب اجالا کا انجام اچھا رکھیے گا۔ اب ہمارے معاشرے میں اتنی بہتری آ گئی ہے کہ اگر بیٹی اپنا پاسپورٹ چرا کر گھر واپس پہنچتی ہے تو اس کی بات کا اعتبار کیا جاتا ہے یا شاید میں اسلام آباد کی بات کر رہی ہوں اور اجالا کے گاؤں میں ابھی بھی یہ سب ایک دیوانے کا خواب تو ہو سکتا ہے مگر حقیقت نہیں۔ باقی کہانیوں میں بہترین راشدہ رفعت کی "کہانی ایک گھر کی" لگی۔

باقی سب کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ مالا اب ختم ہو جانا چاہیے۔ نمرہ احمد بہت خوب صورت لکھتی ہیں۔

ج: پیاری صائمہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید وقت تو بدلا ہے لیکن شاید اتنا بھی نہیں بدلا کہ عورت اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے اور لوگ اس کو قبول کرلیں۔ آپ نے صرف دو کہانیوں پر تبصرہ کیا۔ آئندہ خط لکھیں تو تفصیل سے ساری کہانیوں پر تبصرہ کریں۔

سارہ خان .... کراچی

مالا ناول تو شمارے کی جان ہے اور پردیس بھی ویسے ایک بات کہوں یہ جو ساری احمد رائٹرز ہیں نا (یعنی سمیرا احمد۔ نمرہ احمد۔ عمیرہ احمد) مجھے تو یہ شروع سے ہی بہنیں لگتی ہیں۔ ویسے یہ سب لوگ دیکھنے میں کیسی ہوں گی۔ میری موسٹ فیورٹ رائٹر ایک وہ بھی ہے جسے سب فرزانہ کھرل کے نام سے جانتے ہیں میرے لیے تو وہ گرو ہے۔

ج: سارہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید آپ ناول افسانے لکھنا چاہتی ہیں۔ ضرور لکھیں تحریر سے لگتا ہے آپ میں صلاحیت ہے۔ باقی پڑھ کر بتا سکتے ہیں کہ کہانی کیسی ہے۔ نظم کے لیے معذرت۔ سمیرا احمد نہیں سمیرا حمید ہیں۔

سویرا ظفر اقبال

"اس سال کے دو سانحے بڑے تھے پہلے راحت جبیں باجی کے شوہر اور پیاری شازیہ باجی کی وفات اور اب سائرہ رضا کی جدائی میں ثانیہ کو یہ افسوس ناک خبر دی۔ "مجھے تو یقین ہی نہیں آتا مگر زندگی بہت ناقابل بھروسہ چیز ہے۔" یہ ثانیہ کا جواب تھا۔

2021 میں صرف 01 ماہ 20 دن کے مختصر دورانیہ میں اپنے جان سے عزیز ابا اور پیارے چچا جان کو ہم نے کھویا تو کھو جانے کا اصل دکھ چکھا اور پھر اس سال 03 مئی کو بڑے ابا (دادا جان) کی اچانک وفات نے ہم سب کو جیسے چار سال پہلے کے اس نہ بھولنے والے درد میں پھر مبتلا کر دیا۔

میرا خط نا ہی ایڈیٹ ہو نہ ہی مسترد یہ شائع ہونا چاہیے۔ کیونکہ پانچ سال کے طویل عرصہ میں خواتین یا شعاع ڈائجسٹ کا فرض ہے کہ وہ میرا خط چھاپے ...... میرے ہمسفر کو ڈائجسٹ پڑھنا پسند نہیں۔ مگر میں یہ پڑھنے ترک نہیں کروں گی بے شک میرے شوہر ناراض ہوں۔ (کیا کہا کتنی بے حس ہوں میں...... دیکھیں جی وہ مجھ سے ناراض ہوتے ہی نہیں اس لیے......)

اب دیکھیں جب میں ڈائجسٹ کے ساتھ اتنی وفادار ہوں اور آپ کی تقریباً آٹھ/نو سال پرانی قاری بھی (بشمول میری پانچ عدد بہنوں، دو عدد چچازاد بہنوں، میرے ابا، بڑے ابا اور ایک بھائی کے)

ج: پیاری سویرا! ہم آپ کا خط شائع کر رہے ہیں خط ایڈٹ کرنا ہمارا شوق نہیں مجبوری ہے۔ آپ نے کہانیاں کب بھجوائی تھیں۔ اگر زیادہ عرصہ گزر چکا ہے تو کہانیاں تلاش کرنا مشکل ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ دوبارہ کہانیاں بھجوادیں اور اطمینان رکھیں قابل اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

آپ کے والد، چچا اور دادا کی وفات کا جان کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

آمین

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

ماڈل سر پر دوپٹہ لیے اچھی لگی اور ہونٹوں پر سرخی لال رنگ کی بہت ہی اچھی لگی۔ سائرہ رضا کی وفات کا سن کر دل غم میں ڈوب گیا۔ "کرن کرن روشنی" میں بہت اچھی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ سب سے پہلے جیسے بولتے ہیں پاکستان تو پہلے "ہمارے نام" پڑھا۔ ہم سب خط لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے کوئی سلسلہ شروع کریں ہم ایک دوسرے سے بات چیت کر سکیں حال احوال پوچھ سکیں۔ ابھرتی ہوئی مصنفہ ثمین صداقت سے ملاقات اچھی رہی۔ نور شیخ۔ کیا جاوید شیخ کی بیٹی ہے۔ "بابا کا گھر" ہر بیٹی کے ساتھ اسی طرح ہوگا۔ "فیصلہ" حمیرا شفیع نے بہت اچھا لکھا ہے۔ سائرہ نے جب دیکھا، بھائی کورٹ میرج کر رہا ہے۔ تو بہن کیسے ایسے بھائی کا احترام یا ڈر، خوف۔ "شہری دوہٹی" سنگی اور انور اچھے لگے۔ "کہانی ایک گھر کی" کلثوم بیگم کو تو اچھی بہوئیں مل گئیں۔ اللہ کرے مجھے بھی نیک بہوئیں ملیں، سب نے بولنا ہے۔ آمین، سب بولتے ہیں۔ اللہ جی ایک بیٹی دے دینا۔ دعائیں کی تھیں۔ لیکن جو میرے اللہ کی رضا۔ "بھولا ہوا راستہ" لے کر روبی کو جب دوسری عورت کا خوف ہوا تو ساس کے گھر کو ہی محفوظ سمجھا۔ مجھے بھی یہ ڈر ہی لگا رہتا ہے۔ دن رات سوچ سوچ کر نیند بھی نہیں آتی۔

"پردیس" پڑھا۔ اجالا کتنی مشکل میں پڑ گئی۔ شہریار پر اس نے بھروسہ نہیں کرنا تھا۔ اجالا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے خوش ہے کہ پاکستان جاؤں گی۔ روشن کو انصاف مل گیا۔ "ایک کپ چائے" جوائنٹ فیملی میں رہنے کا یہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھا جائے۔ ہم نے بھی جوائنٹ فیملی میں بہت اچھا وقت گزارا ہے۔ "کچھ یادیں کچھ باتیں" اب سائرہ رضا کی یادیں اور باتیں ہی رہ گئی ہیں۔ نفسیاتی ازدواجی الجھنیں۔ عدنان بھائی اچھے مشورے دیتے ہیں۔ کراچی میں سعد بھائی کو گردے کی تکلیف ہوئی ہے۔ ادھر گھر میں سب پریشان ہیں۔ میرا امی کے لیے بہت دل دکھتا ہے۔ کر کچھ نہیں سکتی۔ لیکن امی کے لیے ہر وقت پریشان رہتی ہوں۔

ج: رضوانہ بہن! آپ کا ڈر آپ کے خدشات بے جا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو سلامت رکھے۔ آپ کے لیے اللہ کے بعد وہ بہت بڑا سہارا ہیں۔ پھر اللہ نے چاہا تو آپ کے بچے بڑے ہو جائیں گے وہ آپ کو سنبھال لیں گے ان شاء اللہ، وہ بہت نیک اور سعادت مند ثابت ہوں گے اور بیٹی جیسی بہوئیں بھی ملیں گی ان شاء اللہ سب سے بڑی بات اللہ تعالیٰ پر یقین رکھیں اللہ تعالیٰ کوئی معجزہ کر دے کہ آپ ٹھیک ہو جائیں۔

نور شیخ جاوید شیخ کی بیٹی نہیں ہے۔

ایمان تی...... اسلام آباد

میں بہت سالوں سے خواتین کی قاری ہوں اور خواتین ڈائجسٹ ہمیشہ کی طرح اپنا معیار برقرار رکھے ہوئے ہے اسی لیے خواتین کو ہمیشہ نمبر ون رکھتی ہوں۔

کتابیں پڑھنے کا شوق مجھے بابا کی طرف سے ملا ہے ماما کو یہ سب نہیں پسند خواتین سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اس دفعہ کے خواتین میں دا گریٹ نمرہ جی کا ناول مالا نمبر 1 پر رہا واہ نمرہ جی آپ کے ہاتھ چومنے کا دل کرتا ہے جن سے آپ اتنے پیارے پیارے ناول لکھتی ہیں اور ان کے کردار بھی ایسے ہوتے ہیں کے دل میں گھر کر لیتے ہیں، اس کے بعد پردیس کو نہیں پڑھا۔ مجھے نہیں پسند اب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ ناول برا ہے لیکن اب ہر کسی کی اپنی اپنی پسند نا پسند ہوتی ہے اس کے بعد افسانہ چائے کا کپ کافی اچھا لگا۔ اس کے بعد بابا کا گھر شاندار کہانی تھی۔

ج: پیاری ایمان! بہت شکریہ آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی۔ آپ کی رائے متعلقہ مصنفین تک پہنچائی جارہی ہے۔

ناہید اساگل...... کراچی

شوخ رنگوں سے سجا ٹائٹل پیارا لگا۔ کہی ان کہی میں محترم مدیر کا مختصر اور جامع انداز ہمیشہ کی طرح متاثر کن ہے۔

کرن کرن روشنی کا بیان اصحاب کرام کا جذبہ ایمانی، بڑی سے بڑی تکلیف بھی ان کے پایہ استقامت میں دراڑ نہ ڈال سکی۔ ایک ہم لوگ ہیں بے شمار نعمتیں ہوتے ہوئے بھی ناشکری ہی کرتے رہتے ہیں۔

بہنوں کی محفل کا ہر رنگ چمک رہا ہے مزید آب و تاب ناروال کی رومیسہ نے بخشی۔ بہت سادہ اور خوب صورت لکھا انہوں نے۔ صدف ناصر نے خوب صورت تبصرے سے رونق بڑھائی۔ بہن ن اور م کا خط اچھا لگا۔ میرا تبصرہ پسند کرنے پر آپ دونوں کا شکریہ۔ فرزانہ انصاری کارواں انداز ماشاء اللہ۔ زرینہ خانم، صائمہ علی، رضوانہ وقاص اور سلمیٰ مسرت کے تبصرے مختصر مگر اچھے لگے۔ ریحانہ چودھری کے الفاظ کا چناؤ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔

پیاری آپی ایک بار پھر آپ کے پیار بھرے جواب نے میرا حوصلہ اور بڑھا دیا۔ اس پر آپ نے سائرہ رضا کے لیے لکھے گئے میرے بے ربط الفاظ کو شامل کر کے جو عزت دی وہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لکھا، لفظ لفظ آپ کا ہی سکھایا ہوا ہے۔ یہ میں صدق دل سے اعتراف کر رہی ہوں۔ اللہ آپ کو اس ادارے کو سلامت رکھے۔ (آمین)

مالا کی کہانی خوب صورتی سے سمٹ رہی ہے لیکن ایک دھڑکا بھی لگا ہوا ہے کہ اختتام مایوس کن نہ ہو پھر آپ کی تسلی یاد آتی ہے تو اطمینان ہوتا ہے۔ ماہر کی ذہانت دل خوش کر دیتی ہے۔ نگینہ بچوں کو اغوا کیوں کرتی تھی اس سوال کا جواب ہمیں بھی چاہیے۔ سوزی کی اصلیت کھلنے ہی والی ہے۔

پردیس میں مشعل کے بعد اب اجالا کی گمشدگی؟ ایک بار پھر سانسیں رک سی گئیں۔ افسوس کہ اجالا نے کافی عرصہ سسرال میں گزار کے بھی سبق نہیں سیکھا یہ عام سسرالی حالات نہیں تھے جس میں اکثر لڑکیاں اپنا گھر بسا رہنے کی خاطر والدین سے چھپا لیتی ہیں یہ غیر معمولی حالات تھے جہاں جان اور عزت دونوں کو خطرہ تھا ایسے حالات سلطان سے چھپا کر اجالا نے

بڑی غلطی کر ڈالی ہے سلطان کی صورت میں یہ قدرت کی طرف سے مدد تھی جو اجالا سمجھ نہ پائی۔ کہانی سچی ہے اور سچی کہانیوں کے اینڈ اٹھانوے فیصد تو مایوس کن ہی ہوتے ہیں اب اجالا کی فکر میں پورے تیس چالیس دن کا انتظار بڑا کٹھن لگ رہا ہے۔

کر چلے جاں نثار ہم کی دوسری قسط بھی شاندار رہی محراب خان سفاک اور بے رحم۔ سنیعہ عمیر کا انداز بیاں ماشاء اللہ۔ ناولٹ صرف ایک ہی تھا پر راشدہ رفعت کا دھیما پر سکون انداز اور پیاری سی منفرد تحریر نے ہمارے موڈ پر خوشگوار اثر ڈالا۔

سندھ کی مخصوص روایات کے پس منظر میں لکھا گیا فرح بھٹو کا مکمل ناول اچھا لگا مہران اپنے گاؤں کی روایات اور وڈیروں کے ظلم و زیادتیوں سے واقف ہونے کے باوجود ان کی بیٹی کو نکاح کر کے لے گیا واہ۔ اوپر سے خود غرضی کی انتہا کہ اپنے گھر والوں خصوصاً بہن کا بھی نہ سوچا۔

حمیرا شفیع کی تحریر لڑکوں کو بھی لازمی پڑھنی چاہیے انہوں نے بہترین سبق دیا۔

بابا کا گھر صبا تحریم کی بہت اچھی کاوش تھی مجھے اس سین نے افسردہ کیا جب ہاجرہ بی سدرہ کے بے رخی بھرے رویے کو سوچ کر دکھی ہو رہی تھیں۔ بہر حال سدرہ کے بچے پھپھو سے محبت کرتے تھے ورنہ اکثر بھاوجیں بچوں کو بھی پھپھو سے [illegible] کر تا ہی ہیں آج کل اکثر ڈراموں میں [illegible] پھپھو کا رشتہ [illegible] خ کر کے دکھایا جا رہا ہے۔

حنا بشریٰ کا لائٹ انداز میں لکھا افسانہ [illegible] بھا لگا سلمٰی اچھی تھلعر [illegible] ور بھابھی تھی۔ ایک کپ چائے ایک اچھی تحریر صبیحہ نے اچھے رویے سے تابندہ بچی کی محرومیوں کی تلافی کر کے گھر کا ماحول بھی اچھا بنایا۔

اختل آپی کی گہری اور سچی باتیں دل میں اتر گئیں۔ انہوں نے سائرہ رضا کی جتنی یادیں اور باتیں شیئر کیں ایک ایک بات پڑھ کر میں بہت روئی سائرہ رضا بہت شدت سے یاد آ رہی ہیں۔ اختل آپی آپ کی لکھی ایک ایک لائن میں نے بار بار پڑھی ہے اور ہر بار جیسے کوئی دل کو بھینچ لیتا ہے۔

سائرہ کی بہن حمیرا رضا نے اپنی پیاری آپی کے بارے میں لکھا اور ان سے بھانجی نے جو کہا میں ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ حمیرا بحیثیت بہن آپ کا دکھ بھی بہت گہرا، نا قابل تلافی اور نا قابل برداشت ہے یہ میرا ذاتی تجربہ ہے میری دو بہنوں کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی سال ہو گئے لیکن آج بھی ان کی کمی اتنی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔

کیوٹ سی رائٹر ثمین صداقت سے ملاقات بہت اچھی لگی ان کی تحریر ہم خستہ دل ہیں مجھے بھی بہت پسند ہے۔ انٹرویو کی ابتدائی سطور میں شاہین آپی کی بات دل کو چھو گئی کہ ناقدری اور لاپرواہی سے قدرت کی انمول نعمتوں کا تحفہ ضائع ہو جاتا ہے اور مجھے لگا یہ بات مجھ پر صادق آتی ہے۔ باقی سلسلوں میں ڈائری تمام بہنوں کی اچھی لگی۔ نفسیاتی الجھنیں میں عدنان بھیا کے تینوں بہنوں کو دیے گئے مشورے اور نصیحت بہت خوب۔

ج: پیاری ناہید! آپ کے لکھے الفاظ بے ربط نہ تھے۔ بہت خوب صورتی سے آپ نے سائرہ رضا کی تحریروں کا جائزہ لیا۔ ویسے بھی اس طرح کی تحریروں میں الفاظ کی خوب صورتی سے زیادہ دل کی سچائی اہم ہوتی ہے۔ سچے دل سے جو بھی لکھا جائے۔ اس میں اثر ضرور ہوتا ہے۔ نمرہ نے فیس بک پر لکھا تھا کہ وہ انجام تبدیل کر دیں گی۔ اب یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں۔

ناہید آپ نے کبھی افسانے لکھنے کے بارے میں نہیں سوچا؟ ہمارا خیال ہے کہ آپ کو اس بارے میں سوچنا چاہیے۔

بچوں کے اغوا کے بارے میں سوشل میڈیا پر ہی پروگرام سنے ہیں کہ سفلی عملیات کرنے والے بچوں کی قربانی دیتے ہیں۔ باقی نمرہ بتائیں گی کہ نگینہ بچے کیوں اغوا کرتی تھی۔

اقصیٰ شہزاد ...... تلہ گنگ بلال آباد

ڈائجسٹ آیا اور فہرست دیکھنے کے لیے یونہی رسالہ کھولا تو آگے سائرہ رضا ایک پل کے لیے تو دل رک سا گیا۔ ایسے کیسے، جھوٹ نہ ہو...... دل سوتا ویلیں گھڑ رہا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں ہی ایک ڈائجسٹ میں ان کا انٹرویو پڑھ رہی تھی جس میں ایک قارئین ان سے پوچھتی ہیں کہ سائرہ آپ قلم کیا جادو نگری سے خریدتی ہیں......؟

ان کا جواب پڑھ کے مجھے بہت ہنسی آئی...... کہ جب شوہر آ کے کہتے ہیں "دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا؟ دیکھنے پر وہ بال پوائنٹ ہوتا ہے۔

"کچھ باتیں، کچھ یادیں" پڑھ کے تو رونا آ گیا کہ مجھے نہیں پتا تھا میں سائرہ کے گھر تو جاؤں گی مگر استقبال کے لیے سائرہ نہیں ہوگی۔

اس ماہ ٹائٹل پسند آیا۔ کرن کرن روشنی سے مستفید ہوئے۔ پھر دیکھ بہاریں...... انشاء جی کے کیا کہنے۔ راحت جبین کا ناول "اتنا پھول کھلیں گے" کا اینڈ ٹھیک ہی ہوا۔ ثانیہ کے ساتھ اچھا ہوا۔ اب سنیعہ عمیر کے ناول کی پہلی دو قسطیں تو اچھی لگیں اب دیکھتے ہیں آگے چل کے کیا ہوتا ہے۔ مالا بہت لمبا ہو گیا ہے۔ فرح بھٹو کے ناول تقریباً ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سمیرا حمید کا پردیس ساری اقساط اکٹھی کر کے پڑھوں گی۔ راشدہ رفعت کا ناولٹ پسند آیا۔ ان کی ہر کہانی ہی پسند آتی ہے۔ افسانے سب ہی اچھے تھے۔ حمیرا اشفاق کے افسانے اچھے ہوتے ہیں ہلکے پھلکے۔ "نفسیاتی الجھنیں" میں عدنان بھائی بہت اچھے مشورے دیتے ہیں۔ فرزانہ کھرل کہاں غائب ہیں؟ ان کی اسٹوریز بے شک ایک بار پڑھ کے سمجھ میں نہیں آتیں لیکن ہوتی بہت مزے کی ہیں اور ان کا وہ ناول "بہار آئی ہے" میں نے تقریباً حفظ کر لیا ہے۔ ہاہاہا!

"نامے میرے نام" سب سے اچھا سلسلہ ہے۔ صدف ناصر، ریحانہ چوہدری اور ناہید اسماعیل بہت اچھا لکھتی ہیں۔ جبکہ فرخندہ سلیم تو ہیں ہی میری فیورٹ۔ رضوانہ وقاص اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

ج: پیاری اقصیٰ! بلاشبہ سائرہ رضا کی اچانک وفات ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی بہت خوشی ہوئی۔ اب باقاعدگی سے خط لکھتی رہیے گا۔

کنیز فاطمہ...... میرپور ساکرو ٹھٹھہ

دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں خواتین ڈائجسٹ نہیں پہنچ پاتا۔ اسی لیے جب بھی کراچی امی کے گھر جاتی ہوں تو وہیں یہ شوق پورا کر پاتی ہوں پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا شوق بھی بچپن ہی سے ہے۔ مگر شادی سے پہلے ابو کی اجازت بالکل بھی نہیں تھی بلکہ ان سے چھپ کر ڈائجسٹ پڑھا کرتی تھی۔ لیکن اب شادی کے بعد شوہر نے نہ پڑھنے پر پابندی لگائی ہے اور نہ ہی لکھنے پر۔ بلکہ میرا ساتھ دیتے ہیں۔

ج: پیاری فاطمہ! آپ کے شوہر بہت اچھے ہیں کہ انہوں نے آپ کے لکھنے پڑھنے پر پابندی نہیں لگائی۔ آپ کا خط موصول ہو گیا ہے۔ آپ اسی ایڈریس پہ کہانی بھجوا دیں جس پہ خط بھجوایا ہے۔

طیبہ شوکت...... مریدکے

میں اتنی دیر غائب رہی کسی نے میرے بارے میں پوچھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ خیر میں کیوں آپ سے گلہ کر رہی ہوں گلہ تو اپنوں سے ہوتا ہے اور آپ تو......!

اب آتے ہیں تبصرے کی طرف تو ٹائٹل میں لڑکی کا ایک طرف کو ہوا دوپٹہ مجھے پسند نہیں آیا۔ چہرا اچھا تھا۔ تفسیر بن کر انشاء جی کیا کمال کی غزل تھی مزا آ گیا صوفیہ بٹ سے ملاقات اچھی انفیکٹ بہت اچھی رہی "کر چلے جانثار ہم" پہلی قسط ہے تو کوئی رائے نہیں دے سکتی آگے جا کے پتا چلے گا۔

"مالا" نمرہ احمد پہلے تو نہیں مگر اب بہت شوق سے پڑھتی ہوں پلیز ان کا آخر میں ایک رومینٹک سین لکھنا۔

پردیس اللہ اتنا دکھ باہر کے ملکوں میں یہ کچھ؟

ہوتا ہے۔خواہشوں کے فشار میں کہانی اچھی لگی۔
محبت کا ہنر بشریٰ احمد نے اچھا لکھا تھا۔
''سندری اور مندری'' حمیرا اشفیع کا افسانہ بہت زبردست تھا۔باقی افسانے ابھی نہیں پڑھے۔
عید سروے میں سب کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا، مزے کی بات بتاؤں ہم قربانی نہیں کرتے کیونکہ ہماری اتنی حیثیت نہیں مگر ان شاء اللہ کبھی کریں گے میری دوست نے اسکول میں پوچھا کہ کیا تم لوگ قربانی کرتے ہو میں نے کہا نہیں اس نے دو تین بار پوچھا میں نہیں کہتی رہی آخر میں کہتی تم جھوٹ بول رہی ہو۔
میں نے کہا ہاں کرتے ہیں قربانی اس نے کہا کیا کرتے ہو، میں نے کہا ککڑ (مرغا) ہاہاہا۔
نفسیاتی الجھنیں میں عدنان بھائی اللہ آپ کو بہت اجر دے گا۔
ج: پیاری طیبہ! جولائی کے شمارے کے لیے رکھا خط تاخیر سے موصول ہوا اس لیے شامل نہ کر سکے اس ماہ شامل کر رہے ہیں۔ہم آپ کے اپنے نہ سہی لیکن پھر بھی ایک تعلق، ایک رشتہ تو ہے۔ہم آپ کو بالکل نہیں بھولے۔آپ ہمیں اچھی طرح یاد ہیں۔آپ وہی طیبہ ہیں ناں، جن کا شعروں کا انتخاب بہت اچھا ہوتا تھا اور جو ہر ماہ بیاض اور ڈائری میں شرکت کرتی تھیں۔خواتین آپ کو پسند آیا، بہت شکریہ۔

فرحانہ مہناز......گوجرہ

پچھلے دنوں آپی قانتہ رابعہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ 29 مئی کو حج کا فریضہ ادا کرنے جا رہی ہوں سن کر دلی خوشی ہوئی پھر ایک دن میں لیپا کو ساتھ لے کر ان سے ملنے گئی، حزنہ بھی آئی ہوئی تھی۔ آپی قانتہ رابعہ کے ڈرائنگ روم میں بہت اچھا وقت گزرا۔پھر 29 مئی کو آپی مکہ مکرمہ چلی گئیں از۔ یکم۔ آپی قانتہ کا اسٹیٹس دیکھا اف تحریر پڑھ کر شاکڈ رہ گئی۔سائرہ رضا ہماری بہت اچھی رائٹر کا سن کر بہت صدمہ ہوا۔فوراً آپی قانتہ کو میسج کیا آپی سائرہ آپی کو کیا ہوا 2 منٹ بعد ہی جواب آ گیا ہارٹ اٹیک۔سائرہ رضا کی تحریریں بھلانے کے قابل نہیں تو ان کو کیسے بھولیں گے ہم۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔آمین
''آنگنا پھول کھلیں گے'' بہت خوب صورتی سے انصاف کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے۔ویل ڈن راحت آپی۔
اس بار صدف ناصر کا خط نہیں تھا۔گوشی جمال رضوانہ وقاص، ناہید اسمٰعیل سب کے نام سے خوب صورت تحریر کے ساتھ اچھے لگے۔جویریہ بہت شکریہ آپ نے میرے لیے عمرہ کی سعادت پر خوشی کا اظہار کیا۔
ج: پیاری فرحانہ! آپ موبائل پر جس طرح وائس ایپ پر میسج سینڈ کرتی ہیں۔اسی طرح ٹائپ کر کے افسانہ سینڈ کر دیں۔بہترین تبصرے کے لیے شکریہ۔

سلمیٰ مسرت......راولپنڈی

سب سے پہلے سائرہ رضا کی بات کروں گی۔میں موبائل کا استعمال نہیں کرتی اس لیے یہ خبر مجھ تک دیر سے پہنچی جب شعاع آیا تو مجھے پتا چلا۔
امل نے جو ہیرے تراشے، سائرہ بھی بہت قیمتی ہیرا تھا، ناہید اسماعیل عینا عمر اور امل سب نے ان کے بارے میں بہت اچھا لکھا۔آنگنا پھول تو بہترین کھل گئے۔فاخرہ ایسا ہی ایک خوب صورت ناول ہو جائے۔نئے ناول نے پہلی قسط میں ہی اپنی گرفت میں لے لیا ہے ان شاء اللہ آئندہ بھی اچھا ہی ہو گا باقی پردیس اور مالا ہے ہی بہترین۔ہر شمارے میں مختصر افسانے لاجواب ہوتے ہیں۔کوئی نہ کوئی میسج ہوتا ہے لکھنے والوں کی ہمت اور محنت کرنے والوں کی محنت کو سلام ہے۔
زرینہ خانم، صدف ناصر تسنیم کوثر کے تبصرے حسب معمول شان دار ہیں فرخندہ سلیم اس بار غیر حاضر ہیں۔
ج: پیاری سلمیٰ! بہت شکریہ۔آپ کی رائے متعلقہ مصنفین کو پہنچا رہے ہیں۔

شبانہ تسنیم...... گوجرہ

تیس پینتیس سال سے شعاع خواتین کی قاری ہوں اتنی عمر گزر جانے کے بعد بھی ہمارے شوق اور جذبے میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسی شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم کوئی خط بھیج دیتے ہیں تو براہ مہربانی اسے بھی اپنے خطوط میں جگہ دے دیا کریں ہم نے پہلی دفعہ عید سروے میں شمولیت کی۔ بارہ صفحوں کا شعاع میں اور چودہ صفحوں کا خواتین میں سروے بھیجا لیکن بہت ناامیدی ہوئی دیکھ کر کے دونوں پرچوں میں ہمارا نام ندارد۔

ج: پیاری شبانہ! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کا خط اور سروے شائع نہ ہو سکے۔ آپ کا خط اور سروے ہمیں اس وقت موصول ہوئے جب پرچا پریس جاچکا تھا۔

آپ یہ بتائیں کہ آپ ہماری اتنی پرانی قاری ہیں۔ اتنا اچھا خط اور تبصرہ کرتی ہیں پھر ہماری محفل میں اتنی دیر سے شرکت کیوں کی۔ اب ہمیں باقاعدگی سے خط لکھتی رہیے گا۔

الکا عباسی...... حیدر آباد

آپ کا بہت شکریہ کہ میرے نام کو منفرد کہہ کر یاد بھی رکھا۔ خواتین ڈائجسٹ کا معیار آج بھی قائم و دائم ہے۔ حیدر آباد میں تلک چاڑی ایک مشہور کاروباری جگہ ہے وہاں ہر ایک چھوٹا سا بک اسٹال ہے جو ایک بوڑھا بزرگ چلاتا ہے۔ میں وہاں سے ایک ساتھ بارہ خواتین خرید لائی جن میں نمرا احمد کا مصحف، آمنہ ریاض کا دشت جنوں، سائرہ رضا کا حسن المآب۔ (اللہ سائرہ رضا کی روح کو سکون بخشے سائرہ جی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو) آمین کیرا عثمان گل، نیمہ ناز، قرۃ العین سکندر، نگہت عبداللہ اور کافی ساری پیاری رائٹرز کی کہانیاں موجود تھیں۔ ہاں بات ہو رہی تھی معیار کی تو تب بھی کوالٹی وہی تھی جیسی آج ہے اور آنے والے وقت میں بھی ہو گی ان شاءاللہ۔

ماہیدا اسماعیل کراچی کے سوال کے جواب میں آپ نے بتایا، ثمینہ اکرم اسکول جوائن کر چکی ہیں۔ اور میرے دل میں بھی ایک سوال ہے مہربانی کرکے تفصیلی جواب دیجیے گا "عشق آتش، سعدیہ راجپوت" کا ناول دو سال پہلے خریدا تھا اور پڑھ کر بے انتہا روئی تھی۔ کیا سعدیہ راجپوت جی کا یہ ایک ہی ناول ہے۔

"کر چلے ہم جاں نثار" نے ہماری جان نثار کر دی ہے سنیعہ عمیر زبردست لکھا ہے دونوں اقساط پڑھ کر مزا آیا سمیرا حمید جی خدارا پردیس کو چھوڑیں۔ آپ چھوٹا ہی ناول لکھ دیں کیوں ہر منظر، ہر بات کو بے وجہ کھینچ کر رسی کا سانپ بنادیتی ہیں خوامخواہ۔

ج: پیاری الکا! خواتین ڈائجسٹ سے آپ کی محبت کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

آپ نے بہت سی مصنفین کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ وہ مصنفیں اب چینلو پر لکھ رہی ہیں۔ سعدیہ راجپوت کا یہ پہلا اور آخری ناول تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ اور نہ ہی آگے لکھنے کا ارادہ ہے۔

سعدیہ پروین ...... فیصل آباد

میں نے بات صرف ایک ناول کی کرنی ہے جس کا نام "مالا" ہے۔ بات یہ ہے کہ "مجھے کسی جاننے والی سے پتا چلا ہے کہ مالا ناول کے اختتام پر ماردی جائے گی۔"

یار! یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی جو ناول اچھا ہوتا ہے آپ لوگ آخر پر آ کر اس کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔ ہر ماہ ہم صرف مالا پڑھنے کے لیے پیسے خرچ کرتے ہیں۔

ج: پیاری سعدیہ! آپ کا دکھ ہمارا بھی دکھ ہے۔ یقین کریں ہم بھی مصنفین سے یہی کہتے ہیں لیکن وہ ہماری بات سمجھنے کو تیار نہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ جو انجام دکھاتی ہیں کردار کے لحاظ سے منطقی انجام وہی ہونا چاہیے۔ جبکہ ہم دل سے سوچتے ہیں۔ سب ہنسی خوشی زندہ سلامت رہیں۔ خواہ منطقی ہو یا غیر منطقی۔

☆☆

خامشی کو زباں ملے

ادارہ

digest library.com

افشین، فیصل آباد

"نام میرا افشین ہے، بچپن میں گھر والے پیار سے گڑیا کہتے تھے اب خود ایک پیاری سی گڑیا کی ماں ہوں۔ تعلیم بی اے ہے۔ بنیادی طور پر ہاؤس وائف ہوں اور ہاؤس وائف کی لائف کس قدر مصروف ہوتی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ تاریخ پیدائش تیس اگست اور اسٹار "ورگو" ہے۔ گو کہ اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی، پھر بھی بہت سی خوبیاں اور خامیاں حسب اسٹار ہیں۔ رسالے پڑھنا، میوزک سننا اور گھر کو منفرد انداز سے سجانا جنون کی حد تک پسند ہے۔"

خوبیاں! (آہم) کیا کیا لکھوں اور کیا چھوڑوں۔ خیر جانے دیجیے۔ دوستوں کی نظر میں بہت خوش مزاج، مخلص اور حاضر جواب ہوں۔ سسرال والوں کی نظر میں اچھی، سعادت مند اور صلح جو بہو ہوں۔ فطرتاً دوست مزاج ہوں۔ میرے خیال میں اب تک کے لیے یہی کافی ہے۔

خامیاں:۔ طبیعت میں غصہ تو ہے مگر کبھی کبھی آتا ہے اور خوب آتا ہے، بعض اوقات نہایت رخ ہو جاتی ہوں۔ پسندیدہ عادت یہ ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہوں اور مہمانوں کی تواضع کر کے بہت خوشی محسوس کرتی ہوں اور یہ کہ اچھی رازداں بھی ہوں۔"

س: "خواتین سے تعلق؟"

"خواتین ڈائجسٹ سے تعلق بہت پرانا ہے غالباً فرسٹ ایئر میں تھی جب سے اسے پڑھ کر مستفید ہو رہی ہوں اور اس دور میں نسیم سحر قریشی اور مزاحیہ تحریروں میں رخ چوہدری صاحبہ کا طوطی بولتا تھا اور صحیح معنوں میں رخ کی مزاحیہ تحریروں نے خواتین ڈائجسٹ پڑھنے کی تحریک کو چلائے رکھا۔ اب نجانے وہ کہاں کھو گئی ہیں۔ (رخ چوہدری دنیا سے رحلت کر گئی ہیں)

س: وہ تحریریں جواب تک یاد ہیں؟

ج: اس سروے کا مشکل ترین سوال کہ نا قابل فراموش تحریر کون سی ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی ماں سے پوچھا جائے کہ تمہیں اپنی اولاد میں سے کون سب سے پیارا ہے۔ بہت ساری تحریروں نے دل پر ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ "عمیرہ احمد کی "شہر ذات" ایسی تحریر ہے جسے میں ایک عرصہ تک نہیں بھول سکی۔ کشمیر پر لکھی جانے والی کوئی بھی تحریر اور ہر وہ تحریر جس میں جہاد کا ذکر ہو، میں ہفتوں، مہینوں نہیں بھول سکتی۔ 2005 سے اب تک فائزہ افتخار اور رخسانہ نگار عدنان نے اپنے شاہکار ناول، ناولٹ اور افسانوں کے سحر میں بری طرح سے جکڑ رکھا ہے اور ہر وہ تحریر جس میں معصوم بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات بتائے جاتے ہیں، میں دنوں تک بے چین اور سلگتی رہتی ہوں کہ اللہ اگر یہی قیامت کی نشانیاں ہیں تو قیامت آ کیوں نہیں جاتی، اس کے کئی دن بعد تک میرا کچھ بھی پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ "شام کے بعد" بھی ایک یادگار تحریر ہے۔

س: کیا سالگرہ مناتی ہیں؟

ج: شادی سے پہلے آنے والی ہر سالگرہ بہت اہتمام سے مناتی تھی۔ میرے ابو جان بہت زندہ دل انسان تھے اور ایسے اہتمام بھی ان ہی کے مرہون

منت تھے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد تک بھی یہی سلسلہ رہا کہ امی، ابو اور بہن بھائیوں کی طرف سے الگ الگ تحائف ایک ڈھیر کی صورت بے شمار دعاؤں کے ساتھ وصولتی تھی لیکن پھر ابو کی ڈ۔تھ کے ساتھ ہی مانو جیسے اس کام سے دل ہی اچاٹ ہو گیا لیکن فون کر کے وش کرنے کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔

ہاں البتہ میرے شوہر، میری سالگرہ پر کیک لانا نہیں بھولتے اور سالگرہ خواہ کسی کی بھی ہو کیک اور باہر کھانا کھانے تو ضرور ہی جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک سالگرہ پر میرے شوہر کی جانب سے دیا جانے والا خوب صورت سرپرائزنگ گفٹ اور میرے موسٹ فیورٹ شاعر "امجد اسلام امجد" کا سفرنامہ تھا۔ میرے بہت پیاروں کی طرف سے یہ خوب صورت ترین جملہ۔

"پیاری بیٹی افشین کے لیے، خوش گوار طویل ازدواجی زندگی، صحت وتندرستی، درازیٔ عمر، خوش بختی اور خیر وبرکت کی بے شمار دعائیں۔"

آپ یقین کیجیے کہ یہ لفافہ اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

وہ پیش لفظ سے آگے نہ پڑھ سکا مجھ کو
سمجھ رہا تھا زمانہ کھلی کتاب مجھے
ہم سمندر کی طرح ظرف وسیع رکھتے ہیں
دل میں طوفان ہو تو چہرے پر سکون ہوتا ہے

ج: بے شمار اشعار، لاتعداد نظمیں ڈائری کی زینت ہیں اور سب کی سب پسندیدہ ہیں لیکن...... کوئی کتاب تو نہیں پڑھی لیکن خواتین ڈائجسٹ، کرن اور شعاع کی مستقل قاری ہوں، اتنی مصروف زندگی میں تین تین ڈائجسٹ تیس دن میں ختم کرنا کسی معرکے سے کم نہیں اور پھر بقول چندا (چھوٹی سسٹر) کے یہ تینوں ڈائجسٹ تو آپی کی زندگی کی گاڑی میں پیٹرول کی حیثیت رکھتے ہیں) البتہ اپنے پچھلے سالوں کے "خواتین ڈائجسٹ کلیکشن" میں سے ماہا ملک کا "میرے خواب ریزہ ریزہ" کو پہلی سے آخری قسط تک دوبارہ سے پڑھا اور بہت زیادہ خوشی محسوس کی۔ اس کہانی کا سبق آموز ہونا ہی میری پسندیدگی کی سند ہے اور ناپختہ ذہنوں کے لیے باعث عبرت بھی ہے۔

ابن انشاء کی معروف کتابیں

کتاب کا نام

آپ سے کیا پردہ

باتیں انشاجی کی

بلو کا بستہ

قصہ ایک کنوارے کا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے ناول افسانے اب گھر بیٹھے منگوائیں۔

پاکستان میں ہر جگہ آن لائن منگوائیں۔

مزید معلومات کے لئے فون کریں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32216361

سنیعہ عمیر

کب چلے جاں تنہا ہم

تب ہی ایک نئی لڑکی درثمین آتی ہے اس سے گہری دوستی ہوجاتی
لائبہ ہاسٹل میں رہتی ہے وہ ٹاپر ہے۔
ہے۔ ننھی سی زاہلہ کو اس کی ماں نعیمہ اسپتال سے لے کر اس وقت فرار ہوتی ہے جب اس کا علاج چل رہا تھا۔
بشارہ بچپن سے بہترین نشانہ باز ہے، اتفاق سے ایک دن اس کی ملاقات زاہلہ سے ہوتی ہے وہ پیاری بچی
اسے اچھی لگتی ہے۔ ہوش آتا ہے اور وہ اغوا کار کے ہاتھ میں سنہری گھڑی دیکھتی
درثمین کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے
نے کی کوشش کرتی ہے لیکن ناکام رہتی ہے۔
ہے۔ وہ بشارہ ہے اس کے دادا محراب خان کا پالتو ملازم، وہ فرار ہو
درثمین نعیمہ اور یونس کی بیٹی ہے۔ جو لگنے سے مرجاتا ہے اور نعیمہ وہاں
لائبہ ہوٹل نعیمہ سے ملنے جاتی ہے۔ ملنے آتا ہے۔
لائبہ کی موجودگی میں انسپکٹر اویس نعیمہ سے کے والدین اس
سے فرار چاہتی ہے۔ قیمتی زمین ہتھیانے کے لیے گہری چال چلتا ہے
محراب خان سازشی دماغ کا مالک اسے اپنا محسن سمجھتا ہے اور اس کا گارڈ بنتا ہے سخت امتحان
کا نشانہ بن جاتے ہیں اور بشارہ اپنی معصومیت میں
سے گزرتا ہے۔

تیسری قسط

آسمان رنگین تھا اور متحرک بھی۔ یہ وہ اچھے وقت تھے جب جشن بہاراں المعروف بسنت ایک ثقافتی میلا ہوا کرتا تھا۔ ایک تہوار جہاں سب لوگ اونچی چھتوں والے رشتہ داروں کے گھر اکٹھے ہوجاتے۔ ساری رات خشک لگتا اور اگلا پورا دن موج ہوتی۔ راتوں کو نوجوان کزنز اکیلے اودھم مچاتے۔ دن میں بچے، بزرگ اور خواتین بھی آجاتیں تو سارا میلا ایک فیملی فنکشن کا روپ دھار لیتا۔

اس وقت آسمان پر سینکڑوں رنگین پتنگیں اڑ رہی تھیں۔ ان سینکڑوں میں سے ایک کی ڈور اویس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے انگلیوں پر جگہ جگہ کاغذی ٹیپ لگا رکھی تھی اور ان ٹیپوں کے نیچے زخم تھے۔ جو پتنگ بازی کے جوش میں اب محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ اسے پتنگ بازی کا جنون تھا، وہ اس میں بہت اچھا بھی تھا۔ اس معاملے میں دوسرے اس سے متاثر رہتے تھے۔ البتہ یہ کوئی کمال نہیں تھا۔

اس عمر کے نوجوان پڑھائی میں اچھے ہوں تو کمال تھا۔ فرماں برداری میں اچھے ہوں تو بھی باعزت تھا۔ لیکن پتنگ بازی؟ یہ بھی کوئی ہنر تھا؟ مگر اس کا یہی شوق تھا۔ اتنا گہرا شوق کہ چند مہینے پہلے جوش جنون میں چھت سے گر کر ناک تڑوا بیٹھا تھا۔

ٹانگ ٹھیک ہوتے ہی وہ چھت پر دوبارہ موجود تھا۔ آج تو پورا شہر اس جشن میں شریک تھا۔ آج تو سمجھو اس کا دن تھا۔ یوں ہی پتنگ اڑاتے ہوئے اس نے سامنے والی چھت کے مبشر کا شان دار گڈا (بڑی پتنگ کا پنجابی نام) ڈور سے جدا کر ڈالا۔ باجے بجے۔ بوکاٹا کا شور اٹھا۔ ہر ممکن طریقے سے جشن منایا گیا۔

یہ اویس کی کامیابی سے زیادہ مبشر کی ہار کا جشن تھا۔ اس جیسا بددماغ لڑکا سب کو ہی ناپسند تھا۔ اویس اپنی کامیاب پتنگ کی ڈور اپنے بھائی کو پکڑا کر پانی پینے لگا۔ اسے تھرل پسند تھا۔ اسے اس میں ہی مزہ آجاتا تھا۔ اسے جشن منانے کی طلب ہی نہیں ہوتی تھی۔

وہ ہمیشہ سے خطروں کا کھلاڑی رہا تھا۔ لیکن وہ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتا تھا۔ اس کے ساتھی ایک پہیے پر بائیک چلاتے تھے۔ تو اویس پوچھتا تھا اس کا کیا فائدہ؟ اگر فائدہ نہ ملتا تو وہ، ایسے کام نہیں کرتا۔

وہ دیوار ٹاپ لیتا تھا کیونکہ دوپہر میں جب وہ کرکٹ کھیل کر آتا تھا تب امی سو رہی ہوتی تھیں۔

اس نے ایک دفعہ بچپن میں نہر میں ایک ڈوبتے دوست کو بچانے کے لیے چھلانگ لگا دی تھی۔ دونوں کو دوسرے لوگوں نے بچایا تھا۔ لیکن اسے کبھی اپنی حرکت پر افسوس نہیں ہوا۔ بعد میں وہ باقاعدہ تیراکی سیکھ کر اس میں ماہر بھی ہو گیا۔ بے مقصد ہو تو چکراتی گھماتی رولر کوسٹر رائیڈ میں بھی اسے کوئی ایڈونچر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وجہ ہو تو وہ چلتی گاڑی کے سامنے چھلانگ لگا سکتا تھا۔ چاہے وجہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں مقصد تھا مبشر کو سبق سکھانا۔ وہ محلے کا بدمعاش بنتا جا رہا تھا۔ اس نے یہ مقصد پورا کر لیا۔ مبشر اپنی چھت پر غصے سے چلا رہا تھا۔ جنہیں جھکنے کی عادت نہیں ہوتی وہ زندگی دوسروں کے ساتھ اپنے لیے بھی مشکل بنا ڈالتے ہیں۔

مبشر کو اپنے سے چھوٹے لڑکے سے گڈا کٹوانا ناک کٹوانے کے برابر لگا۔ کچھ دیر ضبط کرنے کے بعد بھی وہ دوبارہ میدان میں اترا۔ مگر اویس کی کوئی پتنگ نہ کاٹ سکا۔ انا کو بڑا بنا لو تو چھوٹی چھوٹی بات ٹھیس پہنچا جاتی ہے۔ مبشر کے ساتھ بھی یہی تھا۔ شام ڈھلنے سے پہلے وہ اوچھی حرکتوں پر اتر آیا۔ ان جاہل حرکتوں پر جنہوں نے اس تہوار کو قاتلانہ کھیل میں بدل ڈالا تھا۔ کیمیکل زدہ دھاتی ڈور کے ساتھ پتنگ بازی کرتے وہ کھیل کو جنون میں بدل کر سب کچھ بھول چکا تھا۔ اویس اس وقت تک اکتا کر دور جا چکا تھا۔ اس کی بس یہ کچھ تھا زندگی میں کرنے کو وہی سب کرتا رہا۔

☆☆☆

اگلی صبح منہ اندھیرے ہی صبح ہو گئی تھی۔ کہرام کی صبح۔ محلے کے چھتیس سالہ ابرار بھائی سادہ سے مزاج کے انسان تھے۔ صبح نکلتے۔ دہی لاتے، اس میں روٹی ڈبو کر کھا جاتے۔ چائے کے ساتھ شام میں دو سموسے کھا لیتے اور رات کو بھوک ہی نہیں لگتی۔ ذہنی طور پر معصوم تھے۔ جوانی میں پڑھائی چھوڑ کر کبھی الیکٹریشن کی دکان پہ بیٹھا کرتے تھے۔ مگر استاد سے ڈانٹ پڑی تو بہانا کر کے کام چھوڑ گئے۔ اب اپنے بھائی کے گھر اوپر والے کمرے میں تنہا رہتے تھے۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ بازار کے چکروں میں گلی میں سب کو سلام بھی کر جاتے تھے۔

اس روز ابرار بھائی کے گھر مہمان آئے تھے۔ جو ساری رات جاگے تھے۔ وہ فجر کے بعد بائیک پر ناشتہ لینے نکلے۔ کیمیکل زدہ دھاتی ڈور نے راستے میں ان کا گلا چیر دیا۔ چند سیکنڈ میں ان کا وجود ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

باقی سب تو ویسے ہی ہوا جیسے ہونا چاہیے تھا۔ مگر اویس نے اس سب کا بہت گہرا اثر لیا۔ غلط کو غلط ثابت کرنا کافی نہیں ہوتا۔ اسے قانون کے شکنجے میں جکڑنا ہوتا ہے۔

digestlibrary.com

''میں پولیس میں جاؤں گا۔'' اس نے جولائی کے مہینے میں کہا۔
'' کیوں بھئی ہم پر پہرہ دیتے ہو، کافی نہیں؟'' جبین نے ہنسی میں اڑایا۔
'' پولیس پہرا نہیں دیتی شکنجہ ڈالتی ہے۔'' وہ پچھلے چار مہینے سے جس اضطراب کا شکار تھا اس کا حل مل گیا تھا۔
'' پولیس مین کی نوکری آسان نہیں ہوتی۔'' جبین سمیت سب کو لگا تھا یہ کھیلوں کا شوقین دن چڑھے اٹھنے والا لڑکا، اتنا جذبہ کہاں لائے گا۔ چاردن کا بھوت ہے۔
مگر اویس میں سب کو تبدیلی نظر آنے لگی۔ اس نے اس جذبے کو اپنا مقصد بنالیا اور تب تک چین نہیں لیا جب تک وردی حاصل نہ کرلی۔
اس کے پولیس میں جانے کے بعد ایک روز شام کی چائے پر سب گھر والے اس کی لگن پر فخر محسوس کررہے تھے۔ باتوں باتوں میں سب پر انکشاف ہوا تھا کہ ابرار بھائی کی موت کے بعد سے اس نے سادی پتنگ اور سادی ڈور کو بھی چھوا تک نہیں تھا۔ وہ جس کے ہاتھ سے ڈور کے زخم نہیں بھرتے تھے۔ اس کی قوت ارادی اتنی مضبوط تھی کہ کیسے خاموشی سے کنارہ کرلیا اور پتا بھی نہیں لگنے دیا۔
وہ دنگ رہ گئے۔ اب اویس کی زندگی میں روز تھرل ہوتا تھا، وہ بھی بامقصد۔
☆☆☆
بشار نے دیکھا، یاسین جیت چکا تھا۔ اور جھک کر محراب خان کو سلام کررہا تھا۔
بشار کا دل کیا دوبارہ ڈوب جائے۔ مگر ایسا کچھ ہدایت میں شامل نہیں تھا۔ اور وہ ہدایت کے خلاف نہیں جاتا تھا۔ اسے افسوس دوسرے نمبر پر آنے کا نہیں تھا۔ اسے افسوس تھا کہ وہ محراب خان کی نظر میں نمایاں نہیں ہو سکا۔ وہ نکلا سر جھکا کر دور سے سلام کیا اور یاسین کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ تب بھی وہ ایک کم عمر لڑکا تھا۔ موچھیں نئی آئی تھیں۔ لیکن جسم کسرت کرکے پختہ ہوچکا تھا۔
''اول آنے والا آپ کا ذاتی محافظ ہوگا۔ باقیوں کو حویلی کے باہر تعینات کیا جائے گا۔ کچھ لڑکے ہمیں الائچی کے باغ کی نگرانی کے لیے بھی چاہئیں۔'' دلشاد محراب خان کا پرانا بندہ تھا۔ لڑکوں کی ذمہ داری اس کی ہی تھی۔
''اس حساب سے تو یاسین ذاتی محافظ بنے گا۔'' محراب خان نے تصدیق کی۔
''جی ایسا ہی ہے۔'' دلشاد کہہ رہا تھا۔
''یہ دوسرے لڑکے کا کیا نام ہے؟'' محراب خان نے اس لڑکے کو دیکھا جس کو وہ جتنا نظرانداز کرتا تھا وہ اتنا ہی اچھا کام کرکے محراب خان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتا۔
''بشار نام ہے۔ الائچی کے باغ کی نگرانی کے لیے یہی ہے۔ ذہین ہے۔'' دلشاد نے بتایا۔
''یہ مجھے اپنے ذاتی گارڈ کے طور پر چاہیے۔ یاسین کے ساتھ اس کو بھی میرے ساتھ رکھو۔'' محراب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
دلشاد کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ذاتی گارڈ کے لیے ایک ہی بندہ بہت تھا۔ پھر یہ فیصلہ کیوں؟ اسے معلوم نہیں تھا کہ محراب خان کو بشار کی بے لوث غلامی دیکھ کر سکون ملتا تھا۔ بشار کو وہ منصب مل گیا جہاں وہ روز محراب خان کی نظر عنایت کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا۔ اچھے کام پر انعام مل جاتا تھا۔ مگر اسے تو شفقت کی خواہش تھی۔ اور شفقت نہیں ملتی تھی۔ وہ روز دھتکارا جاتا تھا۔
محراب خان پہلی کے بعد اس پر دوسری نگاہ بھی نہیں ڈالتا تھا۔ پھر اگلے روز وہ پہلے سے بھی زیادہ کوشش

کرتا۔

☆☆☆

ساز بند ہو گئے تھے۔ درثمین نے کانوں سے ہاتھ ہٹا لیے تھے۔ لیکن ساری ماضی کی یادیں ماں سے نئی باتیں۔ اسے سب سمجھ میں آ گئی تھیں۔ بشارمحراب خان کا جانثار تھا۔

☆☆☆

''میری اطلاعات کے مطابق وہ شہر سے نکل چکے ہیں مگر اسی صوبے میں ہیں۔'' اویس صورتحال بتانے آیا تھا۔

لائبہ اور نعیمہ بہت تحمل سے سن رہے تھے۔

''لیکن آپ تو کہہ رہے تھے، وہ جلد مل جائے گی۔ دوسرا دن ہو گیا ہے۔ وہ نہ جانے کہاں چلی گئی ہے۔'' نعیمہ جذباتی ہو گئی۔

لائبہ اویس کو نظریں گاڑے دیکھ رہی تھی۔

''ہم نے وہ گاڑی ریکور کرا لی ہے۔ جس میں اغوا ہوا تھا۔ اغوا کار بہت چالاک انسان ہے۔'' اویس کو اب تک خود سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ وہ بچ کر نکل کیسے گیا۔ لیکن وہ ڈیوٹی نبھاتا رہا اور تسلی دیتا رہا۔

''اب آگے؟'' لائبہ بے چین تھی۔

''آگے اس سے زیادہ کوشش کر رہے ہیں یہی کیس میری اول ترجیح ہے۔'' اویس نے کہا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''تاوان کی کال آنے کی امید نہیں ہے پھر بھی کوئی فون آئے تو فوراً اطلاع دیں۔'' اویس پندرہ منٹ کے لیے آیا تھا اور نکلنے لگا تھا۔

''آنٹی! میں بھی چلتی ہوں۔'' لائبہ سارے دن سے ہاسٹل سے باہر تھی۔

اویس نے عادتاً گھڑی دیکھی۔

digest library.com

''میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' اویس نے نرم لہجے میں کہا۔

''نہیں میں۔'' لائبہ انکار کرنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی تھی۔

''تھینک یو سر! اس کو چھوڑ دیں۔ مجھے تسلی رہے گی۔'' نعیمہ نے بیٹے کی عمر کے لڑکے کو اس کی وردی کی وجہ سے سر کہہ کر پکارا۔

لائبہ نہ گواہ تھی نہ مدعی۔ اسے پولیس کی نگرانی کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس سے احتجاج نہ ہوا۔ دونوں ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

فرش پر سبز قالین بچھا ہوا تھا۔ اور دیواروں پر دوشیزاؤں کی تصاویر تھیں۔ کوئی مٹکا پکڑے، کوئی گھوڑا دوڑاتی کوئی ہوا میں تکتی۔ کبھی صرف ایک دن آپ کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ لائبہ کے لیے یہ وہی دن تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر چاروں سمت تکنے لگی۔ جیسے دنیا بدل گئی ہو۔

''اس طرف۔'' اویس نے اشارہ کر کے سمت واضح کی۔

''شکریہ۔'' لائبہ نے بیگ کے اسٹریپ کو مضبوطی سے پکڑا اور چل دی۔

وہ بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اویس سوچ رہا تھا کتنی احمق لڑکی ہے۔ اس کے سامنے ایک لڑکی اغوا ہوئی تھی۔ اس لڑکی کو اپنے دفاع کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ اور کہاں وہ اکیلے پھر رہی تھی۔ اس کے دل میں آیا کہ اس

سے کہے، یوں بے وقت ہاسٹل سے نہ نکلا کرے۔ لیکن وہ اس کا کیا لگتا تھا۔ جو ایسے کہے۔ اس لیے خاموش رہا۔ وہ لائبہ کو آگے چلنے کا موقع دے رہا تھا۔ مگر لائبہ رفتار سست کر کے اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔

اویس کو اس کی عادت نہیں تھی۔ اس نے رفتار تیز کی اور لائبہ سے آگے بڑھ گیا۔ لائبہ نے بھی رفتار تیز کر لی۔ دونوں قدم ملاتے ہوئے سیڑھیوں سے اترے تھے۔ اویس جھنجھلانے لگا۔

"آپ آگے چلیں۔ میں آرہا ہوں۔" آخر اس نے کہہ دیا۔

"مجھے معلوم نہیں ہے، کہاں جانا ہے۔" لائبہ نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

"پھر میں آگے چلتا ہوں، آپ پیچھے آجائیں۔" اس نے تجویز دی۔ جو لائبہ کو قبول نہیں تھی۔

"ایسا لگے گا میں آپ کا پیچھا کر رہی ہوں۔ پھر پیچھے چلنے سے تحفظ کا احساس نہیں ہوتا۔" اس نے سادگی سے کہا۔

بڑبولی تو وہ پہلے ہی تھی۔ تہذیب کے چند فلٹر جو بیچ میں حائل تھے وہ درثمین کی پریشانی میں چھٹ گئے تھے۔ پہیلیاں بجھائے بغیر سیدھی بات کرنے والی کی بات اویس کو ایک دم سے دل پر لگی۔ اس نے لائبہ کو دیکھا تو اپنی امی کا کہا یاد آیا۔

"ملتانی مٹی سا رنگ ہے۔ آنکھیں چھوٹی ہیں پر شرارت سے ناچتی رہتی ہیں۔ سیدھا سچے کی بات کرتی ہے۔ بولتی بہت اچھا ہے۔ دل کرتا ہے بولے جائے اور ہم سنے جائیں۔"

وہ لوگ عرصہ ہوا شہر آگئے تھے۔ پڑھ لکھ گئے تھے۔ مگر روایت ان کی یہی تھی۔ ماں کی جو پسند تھی اس نے خاموشی سے مان لینی تھی۔ اب تک اسے وقت نہیں ملا تھا اس بارے میں سوچنے کا۔ اب سوچ رہا تھا تو وہ سامنے بھی اور بہت تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"لگتا ہے، آپ کو میرا ساتھ چلنا پسند نہیں۔ ٹھیک ہے پھر میں آگے چلی جاتی ہوں۔ درے کو بتاؤں گی۔ کہہ رہی تھی لڑکا دیکھو تو سہی شاید تمھارے حق میں......" لائبہ اپنی لے میں کہتی آگے کو چلتے ہوئے بولنا شروع ہو گئی۔ پھر اپنے ہی خیال سے ٹھٹھک گئی۔

وہ درے کو کیسے بتاتی؟

اویس پیچھے آرہا تھا۔ لائبہ چونک کر رکی تب تک وہ اس کے ساتھ آچکا تھا۔

"آپ اسے ڈھونڈ دیں گے نا؟ وہ مل جائے گی؟" لائبہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

اویس نے لحہ بھر بھی غفلت نہیں کی تھی۔ پھر بھی اسے شرمندگی ہوئی کہ اب تک لائبہ کی دوست کو ڈھونڈ کیوں نہیں پایا۔ اس نے کچھ کہے بنا لائبہ کو اشارے سے چلنے کو کہا۔ وہ امید نہیں تعبیر دینا چاہتا تھا۔

وہ دونوں چلنے لگے اب بھی وہ بغیر کسی محنت کے ایک ساتھ چل رہے تھے۔ ان کے قدم مل رہے تھے۔ وہ گراونڈ فلور کی مین لابی میں آچکے تھے۔ اویس وردی میں تھا۔ پہلے سے چوکنا لوگ مزید الرٹ ہو گئے۔ اویس کو اس سب کی عادت تھی۔ لائبہ نے ایسی توجہ پہلی بار دیکھی۔

"آپ سے سب ہمیشہ ایسے ہی ڈرتے ہیں؟" اس نے اردگرد دیکھ کر پوچھا۔

"سب نہیں ڈرتے۔ صرف وہی ڈرتے ہیں جن کے دل میں چور ہو۔ آپ بھی تو مجھ سے نہیں ڈری تھیں۔" اس نے پرانی تفتیش یاد کروائی۔

"وہ تو آپ مجھے دیکھے دیکھے لگے تھے۔ پھر خطرے میں تو درے تھی۔ میں کیوں ڈرتی۔" اس نے نیچے دیکھ کر کہا۔

"آپ نے بتایا نہیں آپ کو میری تصویر کیسی لگی؟"

اویس کو اس کی اداسی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس لیے خلاف طبیعت ایسی بات کی تھی۔

لائبہ کے قدم ڈگمگائے۔ اس سوال کا جواب تو اس نے اپنی امی کو نہیں دیا تھا۔ اس کو کیسے دیتی۔

"ہاسٹل کا ٹائم آٹھ بجے تک ہوتا ہے۔" اس نے بات پلٹنا چاہی۔ اور رفتار سست کر لی۔ غالباً پیچھے رہنے میں ہی عافیت تھی۔

مگر اب اویس اس کے ساتھ چلنے پر مصر تھا۔ تاکہ آئندہ وہ زندگی میں کبھی یہ الزام نہ دہرا سکے کہ اویس ساتھ چلنے کا قائل نہیں۔ وہ سست ہوئی تو اویس بھی رک گیا۔

"تصویر اچھی نہیں لگی تو یہ بھی بتا دیں، آئندہ کیسے کھنچواؤں۔ تاکہ جواب آجائے۔" اویس شوخ بھی ہوتا تھا تو سوبر ہی لگتا تھا۔ وہ مڑ کر توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لائبہ کو یاد آ گیا تھا کہ اس نے جواب نہیں دیا۔ لیکن اس کی اطلاعات کے مطابق دوسری طرف سے بھی کوئی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں ہوا تھا۔

"میں تصویر دیکھ کر فیصلہ نہیں کرتی۔" لائبہ کا دل مچلا تھا مگر اس نے بہت تحمل سے کہا۔

"پھر آپ فیصلہ کیسے کرتی ہیں؟" اویس نے دوبارہ پوچھا۔

وہ عمر کے اس حصے میں تھا جہاں سوری کہنے سے ہتک محسوس ہوتی تھی۔ ورنہ پچھلے رویے پر سوری کہہ کر دل ہلکا کر لیتا۔ اب وہ دل کا بوجھ ہلکی پھلکی باتیں کر کے ختم کرنا چاہ رہا تھا۔

"میں یہ دیکھ کر فیصلہ کرتی ہوں کہ قدم مل رہے ہیں کہ نہیں۔" لائبہ نے سر اٹھا کر کہا۔ قدم ملانا تو اس نے ابھی اس ہی لڑکی سے سیکھا تھا۔

"گاڑی آ گئی۔" اویس کو یاد آیا وہ اب بھی ڈیوٹی پر ہے۔ اور ذاتی باتیں اسے زیب نہیں دیتیں۔

لائبہ جو کچھ موم ہو گئی تھی۔ اس نے سامنے سڑک پر دیکھا۔ وہاں گاڑی نہیں تھی پولیس کا ڈالا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی۔

"میرے لیول پر گاڑی نہیں ملتی۔ تفتیش کے لیے یہی ہوتی ہے۔" اویس نے کیبن پک-اپ کی طرف دیکھا۔ جس کے آگے ڈرائیور سمیت دو لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اور پیچھے وین کی طرح دیواروں سے دو لمبی سیٹیں لگی تھیں۔ جس میں مجرموں کو بٹھا کر لے کر جایا جاتا تھا۔ لائبہ کی ٹینشن نعیمہ سے مل کر دو درجہ بہتر ہوئی تھی تو اب اس پولیس کار کو دیکھ کر چار درجہ بڑھ گئی۔

"میں اس میں کیسے جا سکتی ہوں۔ میں رکشہ لے لیتی ہوں۔" لائبہ نے کہا۔

"اتنا تو آپ تب بھی نہیں ڈری تھیں جب میں نے تفتیش کی تھی۔" اویس کو ہنسی آئی۔

"تب مجرم سمجھا جا رہا تھا، اب مجرم بنایا جا رہا ہے۔ میں اس میں نہیں بیٹھوں گی۔" لائبہ نے کمر پر ہاتھ رکھا اور تنک کر کہا۔

"اس میں صرف مجرم نہیں بیٹھتے۔ ویسے بھی اس وقت آپ کو رکشہ نہیں ملے گا اور یہ محفوظ بھی نہیں ہے۔ آئیں میں چھوڑ آؤں۔" اس نے بہت سمجھداری سے کہا۔ لائبہ بھی اتنی بہادر نہیں تھی کہ اکیلی کھڑی رہے۔ اس لیے کڑوا گھونٹ پی کر پک-اپ میں بیٹھنے لگی۔

"آپ آگے نہیں بیٹھ سکتیں۔ آگے صرف دو لوگوں کی جگہ ہے۔" اویس نے بتایا۔

"پھر پیچھے بیٹھوں؟ جہاں آپ مجرموں کو بٹھاتے ہیں؟" لائبہ کو غصہ آ رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں زیادہ نفری ہو تو ہم بھی وہیں بیٹھتے ہیں۔ یہ اکیلے جانے سے تو محفوظ ہے۔" وہ خلاف توقع اس کی بات کو اہمیت دے کر سن رہا تھا۔ مگر لائبہ کے لیے یہ کافی نہیں تھا۔ وہ مجبور تھی اس لیے

غصے سے پیر پٹختی پچھلی طرف گئی۔ اویس نے سہارا دے کر اسے اوپر چڑھنے میں مدد دینا چاہی۔ مگر وہ نظر انداز کرتی خود ہی اندر گئی۔ اور منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔

''ماں ہوسٹل میں رشتہ دیکھنے آ جاتی ہے۔ اور سپوت سے تفتیش پر ملاقات ہوتی ہے۔ اور میرے گھر والوں کو یہی رشتہ ملا ہے۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

اویس کو لفظ سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ مگر اس کا غصہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سامنے کی سیٹ پر آ کر بیٹھا۔ سب انسپکٹر عادل ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔

''چلو۔'' اویس نے بے دلی سے کہا۔

''ان لڑکیوں کے نخرے۔ ہونہہ۔ اس کی روم میٹ کو ایک بندہ اٹھا کر لے گیا ہے۔ اس کو شکر کرنا چاہیے کہ مفت کی سواری مل رہی ہے۔'' عادل بولنے لگا۔

''تم گاڑی چلاؤ۔'' اویس نے سختی سے کہا۔ عادل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

digest library.com

لائبہ شدید خفت کا شکار تھی۔ اسے نہ یہ سواری پسند آ رہی تھی نہ صورت حال۔ بہت جھنجلا کر اس نے سفر پورا کیا تھا۔ جیسے ہی ہاسٹل آیا۔ اویس اتر کر اس کی طرف آیا۔

''اللہ حافظ۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

لائبہ نے سر اٹھا کر دیکھا، اندھیرے میں اسے ہاسٹل میں موجود لڑکیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ مگر ان لڑکیوں نے ضرور دیکھا ہو گا کہ وہ پولیس کے ڈالے میں آئی ہے۔ وہ بغیر کچھ کہے تیز تیز چلتی اندر چلی گئی۔

اویس کو برا نہیں لگنا چاہیے تھا مگر لگ رہا تھا۔ زندگی کی عجیب کھچڑی بن گئی تھی۔ وہ دوبارہ سے گاڑی میں بیٹھنے لگا۔ تو اندر جاتی لائبہ پلٹ کر آئی۔

''شکریہ۔'' آداب زندگی تھے جو اس نے نبھا لیے ورنہ اس وقت اندر سے شکر گزاری کا کوئی جذبہ نہیں پھوٹ رہا تھا۔ وہ کہہ کر اندر چلی گئی۔

''چلیں سر؟'' عادل نے چھچھورے انداز میں پوچھا۔

اویس نے اپنی ہلکی سی مسکراہٹ دبائی۔

''ایک بات بتاؤ۔'' وہ بالکل سنجیدہ ہوا۔

''جی سر۔'' عادل بھی الرٹ ہو گیا۔

''تمہیں کیسے پتا کہ اغوا کار ایک آدمی تھا؟'' اویس نے عادل سے پوچھا۔

''جی کیا مطلب سر؟''

''تم نے کہا نا اس کی روم میٹ کو ایک بندہ اٹھا کر لے گیا۔ تمہیں کیسے پتا؟''

''سب کو پتا ہے یہ تو۔'' عادل نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

اب تک تو ہم سمجھے تھے کہ یہ دو یا تین لوگوں کا کام ہے۔ اس گھر سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن تم کہہ رہے ہو ایک بندہ اٹھا کر لے گیا۔'' اویس نے اب اپنی باز جیسی تیز نظر عادل پر گاڑی۔ عادل کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سایا آیا تھا۔ اور اویس نے اسے لمحہ بھر میں پکڑ لیا تھا۔

اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ چھاپہ پڑنے سے پہلے اغوا کار کیسے بھاگ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ صوبے سے باہر جانے کا سب سے غیر معروف راستہ تھا۔ اس پولیس ناکے کی مخالف سمت چھ فٹ دور

ایک پٹرول پمپ تھا۔ پٹرول پمپ کے ساتھ بنے ریسٹ ایریا کی عمارت اتنی خستہ تھی کہ اس کے عمارت ہونے پر شک تھا۔ چھت ندارد۔ بس وہاں چولہا چل رہا تھا، نل میں پانی آرہا تھا اس لیے وہ ریسٹ ایریا تھا۔ ناکے سے ریسٹ ایریا کے درمیان ایک آدمی مسلسل ٹہل رہا تھا۔ وہ جو پوری رات نہیں سویا تھا۔ وہ تیز رفتاری کی تمام حدیں توڑتے ہوئے وہاں موجود تھا۔

جب اپنے ہی بازو منہ پر وار کرنے لگیں تو سب سے زیادہ چوٹ لگتی ہے۔ اس کے اپنے بندے عادل نے اغواکار کا ساتھ دیا۔ یہ جان کر اسے نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔

''سب ہی جانتے تھے کہ تفتیش میرے پاس آئی تھی۔ اغوا ہونے سے پہلے مجھے پتا تھا۔ میں نے کتنا وقت لگانا ہے کہ وہ بھاگ نکلیں۔ یہ تو آپ کو کیس دے دیا گیا اور آپ نے سب سے پہلے ناکہ بندی کروادی۔''

عادل نے قبول کیا تھا۔ اویس نے اس سے کیسے سچ بلوایا یہ ایک ایسا راز تھا جو تھانے سے باہر نہیں جاتا۔

''اب کہاں ہے؟'' اویس نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا۔'' عادل اغواکار سے ڈائریکٹ رابطے میں نہیں تھا ورنہ اس کا فون ٹریس کرلیا جاتا۔

اویس نے خود کو اغواکار کی جگہ رکھ کر سوچا۔ وہ کسی معروف شاہراہ سے نہیں جائے گا۔ سب جگہ ناکہ بندی تھی۔ لیکن اویس وہاں تھا جہاں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ صوبہ نہیں دنیا ہی ختم ہو رہی ہے۔

وہ لاہور میں تعینات تھا۔ اس کی اتھارٹی اپنے علاقے کے آگے ختم ہو جاتی تھی۔ وہ اے۔ ایس۔ پی ستار سے ضد کر کے وہاں آیا تھا۔ مقامی انسپکٹر اس کی بڑی سفارش کے باعث اس کی دراندازی برداشت کر رہا تھا۔ ورنہ اس کی اتھارٹی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔

ایک بار وہ صوبے سے نکل جاتا تو اس کی کوئی سفارش بھی کام نہیں آنی تھی۔ یہ آخری پڑاؤ تھا۔ ڈیوٹی پر مقامی کارندے موجود تھے۔ اویس سادہ جیکٹ اور جینز میں تھا۔ اس لیے دیکھنے میں بھی پولیس افسر نہیں لگ رہا تھا۔ مگر اس کے چلنے کا انداز ہی اسے نمایاں کر رہا تھا۔

سورج چڑھتے ہی وہاں دو وینیں آرکیں پندرہ سیٹر وین میں سے باآسانی بتیس لوگ نکل رہے تھے۔ ایک دم سے اس چھوٹی سی جگہ میں رش ہو گیا۔ چادروں برقعوں نقاب والی عورتوں اور بچوں کی بھرمار ہو گئی۔ وہ لوگ پہلے سے چوکنا تھے۔

رش بڑھا تو کھل کر سامنے آگئے۔ پولیس والوں نے خود کو ظاہر کر کے محاصرہ کرلیا۔ قریبی پولیس سٹیشن سے لیڈی پولیس بھی پہنچ گئی۔ اب کوئی بھی پیچھے نہیں جا سکتا تھا اور آگے جانے کے لیے ناکے سے گزرنا لازم تھا۔ اویس ناکے کے پاس منڈلاتا ہوا سب پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ دوسرے لوگوں کی طرف سے اسے ناگوار نظروں سے دیکھا جا رہا تھا۔ تلاشی سے خوف پھیل رہا تھا۔ اتنے میں ایک جیپ اویس کے قریب آکر رکی۔ اس کے اندر سے شلوار قمیض میں ملبوس سنہری گھڑی والا لڑکا نکلا۔ جس نے کچھ دیر پہلے دوبارہ شیو کی تھی۔

''سب خیریت جناب؟'' وہ مہذب انداز میں پوچھتے ہوئے اویس کے پاس پہنچا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''ہاں بس روٹین چیکنگ۔'' اویس نے سادے سے انداز میں کہا۔ یہ پہلا شخص تھا جو سیدھا اس کے پاس آیا تھا۔ فطری طور پر اویس اس سے زیادہ دوسروں کی طرف متوجہ تھا۔

''چلیں مہربانی۔'' لڑکے نے سنہری گھڑی والا ہاتھ دل پر رکھ کر الوداع کے انداز میں کہا۔ اور دو قدم پیچھے ہو گیا۔

''سنو۔ تم تو وہی ہونا۔ ایکسڈنٹ والے۔'' اس کو جاتا دیکھ کر اویس کو یاد آگیا۔

لڑکا رک گیا۔
"جی جناب۔ڈرائیور آدمی ہوں۔ ایک سے دوسرے شہر گھومتا رہتا ہوں۔" لڑکے نے اپنی جیپ کی طرف سعادتمندی سے اشارہ کیا۔
اویس اتنی شاندار سواری دیکھ کر جیپ کے پاس آ گیا۔
"واہ ایسی جگہ پر ایسی گاڑیاں۔" اویس نے گھوم کر جیپ کو دیکھا۔دو سیٹیں آگے، دو پیچھے چھت کھلی ہوئی۔ اور سیٹوں کے پیچھے کھلی جگہ جہاں سامان پڑا تھا۔سلیپنگ بیگ، انگیٹھیاں، کوئلے، برتن وغیرہ۔
'گھومنے آنے والوں کو یہاں کی خوبصورتی پسند آتی ہے سڑکیں نہیں، اس لیے کرائے کی سواری بھی اچھی ہی لیتے ہیں۔ ابھی کیمپنگ کا سامان لے کر وادی میں جا رہا ہوں۔ آپ بھی کبھی ہمیں مہمان نوازی کا موقع دیں۔ہماری خوش قسمتی ہوگی۔" وہ اخلاق سے کہتا ہوا اپنے بزنس کے لیے غالباً گاہک ڈھونڈ رہا تھا۔
اویس اس کی مہمان نوازی کو مزید جانچتا۔ اس سے پہلے شور مچ گیا۔ زنانہ باتھ روم سے ایک عورت چلاتی ہوئی باہر آئی۔ باتھ روم ناکے سے کافی دور مخالف سمت میں تھا۔ اس طرف بھی کوئی عملاً موجود تھا۔ مگر چیخ و پکار سن کرناکے والے عملے کی توجہ بھی وہیں ہوگئی۔
"باتھ روم میں کوئی ہے۔زندہ ہے۔" عورت ہانپتے ہوئے بتا رہی تھی۔

digest library.com

ہاسٹل میں پھوپھو آئی تھیں۔شاکرہ پھوپھو تھیں تو لائبہ کی پھپھو لیکن ان کے انداز سے سارے ہاسٹل کی لڑکیاں یوں ہل گئیں جیسے وہ یونیورسل پھپھو ہوں۔لائبہ انہیں اپنے کمرے کی طرف لے کر جا رہی تھی۔کوریڈور میں داخل ہوتے ہی شاکرہ پھپھو جون میں آ گئیں۔
"لو بھلا یہ کوئی وقت ہے سو کر اٹھنے کا؟" انہوں نے ایک لڑکی پر تبصرہ کیا جو دیو جیسا منہ کھول کر جمائی لے رہی تھی۔
دو قدم آگے ایک لڑکی نے منہ پر لیپ لگا رکھا تھا۔
"ان چونچلوں کے بجائے فجر پڑھا کرو بچے! اس سے زیادہ روپ آتا ہے۔" شاکرہ سے کہے بنا رہا نہیں گیا۔
"پھپھو! یہ اپنی کلاس کی ٹاپر ہے۔" لائبہ نے سرگوشی کی۔ ہاسٹل کی لڑکیاں اس سے ویسے ہی سیدھے منہ بات نہیں کر رہی تھیں۔
ہاں تو میں کون سا کہہ رہی ہوں نالائق ہے۔میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ دنیا کے لالچ کے ساتھ آخرت کی فکر بھی کر لے۔" شاکرہ پھپھو نے اپنی توپوں کا رخ لائبہ کی طرف کر دیا۔
ان دونوں کے ساتھ لائبہ کی والدہ راحت بھی تھیں۔جو بیٹی کی پریشانی کی وجہ سے دو راتوں سے نہیں سوئی تھیں۔وہ ویسے بھی کم گو تھیں۔اب نند ساتھ تھی تو آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔
"میں نے خبروں میں سنا تھا، اس لڑکی کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔کہاں سے آئی کہاں گئی۔کسی کو خبر نہیں۔ تم اس لیے آئی تھیں یہاں بدنام لوگوں سے دوستی کرنے؟" شاکرہ پھپھو پچھلے دو دن سے سنسنی پھیلانے والی خبریں سن رہی تھیں۔وہ یہاں آئی بھی اپنے جسکے کی خاطر تھیں۔
"نہیں شاکرہ! وہ لائبہ کی دوست نہیں تھی بس روم میٹ تھی۔وہ تو ہاسٹل والے جو بھی کمرہ دے دیں۔" راحت بیگم نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔
کمرے کا دروازہ سامنے تھا۔لائبہ مڑی اور دروازے میں ایستادہ ہوگئی۔

''وہ میری دوست تھی۔ بیسٹ فرینڈ تھی۔ ہم نے خود کبھی اس کے ساتھ برا نہیں کیا۔ وہ فرسٹ آئی تھی۔ بدنام نہیں تھی۔ ہاں کچھ وجوہات کی بنا پر گمنام ضرور تھی۔ اس کے لیے دعا کرتی ہوں نہ جانے کس مشکل میں ہوں۔'' لائبہ نے آخری جملہ ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

شاکرہ پھپھو کو سنبھلنے میں چند لمحے لگے۔

''ہاں تو اور۔ ہماری وجہ سے تو مشکل میں نہیں ہے۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے مشکل میں ہیں۔'' شاکرہ پھر تنک کر بولیں۔

لائبہ نے دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔ اصل بولتی تو شاکرہ کی اندر جا کر بند ہوئی۔ سنہرے ستاروں والے سلیٹی پردے۔ کمرے کا ایک بستر سرخ پھول دار چادر والا اور دوسرا کالی سفید دھاریوں والا۔ سارے ہی کمرے میں ایک غیر محسوس تقسیم تھی۔ ایک طرف سب کچھ رنگین حتیٰ کہ پانی کی بوتل بھی جامنی تھی۔ وہ لائبہ کا حصہ تھا۔ دوسرا حصہ گہرے رنگوں والا سمٹا ہوا۔ لیکن دونوں ہی جگہ زندگی تھی۔ وہاں تو ویسا کچھ نہیں تھا جیسی خونی تصویر خبروں میں کھینچی جا رہی تھی۔ شاکرہ نے گھوم کر کمرہ دیکھا۔ اس میں تو معصومیت تھی، خوشیاں نظر آتی تھیں۔ اس کی نظر جھولا جھولتی لڑکی کی تصویر پر پڑی۔

''یہ درثمین نے بنائی تھی۔'' لائبہ نے کہا۔ شاکرہ کے سارے چسکے پر پانی پھر گیا۔

''تمہارے ابو انتظار کر رہے ہیں۔ چلو سامان سمیٹو۔'' راحت کام کی بات پر آئیں۔

''امی تین مہینے میں میرے امتحان ہیں۔'' لائبہ کو بھی ڈر تھا کہ جو اس کے ہاسٹل میں رہ کر پڑھنے کے دشمن ہیں۔ وہ مزید ہتھیار تیز کر لیں گے۔

''وہاں جا کر پرائیویٹ امتحان دے دینا۔ یہاں رہنے کی اب کوئی ضرورت نہیں۔'' شاکرہ بولیں۔

''امی وہ باہر سے لایا ہوا تھی۔ خاندانی دشمنی کا چکر تھا۔ ہاسٹل اور کالج دونوں بہت محفوظ ہیں۔ اب تو مزید سختی کر دی ہے۔ ویسے بھی میں تو باہر نکلتی ہی نہیں۔'' لائبہ فوراً وضاحتیں دینے لگی۔

شاکرہ نے الماری کھول کر درازیں الٹ پلٹ کر بھی دیکھ لیا۔ سادہ سا بچیوں کا کمرہ تھا۔ جیسے ہونا چاہیے تھا۔ وہ مایوس ہو کر درثمین کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''سامان سمیٹو، باہر جا کر اپنے ابا کو سمجھانا۔ سارا خاندان ہماری چوکھٹ پر بیٹھا ہے۔ کالج کے چوکیدار نے بھی تمہارا نام لیا ہے کہ پولیس نے تم پر شک کیا ہے۔ بہت ہو گئی تمہاری من مانی۔ ہم سیدھے سادے لوگ ہیں۔ خطروں کو مول نہیں لے سکتے۔'' راحت نے بہت عرصے بعد آواز اونچی کی تھی اور ایک سانس میں کہہ دیا۔ کہیں رعب میں کمی نہ آ جائے۔

''رشتہ میرے لیے آپ پولیس والے کا ڈھونڈ کر لاتی ہیں۔ پھر خطروں کو مول لینا آنا چاہیے۔ اس کو ایسی چھوئی موئی لڑکی جچے گی جو اپنا آپ نہ سنبھال سکے۔'' لائبہ نے منہ بنایا۔

شاکرہ پھپھو جھٹکے سے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہیں کون سا رشتہ؟ کہاں کا رشتہ؟ تو ہم اتنے پرائے ہو گئے۔ مشورہ تک نہیں کیا۔''

''نہیں شاکرہ آپی ویسے ہی کہہ رہی ہے اور تم...... تم اپنا سامان باندھو۔'' راحت نے آنکھیں دکھائیں۔

☆☆☆

''باتھ روم میں کوئی ہے۔ زندہ ہے۔'' عورت ہانپتے ہوئے بتا رہی تھی۔

باقی کسی نے کچھ نہیں دیکھا تھا مگر سب ہی خوف زدہ تھے۔ بچے چلانے لگے تھے۔ ادیس سب چھوڑ چھاڑ باتھ روم میں پہنچا۔ ایک ٹائلٹ میں ایک بڑا سا کالے رنگ کا بیگ پڑا تھا۔ جس سے لاش کو ٹھکانے لگانے کا

کام لیا جا سکتا تھا۔ مگر اس میں لاش نہیں تھی، اندر جو بھی تھا وہ پوری قوت سے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے نکلنے کی کوشش میں تھا۔ تالا لگا بیگ اچھل رہا تھا۔ اویس نے جلدی سے تالا توڑ کر زپ کھولی تو اس پر ہی حملہ ہو گیا۔ اندر ایک آوارہ کتا تقریباً باؤلا ہو کر اس پر کودا۔ کسی نے کتے کو بے ہوش کر کے بیگ میں ڈال دیا تھا۔ اسے ہوش آیا تو وہ ایسے پاگل ہوا جیسے کوئی بھی زندہ در گور جان دار ہو جائے۔

اویس یہاں کا معاملہ سپاہی کے حوالے کر کے باہر نکلا۔ یہ بھٹکانے کی سازش تھی اور کچھ نہیں۔

''کتنی گاڑیاں گزری ہیں؟'' اس نے ناکے پر پہنچ کر پوچھا۔

''بس دو۔ ایک وین اور ایک جیپ۔'' وہ ویران علاقہ تھا وہاں دس منٹ میں دو گاڑیاں بھی بڑی بات تھی۔

اویس کو یقین تھا گزرنے والا ان دو گاڑیوں میں جا چکا ہوگا۔ وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے سب یاد کرنے لگا۔ کچھ تھا جو صحیح نہیں تھا۔ مگر کیا؟ کوئی چیز اس کے دل نے پہچان لی تھی مگر دماغ نہیں سمجھ پایا تھا آخر کیا؟

پانچ منٹ اور گزر گئے۔ اگلی گاڑی کی وہ سیٹیں تک اکھاڑ کر چیک کرے گا۔ وہ خود سے ارادہ کر رہا تھا۔ اگلی گاڑی چالیس منٹ کے بعد گزری۔ اس کی بہت اچھی طرح سے چیکنگ کی گئی۔ جیسے ہی وہ گزری، اویس کو یاد آیا۔ سنہری گھڑی والے لڑکے کی جیپ میں کیمپنگ کے دوسرے سامان کے ساتھ ایک سلیپنگ بیگ تھا۔ وہ سلیپنگ بیگ اصول کے مطابق پیک نہیں کیا ہوا تھا۔ بس دہرا تھا اور زپ بند تھی۔ اندر کوئی ٹانگیں سمیٹ کر سو سکتا تھا۔ اویس کو اس وقت ایسا شدید اشتعال آیا جیسے وہ پھٹ جائے گا۔

☆☆☆

بشار نے جیپ روک کر اس کو آزاد کیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے سے اندھیرا چھٹا۔ سامنے ہی وہ خنجر کی طرح نوکیلی دھار جیسی چمک دار روش تھی۔ جو حویلی تک جاتی تھی۔ اس نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا۔ وہ حویلی کی چار دیواری میں آ چکی تھی۔ بشار نے اس کے ہاتھ کھولے۔

''بس یہ ایک آخری خطا۔'' اس نے نظر جھکا کر کہا اور اس کی کلائی پکڑ لی۔

وہ روش پر آگے چلنے لگا۔ عجیب کیفیت تھی۔ اس نے محراب خان کے کہنے پر بہت کام کیے تھے۔ لیکن پہلی بار تھا کہ دل کیا، یہ ہاتھ اس نے کسی حکم کو پورا کرنے کے لیے نہ پکڑا ہوتا۔ وہ جتنا طویل راستہ تھا بشار کے لیے اتنی ہی جلدی گزرتا جا رہا تھا۔ ابھی تو اس نے اس کے ساتھ سفر شروع کیا تھا اور ابھی راستہ ختم بھی ہو گیا۔ محراب خان کی بیٹھک پر پہنچ کر اس نے گارڈز اور ملازموں کو باہر جانے کو کہا۔ وہاں اس کا حکم چلتا تھا۔ سب چلے گئے۔ وہ بھی درثمین کو بیٹھک تک پہنچا کر باہر چلا گیا۔ وہ بھی تو ایک ملازم ہی تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔

''زاہلہ! آؤ بیٹھو۔'' کمرے کے کونے سے سانپ کی پھنکار جیسی آواز آئی۔

''میرا نام درثمین ہے۔'' وہ قریب موجود کرسی سے دور ہو کر ویسے ہی سخت لہجے میں بولی۔ اس نے گردن اکڑائی، جس سے اسے سامنے دیکھنا پڑا۔ محراب خان صرف جاگیردار تھے۔ لیکن اس سے بادشاہت کا احساس ہوتا تھا۔ وہ سنہرے رنگ کی اونچی کرسی پر براجمان تھے۔ سامنے ہم رنگ پیروں کو آرام دینے والی پیڑھی تھی۔ جس سے وہ تخت پر بیٹھے معلوم ہوتے تھے۔ درثمین بیٹھی نہیں۔ محراب خان بھی اٹھے نہیں۔

''تم زاہلہ ہو۔ پہاڑی جنگلی خون والی۔ اپنی مٹی پر واپس آ گئی ہو اسی لیے اتنے سکون سے ہو۔ تمہارا خمیر اپنا اصل پہچانتا ہے۔'' محراب خان مسکرایا۔

وہ بچی تھی تب بھی اس کی سمجھداری نے اسے وسوسوں میں ڈال دیا تھا۔ اب تو بڑی ہو گئی تھی۔ وہ بیک وقت باعث خوشی بھی تھی اور پریشانی بھی۔ درثمین کو بھی وہ ویسے ہی یاد تھے۔ سرخ بے رحم، انگارہ آنکھیں اب بھی اتنی

ہی جان دار تھیں کہ بالوں کی سفیدی اور چہرے کی بے تحاشا جھریاں نظر انداز ہو رہی تھیں۔

"میں شہری ہوں۔ اس لیے مجھے آپ سے ڈر نہیں لگ رہا۔ وہ خوف جس سے آپ سالوں سے سادہ لوح انسانوں پر حکومت کرتے آئے ہیں۔ وہ مجھ میں نہیں ہے۔"

وہ دل ہی دل میں بچی خوشی سے ہنسی۔ سے سکون ہو گیا تھا کہ محراب خان اس کے ذہن پر حکومت نہیں کر سکتے۔

digest library.com

"اتنی سمجھ دار ہو تو یہ کیوں بھول رہی ہو کہ میں تمہارے باپ یونس کا بھی باپ ہوں۔ ہمارے خلاف بدظن کرتے ہوئے کیا تمہاری ماں اتنی آگے نکل گئی کہ اس نے تمہیں تمہارے باپ کی بھنک بھی نہ پڑنے دی؟" مقصد پورا ہونے سے پہلے فتح کا جشن منانا ان کی عادت نہیں تھی۔

"آپ نے دادا بن کر بلایا ہوتا تو میں بھی آپ کے گلے ملتی۔ لیکن میں آپ کو یاد کروا دوں۔ آپ مجھے یہاں باندی کی طرح لائے ہیں۔" اس کے لہجے میں شکوہ آیا۔

"اس عورت نے تمہارے ذہن کو اتنا مفلوج کر دیا تھا کہ تم میرے بلانے پر کبھی نہ آتیں۔ میں نے مجبوری میں یہ طریقہ اپنایا ہے۔" ان کے ٹھنڈے لہجے میں کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

"وہ عورت میری ماں ہے۔ جس نے ہمیشہ میری حفاظت کی ہے۔ مجھے سوچنے کا شعور دیا ہے اور وہ شعور مجھے یہ سمجھاتا ہے کہ جو انسان مجھے جانور کی طرح باندھ کر یہاں لا سکتا ہے۔ وہ میرا مخلص نہیں ہے۔"

وہ اکڑ رہی تھی کیونکہ وہ سوچ سکتی تھی۔ فیصلہ کر سکتی تھی۔ اچھے برے کی تمیز کر سکتی تھی۔ وہ خود کو ناقابل تسخیر سمجھ رہی تھی۔ اس کا مقابل ایک بوڑھا شیر تھا جس کے حربے اب پرانے ہو چکے تھے۔

"ندیم عالم کو جانتی ہو؟" وہ سخت کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ درثمین کو وہ سفید بالوں والا آدمی یاد آیا۔ جو اس کی امی کے ہوٹل میں کام کرتا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جو لائبہ کو نعیمہ کے کمرے تک لے کر گیا تھا۔ اس نے بھی اس کی ماں کو نوکری ڈھونڈ کے دینے میں بہت مدد کی تھی۔ اب بھی وہ اکلوتا آدمی تھا جس سے نعیمہ خوف زدہ نہیں تھی۔ لیکن محراب خان کو ندیم انکل سے کیا؟

"تمہاری ماں نے اس سے شادی کر لی ہے۔" محراب خان کی سرخ آنکھیں لعل کی طرح چمکیں۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" وہ چلائی۔

"ہوٹل کے ایک خاموش کونے میں نکاح ہوا تھا۔ تمہارے ماموں بھی آئے تھے۔ تمہیں نہیں بلایا؟ کیسے بلاتی۔ نوکری کی دستاویز میں بھی اس نے ظاہر کیا تھا کہ وہ بے اولاد ہے۔"

محراب خان نے نعیمہ کا پیچھا کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ نعیمہ کے حالات کچھ دیر سے ہی سہی پر جان جاتے تھے۔

"وہ اس لیے کیا ہو گا تاکہ میرا ایڈریس گمنام رہے۔" وہ اب پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔

"تین سال ہو چکے ہیں۔ تمہیں کیوں نہیں بتایا؟ اسے تم پر اعتبار نہیں تھا یا اسے تم سے سچ چھپانے کی عادت ہو گئی تھی؟" محراب خان بول رہا تھا۔ درثمین لاجواب تھی۔

محراب خان نے نکاح نامے کی فوٹو کاپی درثمین کے قریب پڑی کرسی پر رکھی۔ چند تصاویر بھی تھیں۔ درثمین کا سر چکرانے لگا۔ وہ سہارا لینے کے لیے اسی کرسی پر گر کر بیٹھی جس کو کچھ دیر پہلے غرور سے ٹھکرایا تھا۔

"جو تم سے ایک سچ چھپا سکتا ہے۔ وہ ہزار جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ اب یہاں تک آئی ہو تو اپنے اس شہری ذہن سے خود سچ جانچو۔ تمہاری منی یہ ہے۔"

محراب خان اس کے دل و دماغ میں لگی آگ پر پھونکیں مارتے جا رہے تھے۔

وہ پہلی بار ندیم انکل سے ملی تھی تو وہ نعیمہ کے پرانے کولیگ تھے۔ بے ضرر سے انسان۔ پھر کتنی بار ملی۔ اف وہ اتنی بے وقوف کیسے ہو سکتی تھی۔ نعیمہ تو چھٹی لے کر لاہور آئی تھی۔ ساتھ ندیم انکل ہر بار کیوں آ جاتے تھے؟ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ ہوٹل کے مالک سے لے کر چوکیدار تک ندیم سے پوچھتا تھا کہ نعیمہ کہاں ہے۔ سب جانتے تھے۔ وہی انجان تھی۔ اب اسے اس ظالمانہ سفر کی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ گلا سوکھ رہا تھا۔ سر پھٹ رہا تھا اور محراب خان سکون سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ننھی بچی یہ کیسے سوچ سکتی تھی کہ محراب خان کے پاس صرف ڈر کا ہتھیار ہے۔ ذہنوں کو قابو کرنے کے لیے اس کے پاس کئی حربے تھے۔

☆☆☆

وہ تھوڑی دیر لیٹ کے باہر آ گیا تھا۔ اپنے ٹھکانے پر واپس آ کر بھی آرام نہیں ملا تھا۔ وہ بے مقصد چلنے لگا۔ اس کے لیے زندگی کا سب سے مشکل کام سوچنا تھا۔ پچھلے کچھ گھنٹوں سے سوچیں یلغار کی طرح اس پر حملہ آور تھیں۔

'کیا میں نے صحیح کیا؟' ذہن کا ایک حصہ باغی تھا۔

'خان کا یہی حکم تھا۔' دوسرا حصہ تابع دار۔

وہ اونچائی کی طرف چلنے لگا۔ اس کا سانس مضبوط تھا۔ آرام سے نہیں پھولتا تھا۔

'کیا وہ دوبارہ کبھی سامنے آئے گی؟' باغی حصہ سوچنے لگا۔

'اگر آ بھی جائے تو یاد رہے، تمہیں نظریں نیچی رکھنی ہیں۔ ورنہ خان کی نظروں سے گر جاؤ گے۔' تابع دار حصے نے یاد کروایا۔

''وہ کبھی نہیں دکھے گی۔ حویلی کے عورتوں والے کمروں کی طرف خان کے خاص بندے بھی نہیں جاتے۔'' دماغ کے پہلے حصے کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ قیمتی پا کر کھو دیا ہو۔

'اگر اتنا یقین ہے کہ وہ نہیں دکھے گی تو پہاڑ والے باغیچے کی طرف کیوں جا رہے ہو؟'

تابع دار حصہ اس پر ہنسا۔ اس کے قدم رک گئے۔ وہ انجانے میں کیا کر رہا تھا؟ وہ ایسا تو نہیں تھا جو الجھ جائے۔ اس کے ذمے ایک کام لگایا گیا تھا جو اس نے کر دیا۔ اب اسے جو ہوا وہ بھول جانا تھا۔ اسے کچھ نہیں یاد کرنا تھا۔ وہ رک کر خود کو سمجھانے لگا۔

''وو ہو۔'' کسی کی چیخ بلند ہوئی۔ بشار نے نیچے وادی میں دیکھا۔ علاقے کے باہر سے آنے والی سڑک پر ایک سیاہ ہیولا تھا۔ جو تیزی سے حویلی کے سمت آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشی سے ایک بچہ چیخا تھا۔ ورنہ وہ ہیولا اتنا دور تھا کہ وہاں تک آواز نہیں آ سکتی تھی۔

بشار پہچان گیا۔ یہ زمان کی جیپ تھی جو حویلی واپس آ رہا تھا۔ بشار کمر کے پیچھے دونوں ہاتھ باندھ کر دیکھنے لگا۔ پل کے قریب پہنچ کر ہوا سے باتیں کرتی جیپ سست ہو گئی اور پل سے گزر کر پھر سے فراٹے بھرنے لگی۔

بشار زمان سے سامنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ واپس نیچے کی طرف چل دیا تا کہ بروقت اپنے کمرے میں پہنچ جائے۔ لیکن قسمت نے اس کے راستے آسان کرنے چھوڑ دیے تھے۔

نیچے اترتے ہی چار ملازم پانی کی مشین ٹھیک کر رہے تھے۔ اپنی فنکاریوں میں انہوں نے راستے میں بھی پانی پانی کر دیا تھا۔

''اس کی بیلٹ ڈھیلی ہے۔ دوسری لگے گی۔'' وہ ان کے سر پر پہنچا تو عادتاً مسئلہ حل کروانے لگا۔

''بیلٹ ٹھیک ہے، بس پیچ کس دو۔'' کسی نے دور سے آواز لگائی۔ وہ زمان تھا۔

بشار تحمل سے مڑا۔ ''میں دیکھ لوں گا۔'' اس نے زمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم خاص آدمی ہو، ان چھوٹے کاموں میں کیوں پڑ رہے ہو۔" زمان نے بھی آتشی نظریں دکھائیں۔
"آپ تو ولی عہد ہیں۔ آپ کے لیے تو یہ کام اور بھی چھوٹا ہے۔"
بشار نے دوبارہ آدمیوں کو دیکھا جو پریشان تھے کہ دونوں میں سے کس کا کہا مانیں۔ ان سمیت حویلی میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ بشار اور زمان میں سے کس کا رتبہ بڑا ہے۔
"تمہیں اس چاپلوسی سے ملتا کیا ہے؟" زمان نے انگلیوں پر اپنی شاندار جیپ کی چابی گھمائی۔ بشار کے پاس تو ذاتی سواری بھی نہیں تھی۔
"خان کی خوشی۔" وہ پھر بھی اعتماد سے بولا۔ زمان سلگ گیا، یہ ایک چیز تھی جو بشار کو ہمیشہ دھنی کر جاتی تھی۔
"تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو؟ کہاں ہے نا پیچ کس دو۔" وہ بگڑتے ہوئے اندر جانے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر مڑا۔
"سنو۔" زمان جاتے جاتے مڑا اور اپنی چابی اچھالی جسے بشار نے کیچ کر لیا۔
"میری جیپ دیکھ لینا۔" زمان نے اسے اس کا مقام یاد کروایا۔
"میں صرف خان کا حکم مانتا ہوں۔" بشار نے چابی ہاتھ بڑھا کر اس کی سمت چھوڑی۔ زمان نے کیچ نہیں کی۔ چابی زمین پر گری، وہ آدمی جو مشین ٹھیک کر رہا تھا آگے بڑھا۔ چابی اٹھائی اور جلدی سے دینے کے چکر میں برا پھسلا۔ پانی، تار، انسانی ماس وہ آدمی دو فٹ اونچا ہو کر گرا۔ اسے اتنا زیادہ کرنٹ لگا تھا۔ باقی دو افراد بھی اٹھنے لگے۔
"رک جاؤ۔" بشار خلاف عادت اونچا بولا۔ زمان نے فوراً قریب موجود لکڑی کی کرسی پکڑ کر بجلی بند کی۔
"اس کے جسم کو مٹی میں دبا دو، کرنٹ چوس لے گی۔" ایک آدمی بولا۔
"نہیں۔" زمان نے منع کیا۔ بشار نے اس کی نبض دیکھی۔ زمان اور بشار پرانے ساتھیوں کی طرح ایک دوسرے کی نظریں پہچان رہے تھے۔ ایک نے کمبل منگوایا۔ دوسرے نے دل پر مناسب دباؤ ڈالا جیسے وہ ایک دوسرے سے اوپر جانے کے لیے نہیں ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے لیے بنے ہوں۔ چند لمحوں میں ہی وہ آدمی ہائے ہائے کرنے لگا۔ وہ ہوش میں تھا۔
"اسے چارپائی پر ڈالو۔" بشار نے حالت خطرے سے باہر دیکھ کر اجازت دی۔ زمان اور بشار نے ایک دوسرے کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ کبھی کبھی وہ ایک ہی سکے کے دو رخ لگتے تھے۔ پھر زمان نے زمین سے چابی اٹھائی اور بشار کے ہاتھ میں دھیمے سے پکڑائی۔
"کسی سے کہنا، اس کو ہسپتال ضرور دکھا لائیں۔" زمان بھی ان پڑھ نہیں تھا۔ وہ یہ کہہ کر تیزی سے اندر چلا گیا۔

digest library.com

☆☆☆

"کیا مجھے انکار کرنے کی اجازت ہے؟" اس نے سر جھکا کر پوچھا۔
محراب خان کے سامنے سر تو سب ہی کے جھکتے تھے۔ لیکن زمان واحد تھا جو سوال پوچھنے کی ہمت بھی رکھتا تھا۔
"تمہارے پاس انکار کی وجہ نہیں ہے۔ تمہیں ایک پڑھی لکھی لڑکی چاہیے تھی۔ جو تمہارے ساتھ شہروں میں گھوم سکے۔ مجھے خاندان کی لڑکی چاہیے۔ اس کا حل یہی ہے کہ تم یونس کی بیٹی سے نکاح کر لو۔" محراب خان بیچ میں بہترین حل لائے تھے۔
وہ دوستوں کے ساتھ ریسنگ پر گیا تھا۔ تو اس وجہ سے اسے جلدی بلایا گیا تھا۔

''میں ساری عمر یونس چچا اوران کی بیوی کے حصے کے طعنے نہیں سن سکتا۔''اس کے لیے یہ گھاٹے کا سودا ہی تھا۔

''تمہیں تو مشکل راستے پسند تھے۔ تم ہی تھے جو کہتے تھے۔ یہاں ٹورسٹ بلاؤ گے۔ راک کلائمبنگ (rock climbing) کروانے۔ کیمپنگ اور نہ جانے کتنے نئے زمانے کے چونچلے تھے جو تم کرنا چاہتے تھے۔اب ایک لڑکی کو زندگی میں شامل کرنے سے اتنا ڈر؟''

''اصل بات کیا ہے؟ یہی ایک اڑیل گھوڑی کو مجھ سے باندھا جارہا ہے۔''زمان چڑ چڑا ہورہا تھا۔

''اصل بات یہ ہے کہ اگر تم یہ نکاح کرلو تو میں تمہارے ان کھیل تماشوں کے پلان کی اجازت دے دوں گا۔''انہوں نے سکون سے کہا۔

زمان محراب خان کو تعجب سے دیکھنے لگا۔ وہ باہر کے لوگوں کے آنے جانے کی اجازت دے رہے تھے یہ تو ناممکن تھا۔محراب خان پرسکون تھے۔ان کا پوتا اس علاقے سے دور جانا چاہتا تھا۔ پوتی جا کر واپس آئی تھی۔ اس نکاح سے وہ دو باغیوں کی بغاوت کو اسی مٹی میں ہمیشہ کے لیے دفنانے والے تھے۔

''مجھے اب وہ سب نہیں چاہیے۔''زمان بھی ان کا خون تھا۔ جب دوسرے کے من مرضی کی بات مانی جاتی ہے تو اپنی بھی من مرضی کی بات منوائی جاتی ہے۔

''تو پھر؟''محراب خان لالچ بہت اچھی طرح سے پہچانتے تھے۔

''آپ کے دادا کو انگریزوں نے جاگیر اور خطاب کے علاوہ ایک چیز اور بھی دی تھی۔ ہمیشہ آپ کے پاس رہی ہے۔ اگر میں نکاح کرلوں تو کیا وہ مجھے مل سکتی ہے؟''زمان نے اس بار سوال پوچھ کر سر ایک بار پھر جھکایا تھا۔ مگر نظریں نہیں۔ اس کی لالچی نظریں محراب خان کے چہرے پر گڑی تھیں۔

☆☆☆

وہ اتنے لوگوں سے ملی تھی اتنے نام سنے تھے رشتے دیکھے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔اسے بس اپنی ماں سے بات کرنی تھی ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ نعیمہ اس سے اتنی بڑی بات چھپالے۔ جو لوگ اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے،ان میں ایک نیلی آنکھوں والی بچی بھی تھی جو بہت صاف اردو بول رہی تھی۔ وہی اس کا کہا دوسروں کو سمجھا رہی تھی۔

"تمہارا کمرہ؟'' درثمین نے بچی سے پوچھا۔ وہ اس جمگھٹے سے دور جانا چاہتی تھی۔ جہاں سب اسے کسی عجوبے کی طرح دیکھ رہے تھے۔

"میرا کمرہ؟ چلیں۔"بچی تو بہت خوش ہوگئی اور اس کا ہاتھ پکڑے اسے کھینچتے ہوئے لے جانے لگی۔

بچی کی ماں اور دادی نے روکنے کے لیے آواز بھی لگائی۔ جو دونوں نے ان سنی کردی۔ وہ گھر تھا یا بھول بھلیاں؟ ایک موڑ پھر دوسرا۔ چار سیڑھیاں اوپر، پھر تین سیڑھیاں دائیں طرف۔ انہیں چکراتے موڑ کاٹتے ہوئے اچانک سے اس کے سامنے ایک مرد آگیا۔

"پھرا۔ دھیان سے۔ "وہ الجھ کر اپنی زبان میں بولا۔

بچی تو اس کی ٹانگوں کے کونے سے گزر گئی۔ درثمین اس آدمی سے ٹکراتے ہوئے بچی۔

"زمان چچا۔ یہ میری نئی سہیلی ہیں درثمین۔ "بچی نے تعارف کروایا۔ پھر چھوٹا ہوا ہاتھ دوبارہ تھاما اور پھر سے لیے دوڑنے لگی۔ زمان نے مڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆☆☆

''مجھے پانی چاہیے۔'' درثمین نے کمرے میں پہنچتے ہی اس سے کہا اور اس کے جاتے ہی کمرے سے نکل کر

ساتھ والے کمرے دیکھنے لگی۔
کہیں کوئی فون مل جائے۔ مرد یقیناً کام پر تھے اور عورتیں اس کے ہی آنے پر بڑے کمرے میں اکٹھی تھیں۔ کمرے خالی تھے وہاں فون نہیں تھا۔ اس نے ہار نہیں مانی اور بیڈ کے ساتھ درازیں دیکھنے لگی۔ وہ پمرا کی ماں کا کمرہ تھا۔ جہاں اسے دراز سے ایک موبائل ملا۔
'پاس کوڈ؟' موبائل نے دھڑلے سے مانگا۔ وہ الٹے سیدھے نمبر ڈالنے لگی۔ اسے نعیمہ سے بات کرنی تھی۔ ورنہ وہ پھٹ جاتی۔
''کیا کر رہی ہو؟'' پیچھے سے کوئی آیا اور موبائل زمین پر گر گیا۔
''مجھے تمہاری وجہ سے مشکل میں نہیں پڑنا۔ باہر جاکے سب کی نظروں کے سامنے بیٹھو۔''
وہ پمرا کی ماں اور زمان کی بڑی بھابی صالحہ تھی۔
''پانی۔'' پمرا دو گھونٹ پانی لائی تھی جو یقیناً سارے راستے چھلکتا رہا تھا۔
''مجھے ایک فون کرنا ہے اپنی ماں کو۔'' درثمین نے رازداری سے کہا۔
صالحہ نے درثمین کو دیکھا پھر فون کو۔
''میں تمہیں اپنا فون نہیں دے سکتی۔ باہر چلو امی جی بلا رہی ہیں۔'' اس نے کہا پھر اپنی زبان میں پمرا کو کچھ ڈانٹنے لگی۔
''میں تو بیلنس رکھتی ہی نہیں۔ ضرورت ہی نہیں ہوتی سب آس پاس ہی تو ہوتے ہیں۔'' وہ آگے چلتی بولتی جا رہی تھی۔ درثمین ہاتھ مسلتی پیچھے چل رہی تھی۔
وہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ وہ اس چاردیواری سے نکل جاتی آگے اور راستے اور چاردیواری ہوتی۔
''کسی نے ضروری فون کرنا ہو تو یہ الٹے ہاتھ خان صاحب کا کمرہ ہے۔ اس کے کوریڈور میں فون ہے۔'' صالحہ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔
درثمین نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ پوری حویلی کی ایک ہی لائن ہے۔ ہمارے لیے بہت ہے۔'' صالحہ نے پھر کہا اور رک گئی۔
''تمہیں پیاس لگی تھی، یہ لو۔'' اس نے پمرا سے پانی کا گلاس لے کر درثمین کو پکڑایا۔
''پیتے ہی آ جانا۔'' صالحہ نے کہہ کر پمرا کا ہاتھ پکڑا اور آگے چلی گئی۔ درثمین نے گلاس وہیں چھوڑا۔ وہ قالین پر گرا اور بھاگ کر فون پکڑا۔ نمبر گھمانے لگی تو معلوم ہوا فون میں پہلے ہی کوئی بول رہا تھا۔
''یہ شہری سیاست دان بہت بزدل ہوتے ہیں۔ ان کو اپنا بھرم رکھنا ہوتا ہے وہ تو بہت زور لگا رہے ہیں کہ فوراً گھر کی تلاشی لی جائے لیکن میرے منہ میں خاک میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' فون پر کوئی کہہ رہا تھا۔
''تم ان شہری لوگوں کو اپنی زبان میں سمجھا دو کہ محراب خان کی زمین پر اس کا حکم چلتا ہے۔'' محراب خان کی گرج سنائی دی۔
''سرکار! میں غلام ہوں آپ کا۔ میں تو خود چاہتا ہوں یہ معاملہ ختم ہو۔ آپ بس بچی کا بیان دلوا دیں۔'' وہ کوئی علاقے کا سیاست دان تھا جس کے شہری لیڈر کے ووٹ پھنسے تھے۔
''کل کا سورج چڑھنے دو وہ بیان ضرور دے گی۔'' محراب خان نے سکون سے کہا۔
''بڑے کالج کا معاملہ تھا۔ بچی اگر۔۔۔۔۔ میڈیا کے سامنے بیان دے دے؟'' آگے سے ڈر کر آواز آئی۔
''ہرگز نہیں۔'' محراب خان دھاڑے۔

اتنے میں کوئی اسے ڈھونڈتا پہنچ گیا، اسے فون رکھنا پڑا۔ اس کے کانوں میں زاہلہ زاہلہ کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ زاہلہ نہیں تھی۔ وہ درثمین تھی۔ وہ یہ کیسے سب کو بتاتی؟

digest library.com

☆☆☆

وزیر خان مسجد کے پیچھے سورج غروب ہونے کو تھا۔ وہ مسجد کی سیڑھیوں کے پیچھے دالان میں بیٹھے تھے۔ وہاں مختلف فوڈ کارنرز تھے اور ان میں سے ہی ایک سے ان تینوں نے کھانا کھایا تھا۔ لائبہ، اس کی امی راحت اور اس کے ابو جاوید فاروقی۔

''بل۔'' ویٹر نے کالا فولڈر سامنے رکھا۔ جاوید فاروقی نے نوٹ نکالے۔

''نہیں ابو کارڈ دیں۔ ٹیکس کم لگتا ہے۔ بلکہ۔'' لائبہ نے اپنا کارڈ فولڈر میں رکھا۔ دونوں ماں باپ نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ صبح سے وہ بار بار یہ نظریں بدل چکے تھے۔ ہاسٹل سے نکل کر انہوں نے شاکرہ کو ان کی نند کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ جہاں وہ چند دن رہنے والی تھیں۔

''دیکھیں ابو! میں واپس نہیں جانا چاہتی۔'' اس نے ہاسٹل سے نکلتے ہی کہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں دیکھنا۔ گھر چلو۔'' متوقع جواب آیا تھا۔ لیکن اس کے بعد سے لائبہ جو کر رہی تھی اور اس کے والدین دیکھ ہی رہے تھے۔ ٹکٹ بک کروانے تھے۔ لائبہ نے آن لائن کروا دیے۔ خریداری کرنی تھی، لائبہ اچھی جگہ لے گئی تھی اور جس طرح وہ فر فر حساب کتاب کر رہی تھی۔

دونوں ماں باپ دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ ان کی بچی سارے معاملات بہت اچھے سے سنبھال رہی تھی۔ تب راحت نے ہمت کر کے شوہر سے بات کی تھی کہ لائبہ کو پڑھائی مکمل کرنے دیں۔ مگر جاوید میں واپس جا کر سب کو جواب دینے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ نہیں مانے۔ لائبہ بھی تب تک منہ پھلا پھلا کر تھک چکی تھی۔ بس رات کی تھی۔ تب تک پانچ گھنٹے تھے اس نے سوچا ناراضی کا وقفہ لیا جائے۔ وہ ماں باپ کو شہر دکھانے چل پڑی۔

رنگیلا رکشہ، تاریخی گیٹ اور روایتی گلیاں۔ جاوید صاحب کو سچ میں لگ رہا تھا کہ وہ بچے ہیں اور لائبہ سمجھ دار بزرگ کی طرح انہیں راستے دکھا رہی تھی۔ وہ دونوں سالوں بعد ایسے خوش ہوئے تھے۔ بڑے شہر کی بات ہی کچھ الگ تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ لائبہ کتنی مضبوط ہوگئی ہے۔ اب بل کی بات میں بھی اس نے کیسی سمجھ داری دکھائی۔

''کچھ مہینے کی بات ہے۔ سکون سے گزر جائیں گے۔'' راحت نے شوہر کے کان میں کہا۔

''لوگوں کو ہمارا سکون ہی تو ہضم نہیں ہوتا۔ دیکھیں گے کہ ہم بچی کے بغیر سکون سے واپس گھر آگئے ہیں تو ہمیں بے غیرت کہیں گے اور لائبہ اس سب کے بعد سکون سے اسی ہاسٹل میں رہ رہی ہے تو اسے آوارہ، بدچلن ایسی باتیں اگلے گھر تک پیچھا کرتی ہیں۔'' وہ خود اکتائے ہوئے تھے۔

راحت کو اچانک کچھ یاد آیا۔

''سمیرہ باجی ہیں نا ان کا بیٹا۔ نہیں ان کی سہیلی ادھر ہی رہتی ہیں۔ بہت اصرار کر رہی ہیں کہ چکر لگائیں۔ اب آئے ہیں تو۔'' وہ ڈر ڈر کر بول رہی تھی۔

''چلو بہت دیر ہوگئی۔ اب باقی وقت بس سٹاپ پر گزار لیں گے۔'' جاوید ہاتھ جھاڑ کر اٹھے اور چل دیے جیسے پیچھے دیکھیں گے تو پتھر سے ہو جائیں گے۔

''ابو یہاں سے رکشہ مت لیں بہت خراب جگہ ہے۔ بازار سے آگے گزر جائیں گے۔ وہاں ٹیکسی مل جائے گی۔'' لائبہ دوڑتے ہوئے باپ کے قدم سے قدم ملا رہی تھی۔

''بہت دیکھ لیا تمہارا شہر، اب مزید مت الجھاؤ۔'' وہ غصے سے بولے۔

ایسے ہی تیزی سے وہ تینوں سامان سمیت رکشے میں سوار ہو چکے تھے۔
آخر بائی چڑیا کے پر کاٹ دیے گئے۔ لائبہ نے بے یقینی سے سوچا۔ کچھ خواب راکھ ہوئے تھے تو کیا؟
ان خوابوں سے نئے خواب جوڑے گی۔ درنمین کی طرح۔
شاید یہ صحیح ہی تھا کہ وہ دونوں یہاں سے چلی جائیں اور کبھی واپس نہ آئیں۔ دونوں میں سے ایک بھی پیچھے رہ جاتی تو دوسری کوجتی رہتی۔ اس نے باہر نیلا آسمان دیکھا اور اس کی نظروں کے سامنے آسمان الٹا ہو گیا۔
ایک ٹرک سے آگے بڑھنے کے چکر میں رکشہ کھڈوں والی سڑک پر ایسے بے توازن ہوا کہ قلابازی ہی کھا گیا۔ ان کی چیخیں بلند ہونے سے پہلے رکشے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

☆☆☆

''ہر افسر اپنے علاقے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کے علاقے سے بات نکل جاتی ہے تو اگلے علاقے والا اس کیس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جس طرح تم چاہ رہے ہو، ایک کیس کی پیروی سے نکل جاؤ۔ سب یہ کرنے لگیں تو سارے پولیس والے سفر میں ہی رہیں۔ ''
بہت سادہ سی بات تھی جو ستار کو ہجے کر کے بتانی پڑی تھی۔
''عادل نے جو کیا، اس کے بعد دوسروں پر کیا بھروسا کروں؟ '' وہ اب بھی اس کیس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔
''تم اس کیس کو اتنا پرسنل نہ لو۔ تم نے کوئی غفلت نہیں کی۔ لیکن اب یہ جن کے علاقے کا کیس ہے اب ان کی سر دردی ہے۔ '' ستار نے کہا۔
''وہ اتنا شاطر ہے کہ میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ '' اویس ایک بگڑے بچے کی طرح اڑ گیا تھا۔
''اول تو تلاشی کے آرڈر نہیں ملیں گے۔ مل بھی جائیں تو وہ لڑکی، کہیں اور چھپا دیں گے۔ مار بھی ڈالیں گے اور کسی اور کو اس کی جگہ لا کر دکھا دیں گے۔ یہ انا کے مسئلے ہوتے ہیں جو اپنوں کو نگل کر جشن مناتے ہیں۔ چھوڑ دو۔ سو میں سے دس کیس ہاتھ سے نکل ہی جاتے ہیں۔ '' اس نے پھر تسلی دی۔
''ہم اتنے بے اختیار نہیں کہ کچھ نہ کر سکیں۔ '' وہ تلملایا۔
''اب کیا کرنا چاہتے ہو؟ '' ستار نے پوچھا۔
''مجسٹریٹ کی پیشی۔ '' اس بار وہ سکون سے بولا تھا۔

☆☆☆

بشار کو محراب خان نے پھر ایک اہم کام دیا تھا۔ وہ بیٹھک میں تھے اور اپنے کمرے سے کچھ اہم منگوایا تھا۔ ان کا پرسنل گارڈ بننے کے بعد بھی وہ بہت عرصے ان راستوں میں گمنام پھرتا تھا۔ اس کی سنہری گھڑی چمکی۔ بشار خاموش تھا، محراب خان کے کمرے کا راستہ ماضی یاد کرنے لگا۔

☆☆☆

ذاتی گارڈ بننے کے بعد بشار اور یاسین زیادہ وقت محراب خان کے کمرے کے باہر رہتے تھے۔ لیکن رات کے کھانے کے وقت وہ اب بھی اپنے پرانے ٹھکانے پر آ کر سب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ سب پرانے دوست جو کبھی بستی میں ساتھ رہتے تھے۔ مل کر کھانا کھا رہے تھے۔ لیکن یاسین کے گلے میں نوالے پھنسنے لگے تھے۔
''اکیلے آدمی کی بادشاہت تو ہو سکتی ہے گھر نہیں۔ آج مجھے اچھی تنخواہ ملتی ہے۔ خان سے ملنے کے لیے لوگوں کو میرے پاس سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ جتنا میرے باپ کا گھر تھا، اتنا آج مجھ اکیلے کا کمرا ہے۔ مگر اکیلے

کا ہے۔گھر نہیں ہے۔"
یاسین کی نوکری کو اتنا وقت گزر چکا تھا کہ اس عالی شان نوکری کا نشہ زائل ہونے لگا تھا۔ وہ اگلے خواب دیکھنے لگا تھا۔ یا یوں کہیں پچھلے خواب۔ بشار بھی موجود تھا۔ اور مناسب نوالے اچھی طرح چبا کر نگل رہا تھا۔
" گھر وہ کیا ہوتا ہے، اب تو یاد بھی نہیں۔ "اجمل نے بھی سرسری کہا۔
"میرے باپ کا گھر چھوٹا تھا مگر گھر تھا۔ "یاسین نے یاد کیا۔
باقی سب کھانا چھوڑ کر حیرت سے سوچنے لگے۔ بشار کھاتا رہا۔
"میری ماں ہمیشہ ڈانٹتی تھی کہ میں کپڑے گندے کر لیتا ہوں۔ اب مجھے اس اجلی وردی میں دیکھتی تو کتنا خوش ہوتی۔ "اجمل بھی یادوں کے گرداب میں پھنسنے لگا۔
"میرا چھوٹا بھائی ہر وقت میری نقل کرتا تھا۔ اب ہوتا تو وہ ٹریننگ لے رہا ہوتا۔ "یاسین نے اب محراب خان کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ حال کے ساتھ ماضی بھی کھلنے لگا تھا۔
یاسین اور اجمل کی گفتگو میں دو لڑکے اور شامل ہو گئے۔ بشار آخری نوالے تک خاموشی سے کھاتا رہا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔
"جن گھروں کو تم یاد کر رہے ہو۔ غنڈوں نے ان گھروں کو قبر بنا دیا تھا۔ ہمیں نہ مٹی میں جگہ ملی تھی نا ہی زمین اپنی رہی تھی۔ محراب خان نہ ہوتا تو آج ہم نہ ہوتے۔ "بشار نے آخری نوالہ اٹھایا۔ سب خاموش ہو کر اس کو دیکھنے لگے۔ وہ بہت کم بولتا تھا۔ مگر ایسے بولتا تھا کہ سب چپ رہ جاتے تھے۔ بشار نے اپنی تھالی اٹھائی اور چلا گیا۔ اسے وقت کی قدر تھی۔ باقی سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔
"وہ غنڈے اب کہاں ہوں گے؟" یاسین بہت خطرناک باتیں سوچ رہا تھا۔
"محراب خان کے ڈر سے دوبارہ نہیں آئے۔ "ایک لڑکے نے کہا۔
"اس علاقے میں محراب خان کی مرضی کے بنا پتا بھی نہیں ہلتا۔ وہ غنڈے کیسے آ گئے؟ اگر آ گئے تو محراب خان کے بندے ان کو روک کیوں نہ سکے؟" قتل عام والا واقعہ سات سال پرانا تھا۔
"وہ غنڈے جنگلی تھے؟ یاد نہیں کیسے طاقت سے ساری بستی نچوڑ دی تھی؟"
"اگر وہ غنڈے اتنے ہی طاقت ور تھے تو محراب خان کے آدمیوں کو کچھ کیوں نہ کہہ سکے؟" اجمل نے بھی سوچا۔
الائچی کے باغ کی نگرانی اجمل کو مل گئی تھی۔ وہ روز وہاں جاتا تھا جہاں سات سال پہلے ان کے گھر تھے جو اب ختم کر دیے گئے تھے۔ یا گودام بنا دیے گئے تھے۔
"اب ان باتوں کا کیا فائدہ۔ وہ ماضی تھا۔ یہاں پر آنے کے بعد ہم سے کسی معاملے میں زیادتی نہیں ہوئی۔ ان کا دیا کھانا قبول کر رہے ہیں۔ تنخواہ لے رہے ہیں۔ مطلب وہی مالک ہیں ہمارے۔ "دوسرے لڑکے نے یاد دلایا۔
"ہماری زمین ان کی ہو گئی۔ کیسے؟ وہ ہمارے باپ کے بعد ہماری ہونی چاہیے تھی۔ "
یاسین کے پاس اب طاقت بھی تھی اور عقل بھی۔
"لیکن ہم بچے تھے۔ ہم کر کیا سکتے تھے؟" اجمل نے ہاتھ ملتے ہوئے دیکھا۔
"اب تو بچے نہیں رہے؟ "یاسین نے چالاکی سے کہا۔
" کیا کریں گے، اپنی زمین مانگیں گے؟ "اجمل کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
" پہلے مجھے میرا شک آزمانے دو۔ اگر اس کے پیچھے محراب خان کا ہاتھ ہے تو سوال ہوگا کہ ہم اب کیا کر

سکتے ہیں؟ "یاسین صحیح باغی ہو گیا تھا۔

اس رات ساز بجے تو ان میں اضطراب تھا۔ بے چینی تھی، بے سکونی تھی اور سازش تھی۔

digest library.com

☆☆☆

محراب خان عصر کے بعد اپنے کمرے کے آگے بنے بڑے دالان میں بیٹھتے تھے۔ اونچائی پر بنے اس کمرے سے نیچے ساری وادی نظر آتی تھی۔

ان کی نظر سفید یونیفارم میں داؤ پیچ سیکھتے بچوں پر ٹکی رہتی۔ ان کے نزدیک یہ ان کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ ایک ہراول دستہ جوان کی وفاداری کا دم بھرتا تھا۔ وہ آٹھ بچے ابتدا تھے۔ اب بخوشی اور بچے بھرتی ہونے لگے تھے۔ اب بھی پندرہ بچے تھے جو تربیت حاصل کر رہے تھے۔

محراب خان ساری شام ان کو نئے گر سیکھتے دیکھتے اور فراغت ہوتی تو رات کو ان کی موسیقی سن کر ہی اٹھتے۔ دوسرا کوئی جانتا ہو نہ ہو یاسین اور بشاران کی روٹین اچھے سے جانتے تھے۔ یہی وقت ان کو بھی فراغت کا ملتا تھا۔ دونوں سرخ چادر لہرائے جانے کے بعد خود بھی اپنے ٹھکانے پر چلے جاتے تھے۔

اس روز محراب خان عصر کے بعد دالان میں بیٹھے تھے۔ سامنے شطرنج تھی۔ جو وہ سفید اور کالے دونوں رنگوں سے خود ہی کھیل رہے تھے۔ وہ اکیلے کھیلتے تھے۔ انہیں ہارنے سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ مگر کوئی ایسا ان کی نظر میں نہیں تھا جسے مقابلے کی دعوت دیں۔ اجمل کی باغ پر ڈیوٹی تھی۔ بشار اور یاسین کھانے کے ٹائم وہاں سے جا چکے تھے۔ اپنا گھر، اپنے لوگ تھے۔ اس وقت گارڈز کی ضرورت نہیں تھی۔ بشار میں ایک عجیب والہانہ خون تھا۔ ایک کا ہو کر رہتا تھا۔ وہ سب سے بات کرتا تھا۔ ان کی خبر رکھتا تھا مگر دل اس کا صرف محراب خان سے لگا تھا۔ بشار دلشاد سے نئے بچوں کے بارے میں بات کرنے لگا۔

یاسین نے اپنے تین دوسرے دوستوں کو اشارہ کیا۔ وہ چاروں خاموشی سے وہاں سے نکل گئے۔ یہ چار لڑکے ان اولین آٹھ لڑکوں میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنے پیاروں کا قتل و غارت اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چاروں لڑکے خون کے پیاسے تھے۔ وہ محراب خان کے کمرے میں مختلف راستوں سے داخل ہوئے۔ ان کی طرف محراب خان کی پشت تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھے محراب خان کی پشت اور پگڑی دیکھ سکتے تھے۔

یاسین نے جیب سے بندوق نکالی۔ صرف اس کے پاس بندوق تھی۔ اس نے دور سے ہی نشانہ لگایا۔ بندوق چلی مگر گولی نہ نکلی۔ اس میں گولی نہیں تھی۔ یاسین شاکڈ ہوا۔ مگر وقت سوچنے کا نہیں تھا۔ اس نے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

ایک نے کرسی کے پیچھے سے ہی رومال ڈال کر پگڑی کے نیچے گردن دبوچی۔ دوسرے نے منہ پر ہاتھ رکھ کر سینہ خنجر سے لہولہان کر دیا۔ تیسرا اور چوتھا ہاتھ پاؤں پکڑے تھے۔ ان پر جنون سوار تھا۔ ان کی بوکھلاہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ نہ چہرہ دیکھ رہے تھے نہ تکلیف سے پھڑ پھڑاتا جسم۔ انہیں اپنے گھر والے یاد تھے۔ اپنی بے فکر زندگی کو وحشیانہ بنانے کا غم تھا۔ انہیں وہ تسکین چاہیے تھی جو محراب خان نے ان سے چھین لی تھی۔ اس وقت ان کے سر پر صرف بدلہ سوار تھا۔

"نفرت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس لیے میں نے خود کو دشمنی میں بھی کبھی نفرت کرنے کی اجازت نہیں دی۔" محراب خان کی آواز آئی۔

یاسین نے ایک اور خنجر مارا۔ باقی بھی ڈر گئے۔ یوں لہولہان ہو کر وہ کیسے بول رہا تھا؟

"میں اگر نفرت میں اندھا ہو جاتا تو تم لوگوں کو یہ زندگی نہ دیتا جو تمہیں ملی ہے۔ میں نے تمہارا مستقبل سنوار دیا تھا۔"

محراب خان اب بھی بول رہے تھے۔
یاسین نے گردن موڑ کر دیکھا۔محراب خان دور کمرے میں ایک کونے میں بیٹھے تھے۔پھر کرسی پر کون تھا؟
کرسی والے کا چہرہ پگڑی کے کپڑے سے ڈھکا تھا۔اس نے کپڑا ہٹایا۔وہ اجمل تھا۔ان ہی کا پیارا ساتھی۔محراب خان کی کرسی پر اس کی پگڑی پہنے۔اس کے لیے آئی موت اجمل کے حصے آئی تھی۔یاسین نے خوف سے محراب خان کو دیکھا۔
''تم سامنے سے وار کرتے تو تمہارا دوست بچ جاتا۔تم نے بزدلی کی۔''
محراب خان شاطر مسکراہٹ سے ہنسا۔یاسین چاقو لے کر دگنے غصے سے اس کی طرف بڑھا۔راستے میں بشار آ گیا۔اس نے محراب خان کی سمت اٹھنے والے خنجر کو راستے میں ہی روک لیا۔پھر شور ہوا اور دوسرے لوگ بھی آ گئے۔
''جہاں میری نظر نہیں ہے،وہاں میرے جان نثاروں کی نظر ہے۔'' محراب خان سکون سے دیکھ رہے تھے۔ایک اکیلے بشار نے چاروں کو چت کر دیا تھا۔وہ ان کا پلان جانتا تھا اور اس نے تین روز پہلے ہی محراب خان کو سارا پلان بتا دیا تھا۔
یاسین اور دوسرے غداروں کو پکڑ لیا گیا تھا۔مجمع لگ گیا تھا۔محراب خان کرسی سے اٹھے۔سیدھا کھڑے ہو کر انہوں نے بشار کو دیکھا۔
''پانچ اپنے غدار نکل آئے اس کا غم نہیں ہے۔خوشی اس کی ہے کہ تم جیسا ایک وفادار مل گیا ہے مجھے۔'' انہوں نے بشار کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر فخر سے کہا۔
اس کو لوگوں نے پستول پکڑا دی تھی مگر اندر سے وہ ایک معصوم بچہ تھا جس نے باپ کا پیار نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ پیار وہ محراب خان میں کھوجتا تھا۔
''بشار خان! آج میں تمہیں اپنے نام پر نام دیتا ہوں۔آگے تمہیں جائیداد بنانے کا حق ہوگا اور میرے معاملوں میں مشورہ دینے کا بھی۔تم آج سے میرے خاص بندے ہو۔فی الحال یہ رکھو۔''
یہ کہہ کر محراب خان نے اپنے ہاتھ میں پہنی بیش قیمت سنہری گھڑی اتار کر بشار کو دے دی۔
بشار کا سر بلند ہو گیا چوڑا ہو گیا۔اس نے تو زندگی پا لی تھی۔اس کے بعد سے وہ محراب خان کے اور قریب آ گیا۔
اس نے ہر موقع پر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔اتنا کہ محراب خان کو اس پر اندھا اعتماد ہو گیا۔
اب وہ اکیلے شطرنج نہیں کھیلتے تھے۔بشار ان کے ساتھ چالیں چلتا تھا۔
جہاں تک بشار کا سوال تھا وہ تو تھا ہی اندھا۔محراب خان کی آنکھوں سے دیکھتا تھا ان کے دماغ سے سوچتا تھا اور صرف ان کی سنتا تھا۔وہ ایک روبوٹ تھا۔
جس کا ریموٹ محراب خان کے ہاتھ میں تھا۔

☆☆☆

''میرے بیٹے یونس کی بیٹی ہے زلیخہ۔جس کو اس کی بددماغ ماں کہیں لے گئی ہے۔کئی بار میں اس تک پہنچنے کے قریب ہوا مگر وہ مل نہ سکی۔اب یہ کام تمہیں کرنا ہے۔اسے یہاں لے کر آؤ۔وہ خوشی سے نہیں آئے گی۔ضرورت پڑے تو دو تھپڑ بھی جڑ دینا۔تمہیں اجازت ہے۔لیکن اس کو لے کر آؤ۔بلکہ دو تھپڑ تو لگا ہی دینا تا کہ بات مان جائے۔'' محراب خان نے اسے بلا کر کہا تھا۔
''جو حکم۔'' وہ ہمیشہ کی طرح بغیر کچھ پوچھے سر جھکا کر جانے لگا۔

''اور ہاں، یہ مت بھولنا وہ میری پوتی ہے۔ اس پر قابض ہونے کے بعد بھی اس کا احترام تم پر فرض ہے۔''
ایک اور حکم۔
''جیسا آپ کہیں۔'' ایک اور سر تسلیم خم۔

☆☆☆

بشارت نے پہلے نعیمہ کو ڈھونڈا اور اس کا پیچھا کرتا لاہور آ گیا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار شیو کی تھی تاکہ شہر کا لگے۔ اسلام آباد ہوٹل میں وہ ملازم تھا۔ لاہور میں مہمان کی طرح دو دن رہا۔ ہوٹل میں رہتے ہوئے وہ نعیمہ کے ملاقاتیوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اور صرف ایک ملاقاتی آیا تھا۔ ایک لڑکی۔

اس نے درثمین کا پیچھا کیا تھا۔ مگر اسے راستے بدل کر چھپ کر جانے کی عادت تھی۔ بشارت اس کا پتا نہیں لگا سکا۔ یہ تو اخبار میں اس کی تصویر آ گئی تو کالج کا نام پتا سب معلوم ہو گیا۔ مال میں بھی وہ اس کے پیچھے تھا۔ لیکن اصل موقع اسے لائبریری کے باہر ملا۔

وہ یہ اس لیے کر رہا تھا کیونکہ محراب خان نے کہا تھا۔ لیکن اس سارے قصے میں وہ محراب خان کے ایک حکم پر پورا نہیں اتر سکا تھا۔ اجازت کے باوجود وہ درثمین پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا تھا۔

☆☆☆

پانچ منٹ کی تنہائی میسر آئی تھی۔ جب اسے کپڑے پکڑا کر اندر لباس تبدیل کرنے کو کہا تھا۔ اس نے اس روایتی لباس کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

''اتنا کیا شرمانا۔ اب آ بھی جاؤ۔ میں ہوں لائبہ۔ میرے سے شرماؤ گی تو ساری یونیورسٹی کے سامنے کیسے پہنو گی؟''

یونیورسٹی میں ٹریڈیشنل ڈے تھا۔ ساری لڑکیوں کو کہا گیا تھا کہ ایسا جوڑا پہنیں جو ان کی روایت ظاہر کرتا ہو۔ درثمین ایسے کاموں میں دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ لیکن لائبہ کی بیسٹ فرینڈ شغل لگانے میں پیچھے رہ جائے، ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ اب درثمین کمرے کے اندر کپڑے بدل رہی تھی اور لائبہ باہر سے اسے حوصلہ دے رہی تھی۔ آخر درثمین نے شرماتے شرماتے دروازہ کھول ہی دیا۔

''یہ ٹھیک ہے؟'' درثمین نے شرماتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک؟ تم تو سورج کی شہزادی لگ رہی ہو۔ وہ ڈزنی کی شہزادیاں ہوتی ہیں، جو گاتی ہیں اور اور کبوتر ارد گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ تم یہ گاؤن پہن کے باہر نکلو گی تو دیکھنا سارے سورج مکھی کے پھول سورج کو چھوڑ کے تمہیں دیکھنے لگیں گے۔'' لائبہ سچ میں اس کے روپ سے دم بخود رہ گئی تھی۔

''یہ میری امی کا ڈریس تھا۔ جب وہ میری عمر کی تھیں۔''

درثمین نے مڑ کے اب خود کو آئینے میں دیکھا۔ بے داغ، ریشمی پیلا گاؤن ٹخنوں کو چھوتا تھا۔ گاؤن بالکل ایک سیدھ میں کٹا تھا جس سے اس کی پتلی کمر اور نمایاں ہو رہی تھی۔ غالباً جتنا کپڑا گاؤن میں لگا تھا، اتنا ہی کپڑا اس کی آستینوں میں لگا تھا۔ گھنٹی کی شکل کے بازو پھولے ہوئے تھے۔ کندھے سے لے کر کلائی تک دونوں آستینوں پر باریک چاندی کی کڑھائی تھی۔

''کیا یہ اصلی چاندی کے تار ہیں؟'' لائبہ نے کڑھائی کو قریب جا کر دیکھا۔ سالوں میں ایک دھاگہ بھی کالا نہیں ہوا تھا۔ درثمین خاموش رہ گئی۔

ایسے سوالوں کا جواب سوچنے میں اسے وقت لگتا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ جواب سوچتی لائبہ پھر بول پڑی تھی۔

"کیا ہوا اگر اصلی نہیں ہیں تو کوئی نہیں ہم ایسے ہی ظاہر کریں گے کہ اصلی ہیں۔ اس سے تمہاری شہزادی والی لک پرفیکٹ لگے گی۔ پلیز بال مت باندھ لینا۔ ایسے کھلے رکھو۔ گرلز کالج ہے یار۔" لائبہ اس کی لک میں اتنی محو ہوگئی تھی کہ اپنا آپ بھول بیٹھی تھی۔

"تمہیں اچھا لگ رہا ہے تو تم پہن لو۔ مجھے اتنا زیادہ ڈریس۔اپ ہونے کا شوق بھی نہیں۔ سب گھوریں گے۔" درثمین نے کہا۔

"بری نظر سے گھوریں گے تو اس سنہری لباس سے آنکھیں چندھیا جائیں گی اچھا ہے۔"

لائبہ جب ایسے بولتی تھی تو درثمین کو شک گزرتا تھا، کیا یہ وہ لڑکی ہے جو سب سے لڑائی مول لے کر شہر آئی ہے؟ جیسی وہ باتیں کرتی تھی لگتا تھا کہ گھر والوں نے خود ٹکٹ کٹائی ہوگی کہ بہن تم تو جاؤ، ہم خاموشی کو ترستے ہیں۔

digest library.com

"اچھا ایسا کرتی ہوں۔ یہ سفید دوپٹہ اوڑھ لیتی ہوں۔ کچھ مدھم ہو جائے گا۔" درثمین نے اپنا وہ تاریخی دوپٹہ لیا جو وہ ہر سوٹ کے ساتھ چلا لیتی تھی اور اپنے اردگرد لپیٹا۔

"ہرگز نہیں، دوپٹہ لینا ہے نا تو ایسے سر پہ لو اور پیچھے چھوڑ دو۔ شہزادیوں کی طرح۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ تمہاری فیملی کی ایسی روایات ہیں۔ تمہاری امی کے بکسوں میں سے یہ سوٹ نکل رہے ہیں۔ میرے گھر آکے دیکھو۔ ٹریڈیشن کا لفظ سن کر مجھے اپنی دادی یاد آتی ہیں۔ وہ ہر وقت سر پہ تیل لگا کر رکھتی تھیں۔ ان کے ہر دوپٹے پہ پیراشوٹ تیل کے بڑے بڑے دھبے ہوتے تھے۔" لائبہ نے دوپٹے میں پنیں لگا دیں۔

"افوہ! بزرگوں کے بارے میں ایسے نہیں کہتے۔"

"میرا ماننا ہے کہ منہ پر نہیں کہتے۔ تم بھی کبھی کبھی کہہ لیا کرو، دل ہلکا ہوتا ہے۔ اچھا ایسا کرو، یہ میرا ہار دیکھو یہ سر پر پہن لو، ماتھا پٹی لگے گی۔ اف کیا لگ رہی ہو۔" لائبہ تو اس کی بلائیں لیے جا رہی تھی۔

"مجھے اتنا تیار کر دیا ہے۔ تمہارے اپنے کیا ارادے ہیں؟"

"فکر ناٹ، میرے ارادے تو ایسے ہیں کہ کوئی تمہاری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔"

جب لائبہ تیار ہو کر بڑے ہال میں پہنچی تو بیچ میں ہر طرف لائبہ لائبہ ہو رہی تھی۔ اس نے لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ جس کی ایک جیب میں سے رومال لٹک رہا تھا۔ کرتے کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ بال لپیٹ کر اس نے سر پر باندھے ہوئے تھے اور ایک مردانہ کھلی ٹوپی پہن لی تھی۔ پیروں میں جرابوں کے ساتھ مردانہ چپل تھی اور کمر جھکا کر چلتے ہوئے وہ ایک بوڑھے آدمی کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔

آتے ہی اس نے اپنا موبائل گرا دیا۔

"دادا جان! یہ لیں۔" لڑکی نے اس کو موبائل اٹھا کر واپس کیا۔

"جیتی رہو بیٹا۔ میرا موبائل تو تمہارے جی۔پی۔اے سے بھی زیادہ گرتا ہے۔" وہ کسی بزرگ کی مزاحیہ اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

سب لائبہ کے انداز پر ہنس ہنس کر دوہرے ہو رہے تھے۔ درثمین دور کھڑی سوچ رہی تھی کہ اچھا ہی کرتے تھے اس کے گھر والے جو اس کو پڑھائی کے لیے دوسرے شہر نہیں بھیجتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ خاندان کا نام ایسے روشن کر سکتی ہے۔

☆☆☆

اس نے کپڑے بدل لیے تھے۔ ویسا ہی گاؤن تھا مگر سرخ۔ عصمت محراب خان کی بڑی بہو تھیں۔ وہ اب درثمین کے بالوں کی خاص چوٹیاں بنا رہی تھیں۔

"تمہاری ماں کے بال بھی ایسے ہی گھنے تھے۔ میں کہتی تھی اس سے، میں سنوار دوں۔ مگر شہری نخرہ تھا۔ ہاتھ تک نہیں لگانے دیتی تھی۔"

عصمت کا کہنا درثمین کو اتنا برا نہیں لگا جتنا لگنا چاہیے تھا۔ کیا وہ نعیمہ سے متنفر ہو رہی تھی؟

"یہ صالحہ میری بڑی بہو ہے۔ اس کا خاوند بہت سیدھا ہے۔ بالکل میرے شوہر، تمہارے یوسف چچا کی طرح۔ اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتا۔ خان صاحب کو ہمیشہ سے میرا دوسرا بیٹا زمان پسند تھا۔ وہ ان جیسا ہے۔" وہ اب اسے کچھ زیور پہنا رہی تھیں۔

"تمہاری پھوپھو بھی ہیں۔ ان کی تو پوتیاں تمہاری عمر کی ہوں گی۔"

ایک عورت بولی۔ غالباً پرانی ملازمہ تھی۔ وہ بھی کمال بے تکلفی سے اس کے ناخن رنگ رہی تھی۔ درثمین خود کو کسی دلدل میں دھنستا محسوس کر رہی تھی۔

"چلو، جلدی سے مہندی بھی لگا دو۔" عصمت نے کہا۔

درثمین نے ہاتھ کھینچ لیا۔ "کیوں؟ مجھے نہیں لگوانی۔ یہ زیور میں نے کچھ نہیں پہننا۔" وہ سب کچھ دھکیل کر دور ہونے لگی۔

"یہ تو روایت ہے۔ دلہن کو مہندی نہیں لگے گی تو کس کو لگے گی؟" ملازمہ نے ڈپٹ کر کہا۔

"دلہن؟" درثمین اس دلدل میں دھنس گئی۔

"ہاں، تمہارا نکاح ہے۔ ابھی زمان کے ساتھ۔" عصمت نے سفاکی کی حد تک سرد لہجے میں کہا۔

پھر درثمین کا واویلا، دھکم پیل۔ ان عورتوں کی مرضی کے آگے ذرا بھی نہیں چلی۔

☆☆☆

محراب خان کی بیٹھک میں سارا خاندان جمع تھا۔ ملازموں کو خاص طور پر دور رکھا گیا تھا۔ درثمین اگر واویلا کرتی تو یہ بات گھر کے افراد تک محدود رہنا چاہیے تھی۔ گھر کی عورتیں بھی ایک طرف موجود تھیں اور اس بار کوئی پردہ نہیں کروایا گیا تھا۔ محراب خان چاہتے تھے کہ اب جو ہونے لگا ہے، وہ درثمین کی آنکھوں کے سامنے ہو۔ وہ دیکھے کہ زمان کتنا خاص ہے۔ فخر سے اس رشتے کو قبول نہ بھی کرے تو کم از کم اس کی مزاحمت جواب دے جائے۔ ایسا رشتہ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔

"زمان ہمیشہ سے میرا چہیتا رہا ہے۔ اس لیے کیونکہ زمان میں وہ مضبوطی ہے جو اس جاگیر کو چلا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے میرے اپنے بیٹوں میں وہ نہیں آئی۔" محراب خان نے اپنے چہرے پر یوسف خان کی نگاہ محسوس کی۔ باپ کو دکھا کر بیٹے کو اٹھایا جا رہا تھا بہت خوب، یوسف خاموش رہا۔

"ابھی زمان نے میری رضامندی کے آگے سر جھکا کر مجھے وہ خوشی دی ہے کہ دل کر رہا ہے اپنی سب سے قیمتی چیز اسے دوں۔"

درثمین کو لگا قیمتی چیز سے مراد وہ ہے۔ محراب خان نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو مخصوص انداز میں زمین پر مارا۔ دروازہ کھلا اور بشارا ایک لکڑی کا بکسہ لیے اندر داخل ہوا۔ اف قسمت کیا کھیل کھیل رہی تھی۔ یہ ترقی تھی کہ تنزلی؟ وہ اکلوتا تھا جو محراب خان کی خاندانی محفل کے اندر آ سکتا تھا۔ لیکن محفل بھی کیسی؟

اشارہ ملتے ہی میں بشار نے بکسہ کھولا۔ اس کے اندر جامنی رنگ کے مخملی کپڑے میں کچھ لپٹا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے احتیاط سے اٹھا کر وہ محراب خان کو دیا۔ محراب خان نے ہاتھ بڑھا کے مخمل میں سے ایک تیز دھار چمکیلی تلوار نکالی۔

"میرے دادا شہاب خان کو ان کی بہادری پر انگریزوں سے یہ تلوار ملی تھی۔ میرے دادا نے یہ مجھے دی تھی

اور میں آج اس کو زمان کو دینا چاہتا ہوں۔"
محراب خان پہلے تلملائے تھے کہ زمان نے منہ سے یہ تلوار مانگی تھی۔ یہ صرف تلوار نہیں تھی۔ جانشینی کی علامت تھی۔ پھر انہوں نے سوچا کہ وقت لے کر اسے یہ تلوار ترسا کر دیں گے۔ لیکن وقت کی کمی تھی۔ اور اب جب تلوار اور زمان دونوں ان کے سامنے تھے تو انہیں اس بات کی خوشی ہو رہی تھی کہ زمان میں شکار کرنے کی صلاحیت ان جیسی ہے۔ اپنے مطلب کی چیز وہ حاصل کرنا جانتا ہے اور یہی تو انہیں اپنے جانشین میں چاہیے تھا۔
یوسف اس بات پر مضطرب تھا اس لیے نہیں کہ اسے چھوڑ کے اس کے بیٹے کو چیز مل رہی تھی بلکہ اس لیے کہ اسے نظر آرہا تھا، بے رحمی کا یہ سلسلہ جلد ٹوٹنے والا نہیں ہے۔
"آپ کا بڑا پوتا بھی ہے خان صاحب۔" یوسف نے بہت نپے تلے انداز میں کہا تھا۔
کونے میں کھڑی عصمت پہلے ہی اس بات کو سوچ رہی تھیں کہ ایسے بھید بھاؤ سے بھائیوں میں پھوٹ پڑے گی۔
"تمہارے بڑے بیٹے کو تمہاری طرح زمین سے سونا اگلوانے کا شوق ہے۔ تلوار کا شوق تو مجھے تھا یا میرے پوتے زمان کو۔ اس لیے میں اپنی سب سے قیمتی چیز اس اہم موقع پر زمان کو دینا چاہتا ہوں۔"
بشار گردن اٹھائے لیکن نظر زمین میں گاڑے یوں کھڑا تھا جیسے وہ دہاں ہو ہی نہیں۔ جبکہ درثمین اس کو ہی دیکھ رہی تھی۔ کہاں گیا وہ معصوم لڑکا جو اسے باغیچے میں ملا تھا وہ خود ایسا تھا یا ماحول نے اسے ایسا بنا دیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
"تمہارے بغیر پیاسی نہیں مروں گی۔" درثمین لائبہ کا کہا یاد کر رہی تھی تو اس کے منہ سے نکلا۔
سب نے درثمین کو دیکھا۔ وہ اب ہمت نہ کرتی تو شاید پچھتاوے لائق زندگی بھی نہ رہتی۔
"افسوس کہ آپ کی پوتی ہونے کے باوجود، میں آپ کے لیے اس تلوار سے بھی ارزاں ہوں۔ آپ کہیں کے بادشاہ ہیں، فیصلے کر رہے ہیں۔ میں کہیں کی کنیز، مجھ سے دھونس سے کام لیا جا رہا ہے۔" اس نے غصہ سے کہا۔ جبکہ دل دھڑکنا بھولا ہوا تھا۔
"تم میری پوتی ہو اسی لیے میں تمہارے لیے بہتر سوچ رہا ہوں۔ کچھ عرصے رہو، سمجھو اس دنیا کو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میں نے زمان کو تلوار دی ہے تو تاج تمہارے سر پہ ہی دھرا گیا ہے۔"
محراب خان غصے میں بولے۔ سب کے سامنے وہ لڑکی ان سے زبان چلا رہی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہ تلوار اس احسان فراموش کے سینے میں اتار دیں۔
"میں خوش فہمیوں کا شکار نہیں ہوتی۔ یہ تلوار آپ کے دادا نے حاصل کی تھی اور آپ کے پوتے کو بس دی جا رہی ہے۔ اس نے خود کو اس کے لیے اس سب کے لائق ثابت نہیں کیا۔"
بشار نے نظر اٹھائی۔ کیا وہ جانتی بھی تھی یہ الفاظ اس کے آخری ہو سکتے تھے۔ زمان بھی کھا جانے والی نظروں سے درثمین کو دیکھ رہا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس کو زمان کی دلہن بننا ہے۔ وہ پہلے ہی اس کی نظروں میں گر کر اپنے لیے مشکلیں پیدا کر رہی تھی۔ بشار کا دل کیا کہ محراب خان اور درثمین کے بیچ میں جا کھڑا ہو۔ تاکہ خطرہ آئے تو اس پر آئے۔ پھر اس نے خود کو یاد دلایا۔ اس لڑکی کی خوشی کی ذمہ داری اس کی نہیں۔
"تم میرے بیٹے کے لائق نہیں ہو جس کو اس کی ماں بچپن میں لے کے بھاگ گئی تھی۔" عصمت سے بھی رہا نہیں گیا اور وہ غصے میں بولی۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

سیدہ

کوہ نور

digest library.com

"نور! ذرا دیکھنا تو دروازے پر کون ہے؟ لگتا ہے آج گھنٹی ہی توڑ دے گا بجا بجا کر......" رضیہ صوفہ پر بیٹھیں، وقتاً فوقتاً مونگ پھلی کے دانے منہ میں ڈالتی، ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔ اس میں کافی دیر سے آتی گھنٹی کی آواز مخل ہو رہی تھی۔ سو انہوں نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے، باورچی خانہ میں کام کرتی اپنی بہو کو آواز دی۔ آواز پر لبیک کہتی، وہ باورچی خانہ سے باہر آئی اور دروازہ کھولا۔

"اتنی دیر سے بیل بجا رہا ہوں۔ دروازہ کھولنے میں اتنی دیر لگتی ہے؟" دروازے پر اس کا شوہر رجب کھڑا تھا جو دروازہ کھلتے ہی بڑبڑاتا ہوا اندر آیا۔

"ارے... بس وہ کچن میں تھی۔ چاول پیا رہی تھی۔" دروازہ بند کر کے نور بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی دوپٹہ سے ہاتھ صاف کرتی، ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

جب تک رجب صوفہ پر اپنی ماں کے برابر ہی بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا تھا۔

"کھانا تیار ہے کیا؟" جوتے اتار کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہاں بس چاول پیا لیے ہیں، سالن بھننے پر ہی ہے پھر تہہ لگا کر فٹافٹ بریانی کو دم دوں گی۔"

نور نے چٹکیوں میں جواب دیا اور اس کے جوتے اٹھا کر ایک کنارے رکھے۔

"آپ ہاتھ منہ دھو لیں۔ کپڑے الماری میں استری ہوئے لٹکے ہیں اور تولیہ وغیرہ بیڈ پر رکھا ہے۔ جب تک میں کھانے کو دیکھ لوں ذرا۔" عجلت میں اسے ہدایت دے کر وہ باورچی خانہ میں چلی گئی اور رجب کمرے میں۔

وہ فٹافٹ اپنا بقیہ کام سمیٹنے میں مصروف تھی کہ نہایا دھویا تیار رجب باورچی خانہ میں داخل ہوا۔

"تمہیں پتا ہے آج آفس میں اچانک ایک الگ ہی ٹاپک چھڑ گیا تھا۔" رجب باورچی خانہ کی سلیب پر چڑھ بیٹھا جو ابھی نور صاف کر کے ہٹی تھی۔

"کیا؟" وہ مصروفیت کے باعث محض اتنا ہی کہہ سکی۔

یہ رجب کے معمول کا حصہ تھا۔ وہ ہر روز دفتر سے واپس آ کر، اسے اپنی دن بھر کی مصروفیات بتا کر، اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کرتا تھا اور ساری کثافت نکال کر ہلکا پھلکا ہو جایا کرتا تھا۔

"کوہ نور کا......" رجب نے ہاتھوں کو ایسے ہوا میں اٹھایا گویا کوہ نور اس کے ہاتھ میں ہی ہو اور محویت سے اپنی بات کا آغاز کیا۔

"ایک نازک مگر وزنی اور نایاب ہیرا......" وہ بولنا شروع ہوا۔

نور نے اپنے دھان پان سے وزن پر پانچ کلو کا چاولوں سے بھرا وزنی پتیلا سنک سے اٹھا کر کچھ دور سلیب پر رکھا اور گہری سانس خارج کی۔

"پتا ہے کتنا خوب صورت تھا وہ۔ راشد نے تصویریں بھی دکھائیں مجھے۔" وہ محو تھا۔

"نور، ذرا دیکھو یہ شافع اٹھ گیا ہے اور نہ جانے کمرے سے کیا اٹھا لایا ہے؟" بات کے درمیان میں رضیہ کی آواز نے رجب کا مزہ کرکرا کیا جبکہ اپنی ساس کی آواز سن، وہ شافع کی فکر میں تیزی سے باہر بھاگی۔

دو سالہ شافع کے ہاتھ میں، رجب اور نور کے

ولیمہ کی تصویر تھی جو ان کے کمرے کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔

اس نے احتیاط سے تصویر اس کے ہاتھ سے لی اور اسے گود میں اٹھالیا۔

"پانی کی طرح شفاف اور اس کے کٹس جھل مل کرتے، چمک دار چاند کی طرح۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک تھی اس میں۔" آس پاس سے بے خبر، رجب اب بھی اپنی دفتر والی بات کر رہا تھا۔

"ہمم......" اس نے مسکرا کر رجب کو کہا اور تصویر کو وہیں میز پر رکھ کر شافع کو لیے واپس باورچی خانہ میں چلی آئی۔

- اس تصویر میں رجب کے ساتھ وہ سلور، چاندی کے سے رنگ کے گاؤن میں ملبوس تھی۔ جگ مگ کرتے نگینوں میں اس کا دو آتشہ حسن چاند کی چمک رہا تھا۔

"تصویر دیکھ کر میرے ذہن میں پہلی سوچ یہی آئی تھی کہ وہ ابھی یعنی حقیقت میں کیسا دکھتا ہوگا؟" حسب سابق رجب بول رہا تھا اور وہ الجھے بالوں کو جوڑے میں لپیٹے، آسمانی رنگ کے لان کے جوڑے میں ملبوس، دو سالہ بچے کو گود میں اٹھائے، نقاہت زدہ چہرہ لیے بریانی کی تہہ لگا رہی تھی۔

تین دن سے وہ اسی جوڑے میں ملبوس تھی، سو جوڑے کا رنگ آسمانی سے کچھ پیلاہٹ مائل ہو کر قدرے بدرنگا سا لگ رہا تھا۔

اس وقت اس کا حلیہ اپنی اس تصویر سے بالکل متضاد تھا۔

"تمہیں پتا ہے وہ پوری دنیا میں بس ایک ہی ہے۔" رجب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ، اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

"بھابھی، آپ نے میری شرٹ ابھی تک پریس نہیں کی؟ بتایا تو تھا آپ کو، آج جانا تھا دوستوں کے ساتھ مجھے۔" رجب کا چھوٹا بھائی اسی وقت اترا منہ لیے، ہاتھ میں شرٹ پکڑے باورچی خانہ میں آیا اور ساتھ ہی اس کی سانس کی آواز بھی اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

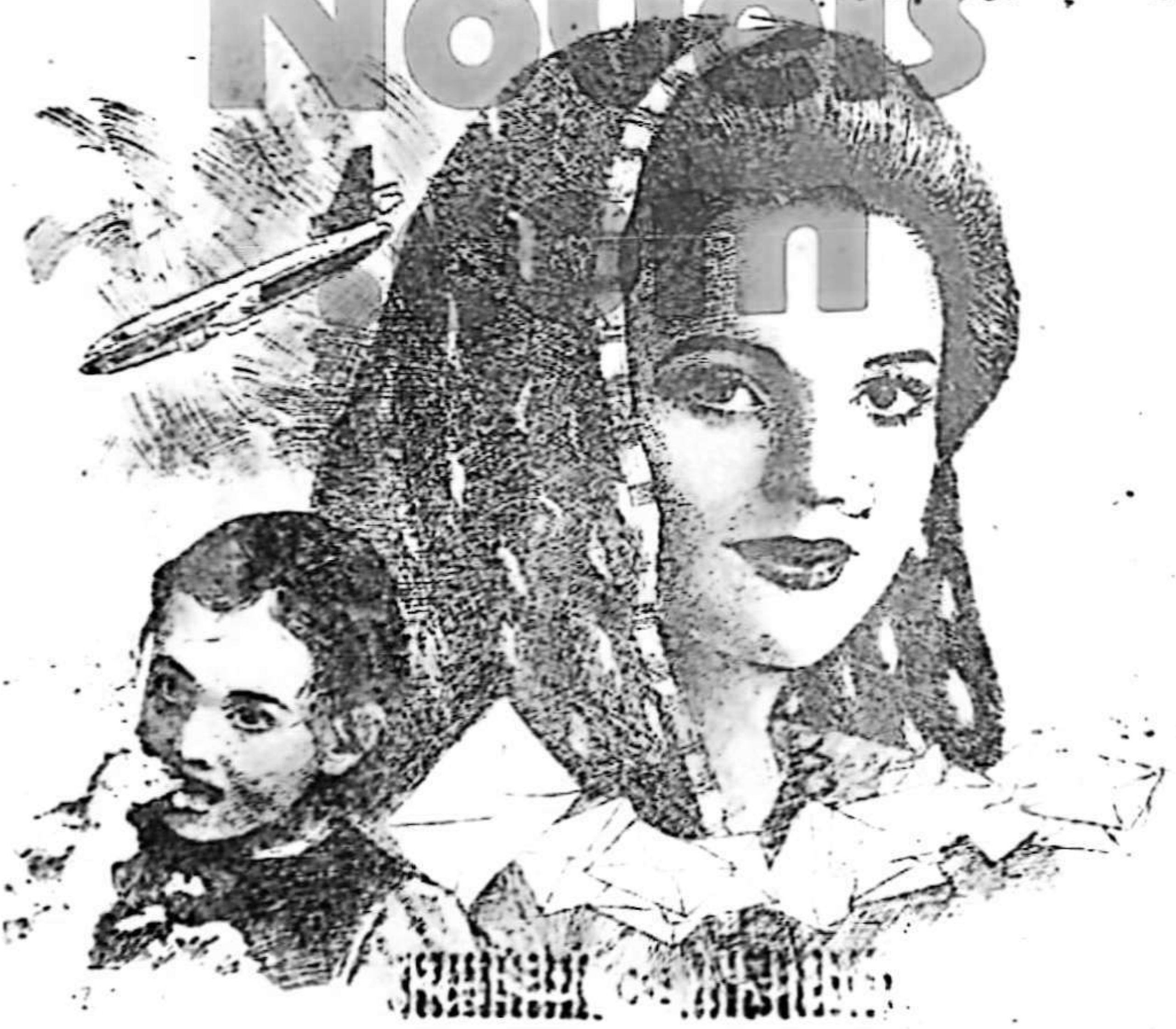

Digest Novels

"کھانا تیار ہو جائے تو ذرا ادھر آ کر میرے پاؤں پر مرہم لگا دینا اور ساتھ ابو کے لیے گرم دودھ بھی لیتی آنا۔ کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے دوا کھانی ہے انہیں۔" ساس کی بات سنتے ہوئے، اس نے بریانی کا پتیلا جلتے چولھے کے اوپر رکھے توے پر رکھ دیا۔

اب شافع بھی رونے لگا تھا کیونکہ اسے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ نور نے فٹافٹ دوسرے چولہے پر سسر کے لیے دودھ گرم کیا اور گلاس میں انڈیلنے لگی۔

"نور، تم مجھے سن بھی رہی ہو؟" اسے کاموں میں مگن دیکھ رجب چڑ کر بولا تھا۔

"رجب کام بہت ہے اور میں تنہا کرنے والی ہوں۔ آپ باہر ہی آ جائیں میرے ساتھ۔ جیں کام کے دوران سنتی رہوں گی۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی، گود میں شافع کو چپ کرائی، ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے باورچی خانہ سے باہر آئی۔

"رافع، شرٹ دو مجھے، میں استری کرتی ہوں۔" اس نے دودھ سسر کو تھمایا اور دراز سے بام نکال کر اوپر ٹیبل پر رکھا پھر رافع سے شرٹ لی اور استری اسٹینڈ پر کھڑی ہو کر ایک ہاتھ سے استری کرنے لگی۔

ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں موجود شافع کو بہلانے کا کام بھی جاری تھا۔

"مطلب میں بولوں؟" رجب اس کے ساتھ ہی آ کھڑا ہوا تھا اور لہجے میں مصنوعی خفگی لیے پوچھ رہا تھا۔

"جی بولیں میں سن رہی ہوں۔" وہ اپنے معمولات میں مشغول مسکرا کر بولی۔

"وہ ہیرا اس وقت برطانیہ کی ملکہ کے تاج میں نصب ہے۔ اتنا قیمتی ہے کہ تاج میں ہی لگا لیا۔" رجب استری سٹینڈ کے پاس ہی کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔

"واقعی۔" وہ سراہے بنا نہیں رہ سکی۔

"بھابھی، یہ جوتے بھی پالش کر دیں پلیز۔" رافع تیزی سے حکم جاری کر، اس کے برابر میں جوتے رکھ کر چلا گیا۔

"آپ اسے ذرا پکڑیں میں چولھا بند کر آؤں پھر جوتے بھی پالش کرنے ہیں۔" اس نے شافع کو رجب کی طرف بڑھاتے ہوئے مصروف سے لہجے میں کہا۔

"نہیں یار، دیکھو یہ کتنا رو رہا ہے اور میں بہت تھک گیا ہوں۔" رجب نے ہاتھ کھڑے کیے اور وہاں سے چلتا بنا۔

وہ سر جھٹک کر شافع کو بہلاتی باورچی خانہ کی طرف چل دی۔

چولھا بند کر کے باہر آئی اور شافع کو صوفہ پر بٹھا کر اس کے ہاتھ میں کھلونا پکڑا دیا۔ وہ اب کھلونے میں مگن ہو چکا تھا۔ اسے کھیلتا دیکھ وہ نیچے بیٹھ کر جوتے پالش کرنے لگی۔

وہ حد درجہ مصروف تھی اور ابھی سب کے لیے کھانا نکالنا تھا، پھر آخر میں برتنوں سے فارغ ہو کر باورچی خانہ صاف کرنا بھی باقی تھا۔

☆☆☆

سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ قریباً بارہ بجے کمرے میں آئی تھی۔ اس بیچ وہ شافع کو کھانا کھلا کر سلا چکی تھی سو وہ ابھی گہری نیند میں تھا۔

بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سکون کا سانس خارج کیا۔ رجب پر نظر پڑی تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" اسے گہری سوچ میں دیکھ، اس نے رجب کے گھٹنے پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"کوہِ نور کے بارے میں۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوا مگر انداز کھویا کھویا تھا۔

"آپ کو اتنی ساری باتیں بتائیں "کوہِ نور" کے حوالہ سے آپ کے دوست نے مگر ایک چیز نہیں بتائی شاید۔" وہ پہلی بار اس معاملہ میں سنجیدہ ہوئی

DigestNovels.com

تھی۔
"کیا؟" اسے تجسس ہوا۔
"یہی کہ "کوہِ نور" ہمیشہ سے برطانوی تاج میں نہیں تھا۔" وہ ایک لحظہ ٹھہری۔
"وہ تو افغانیوں کو ملا تھا، ان سے مغلوں کے پاس گیا اور مغلوں نے تحفتاً برطانیوں کو دیا اور انہوں نے اسے شاہی تاج میں جگہ دی۔" وہ کچھ عجیب سے انداز میں اپنی بات کا اختتام کر، شافع کے جھولے کے پاس چلی گئی اور اسے ہولے ہولے جھلانے لگی۔ وہ تھوڑا اکسمسار رہا تھا۔
"کیا چیز ہے یہ ہیرا بھی؟ سچ میں بہت قیمتی ہے کوہِ نور۔" وہ اس خواب سے جاگ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔
"کچھ قیمتی نہیں اگر اس کی قدر نہ کی جائے۔" نہ جانے کیوں نور کا لہجہ اس بار تھوڑا سخت ہو گیا تھا جو اسے خود بھی عجیب لگا تھا۔
"سر کے تاج میں سجایا جائے یا پیر کی جوتی میں رکھا جائے...... کوہِ نور، کوہِ نور ہی رہتا ہے۔" یہ کیسا واضح اقرار تھا جب کا جو نور کو اپنی تذلیل لگا تھا۔
وہ یہ سب "کوہِ نور" کے لیے کہہ رہا تھا نور کے لیے نہیں۔۔۔" اس کے ذہن میں خیال کوندا تو اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔
"اور یہاں یہ قدر دانوں اور نا قدروں کی فکر کر رہی ہیں۔" وہ بات کو یہیں روک، دوسری جانب کروٹ کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا۔
نور آنکھوں میں نمی لیے بغور اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ خود بھی بیڈ پر آ کر دوسری طرف کروٹ کیے لیٹ گئی تا کہ سو سکے پھر صبح اسے جلدی اٹھ کر روزمرہ کے کاموں میں لگ جانا تھا۔
"کیونکہ "کوہِ نور" تو نایاب نگینہ ہے اور "نور" عورت ہے عام سی۔"

☆☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن
چلمن

رضیہ جمیل
نادرہ خاتون

دستِ کوزہ گر

نسیم سحر قریشی
فوزیہ یاسمین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

digest library.com

حورا رفاقت

چچی کی بالیاں

digest library.com

''حنا! حنا! جلدی سے کھانا لگا دو۔'' اشعر آفس بیگ صوفے پر رکھتا بولا۔

''آج جلدی آگئے آپ؟'' حنا گیسٹ روم سے نکلتی بولی۔

''کوئی آیا ہے کیا؟'' وہ گیسٹ روم سے آنے والی آوازیں سنتے ہوئے بولا۔

''جی وہ۔ چچی آئی ہیں۔'' وہ بولی۔ انداز میں احتیاط تھی۔ اشعر کی پیشانی پر چند بل پڑے۔

''اشعر! پلیز ابھی کچھ مت کہیے گا۔'' حنا نے نرمی سے کہا۔ اشعر غصہ ضبط کرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ حنا نے سکون کا سانس لیا اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''کب تک جا رہی ہیں وہ؟'' اشعر کھانے کی پلیٹ اپنی طرف کھینچتا بولا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو آئی ہیں۔'' وہ گلاس میں پانی اُنڈیلتی بولی۔

''اگر آپ اُن سے سلام دُعا کر لیتے تو۔ میرا مطلب آپ کی چچی ہیں۔'' وہ پانی کا گلاس بڑھاتی بولی۔

''یہ رشتہ داریاں تم ہی نبھاؤ۔'' وہ نوالہ منہ میں رکھتا بولا تو وہ خاموشی سے چلی گئی۔ اب اسے چچی سے اشعر کے نہ آنے کا کوئی بہانا بھی بنانا تھا۔

''چچی! آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔'' حنا گیسٹ روم میں داخل ہوتی بولی۔

''بیٹا! تم نے ایسے ہی تکلف کیا۔ میں کھانا کھا کر آئی تھی۔'' وہ مسکرائیں۔

''اس میں تکلف کیسا؟'' حنا قریب ہی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بیٹھتے ہوئے احتیاط کیا کرو۔ اس حالت میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ابھی تانیہ کو بھی یہی سمجھا کر آئی ہوں۔ بہت لاپرواہ ہے وہ۔'' چچی سانس کا وقفہ لے کر بولی۔

''میری امی بھی یہی کہتی ہیں۔'' وہ لاہور میں رہنے والی شفیق ماں کو یاد کرتی بولی۔ جب سے یہ پریگنینسی ہوئی وہ ماں سے ملی نہیں تھی۔ آٹھ ماہ ہونے کو تھے۔

''ایسی حالت میں ہی ماں کی اہمیت پتا چلتی ہے۔ میری تانیہ نے مجھے جتنا تنگ کیا اب اُتنا ہی فون کر کر کے بلاتی ہے۔ تمہاری طرف بھی اسی لیے آئی ہوں کہ تمہیں ماں کی زیادہ کمی محسوس نہ ہو۔'' وہ بولیں۔ کھانے کی پلیٹ وہ رکھ چکی تھیں۔

''اشعر تو مصروف ہوگا۔ تم اپنے شوہر کو کھانا دو۔ مجھے ابھی سونیا کی طرف بھی جانا ہے، میں چلتی ہوں۔'' وہ صوفے پر دباؤ ڈال کر اُٹھتی بولیں۔ حنا نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ چچی نے اُسے جھوٹ بولنے سے بچا لیا تھا۔ باہر کتنی دھوپ تھی اور اس علاقے میں رکشہ بھی نہیں ملتا تھا۔ کاش وہ اشعر سے چچی کو گھر چھوڑنے کا کہہ سکتی پر اشعر نے تو سلام دعا کا تکلف بھی نہیں کیا، گھر چھوڑنا تو بہت دور کی بات تھی۔ اُس نے افسوس سے سوچا اور چچی کو دروازے تک چھوڑنے چل دی۔

☆☆☆

''آپ چچی کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔'' وہ ہاتھوں پر لوشن لگاتی بولی۔

"کیا کرتا ہوں۔" اشعر لیپ ٹاپ گود میں رکھے مصروف سا بولا۔

"آپ اُن کو سلام تک نہیں کرتے۔ آخر آپ کی چچی ہیں، آپ کے مرحوم چچا کی بیوی۔" وہ شیشے میں اشعر کو دیکھتی بولی۔

"بھئی! میں اُنہیں جانتا ہی کتنا ہوں؟ چچا کی ڈیتھ بہت پہلے ہو گئی تھی۔ میں اُن سے اپنے بچپن کے علاوہ کبھی نہیں ملا اور ممی پاپا بھی کبھی نہیں ملے۔ پتا نہیں زوبیہ آپی نے اُنہیں اپنی شادی میں انوائیٹ کر کے تم سے کیوں ملوا دیا۔ وہ ہماری کلاس کی نہیں ہیں۔ ان کی بیٹیوں کا اور ان کا کردار کیسا ہے میں نہیں جانتا۔ اتنے سال شوہر کے بغیر انہوں نے دو بیٹیاں کیسے پالیں؟ ماہین چچی کہتی ہیں کہ ان کا کردار کچھ مشکوک سا ہے، ویسے بھی جب میں اُن سے نہیں ملتا تو تم بھی نہ ملو۔ ماہین چچی سے ملو۔ اس کی بیٹیاں بھی تو ہیں۔۔ زارا، نور اور ارسہ۔ وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہیں۔"

وہ لیپ ٹاپ سے نظر ہٹا کر قطعی انداز میں بولا۔

"ماہین چچی کو تو اپنے اور اپنی بیٹیوں کے علاوہ سب کا کردار ہی مشکوک لگتا ہے، جانے میرے اور اشعر کے بارے میں سب سے کیا کہتی ہوں۔" وہ لوشن کی بوتل پر ڈھکن لگاتی بڑبڑائی، اشعر نے اس کی

Digest Novels .com

نئو بڑاہٹ کو اَن سنا کرتے کام جاری رکھا۔
بجائے ایک بیوہ کی محنت اور کردار کو سراہنے کے وہ اُن پر بغیر سوچے سمجھے کیچڑ اُچھال رہا تھا۔ جانے کیوں لوگ بیوہ عورت کی مدد کرنے کی بجائے اُس کے کردار کو داغ دار کرنے لگتے ہیں۔ وہ سوچتی ہوئی شیشے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

''شام کو کھانا مت بنانا۔ میں جلدی آجاؤں گا، ڈنر باہر کریں گے۔ اسلام آباد جانے سے پہلے ہم اچھا سا ڈنر کریں گے۔'' وہ حنا کے ہاتھ سے اپنا آفس بیگ لیتا بولا۔

''میں کہیں نہیں جارہی۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھتی بے زاری سے بولی۔

''کیوں؟ ہم کافی وقت سے باہر نہیں گئے۔'' وہ بولا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کے چہرے پر تکلیف کے واضح اثرات تھے۔

''اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو ابھی چلتے ہیں ہاسپٹل۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔

''یہ تو روز کا کام ہے۔ پیروں کے نیچے جنت ایسے ہی تو نہیں آجاتی۔'' وہ تکلیف سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''شکر ہے کہ اللہ نے مجھے مردوں میں پیدا کیا۔ تم عورتوں کا حوصلہ ہے، تم ریسٹ کرو میں کھانا لے آؤں گا۔'' وہ حنا کی پیشانی چومتا بولا۔ نورین کو ضروری ہدایات دینے کے بعد وہ کمرے میں آکر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ کل رات سے وہ ٹھیک سے سوئی نہیں تھی۔

''باجی! آپ کا فون کب سے بج رہا تھا۔'' نورین اُسے ذرا سا ہلا کر بولی۔ حنا نے مُندی مُندی آنکھوں سے وقت دیکھا۔ وہ آدھا گھنٹہ بھی نہیں سوئی تھی۔ فون پر امی کی کال آرہی تھی۔

ماں باپ کو بیٹیوں کی شادیاں اتنی دور نہیں کرنی چاہیں کہ تکلیف میں وہ بیٹیوں تک پہنچ بھی نہ سکیں۔ رومیسہ کی انٹرن شپ کی وجہ سے امی کا کراچی آنا بھی مشکل تھا۔ اُس نے بگڑتے موڈ کے ساتھ موبائل بند کر دیا۔ امی کو بتا کر امی کا بی پی ہائی کرنے کے علاوہ وہ کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے اُس نے فی الحال کال بند کرنا ہی بہتر سمجھا۔

''باجی! آپ کسی سے مالش کروالیں۔ میری بہن بھی ہر بار ایسے ہی مالش کرواتی ہیں اور بالکل ٹھیک ہو جاتی ہیں۔'' نورین جو عمر میں اُس سے کم ہی تھی سمجھ داری سے بولی۔

''ہر بار...... کتنے بچے ہیں تمہاری بہن کے۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''پانچ ہیں۔ اب پھر اللہ کا کرم ہو گیا ہے۔'' نورین بڑی چاہ سے بولی۔ حنا نے حیرت سے نورین کو دیکھا۔

''شادی کس عمر میں ہوئی تھی اس کی؟'' حنا بولی۔

''اٹھارہ سال کی عمر میں۔ اب تیس کی ہے۔'' نورین نے بتایا۔ حنا نے جھرجھری لی۔

''تم خیال کرنا۔ بچے اپنے وسائل کے مطابق ہونے چاہیے۔ اُتنے ہی پیدا کرو جتنے اچھے سے پال سکو۔'' وہ بولی۔

''ہم نے کیا پالنے باجی! جس نے دیئے ہیں وہ پال بھی دے گا۔'' نورین مزے سے بولی۔ بھینس کے آگے بین بجانے کا فائدہ آج تک کسی کو ہوا تھا جو اُسے ہوتا، وہ خاموشی سے بالوں کی چوٹی بنانے لگی۔ مالش کا خیال تو اچھا تھا مگر مالش کرے کون۔ ماہین چچی سے تو کیا ہی اُمید کرنا وہ بچپن کی عمر میں بچپن والی حرکتیں کرنے کی عادی تھیں۔ لے دے کر آپشن امبرین چچی کا ہی تھا۔ کچھ سوچ کر اُس نے کیب پر چچی کے گھر کے ایڈریس سے رائیڈ بک کی اور چچی کو کال ملانے لگی۔

''میری تو ایک نے ہی بس کروادی۔۔۔ لیکن

چار بچوں کا آپشن بیسٹ ہے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔" وہ کال بند کر کے فکرمندی سے اپنی فیملی پلاننگ کرنے لگی کیونکہ اُس کے مطابق بچے پالنے سے زیادہ ان کی پرورش کرنا اہم تھا، اشعر کو بڑی فیملی پسند تھی مگر وہ زیادہ سے زیادہ چار بچے ہی سنبھال سکتی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا۔ کچھ ہی دیر میں چچی اُس کے گھر آچکی تھیں۔ چچی نے بغیر بتائے اچانک بُلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ آگے بڑھ کر اُسے حوصلہ دیا اور مساج کرنے لگیں۔ لگے ہاتھوں چچی نے اُس کے سر کی مساج بھی کر دی۔ کتنی دیر بعد اُس کے سر میں کسی نے امی کی طرح تیل لگایا تھا، چچی کے ہاتھوں میں بالکل امی جیسا سکون تھا۔

"چچی کے لیے جوس اور کھانے کو کچھ لے آؤ۔" حنا نورین سے بولی۔

"میں شوگر کی وجہ سے جوس نہیں پی سکتی۔ بس ایک گلاس اور پانی دے دو پھر میں چلتی ہوں۔" چچی ٹشو سے ہاتھ رگڑتی بولیں۔

"پھر میں کھانا منگوا رہی ہوں۔ ہم ساتھ میں کھانا کھائیں گے۔" حنا چچی کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولی تو وہ مسکرا دیں۔

"ہفتے میں ایک بار مساج کروانے سے تمہاری کمر درد ٹھیک ہو جائے گی۔ ایسے وقت میں یہ درد نارمل ہوتا ہے۔ یہ انگریزی دوائیاں نقصان ہوتی ہیں۔" چچی مسکراتی ہوئی ہدایت کرتی آگے بڑھ گئیں وہ بھی پیچھے چل دی۔ اب وہ پہلے سے کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اس کا ارادہ اشعر کو کال کر کے ڈنر کا پلان کرنا تھا۔ نورین نے دروازہ کھولا سامنے ہی اشعر تھا۔ چچی نے مسکرا کر اشعر کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا، جسے اشعر نے بُری طرح سے جھٹک دیا اور آگے بڑھ گیا۔ چچی کا ہاتھ ہوا میں ہی رہ گیا۔ حنا نے گھبرا کر چچی کو دیکھا جن کا جھریوں زدہ چہرہ سفید ہوا اور آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔ چچی ڈگمگاتی ہوئی باہر کھڑی کیب میں جا بیٹھیں۔ حنا تسلی کا ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ کمرے میں آ کر اس نے اشعر سے کوئی بھی بات نہیں کی اور کل کے لیے اس کی پیکنگ کرنے لگی۔ آج کے بعد وہ کبھی چچی کو نہیں بلائے گی۔ اس نے دل ہی دل میں خود سے عہد کیا۔

☆☆☆

"اکیلی ڈرنا مت، اپنا خیال رکھنا اور کھانا وقت پہ کھا لینا۔" اگلی صبح اشعر اپنا سفری بیگ لیے حنا کو ہدایات دے رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ شادی کے بعد اشعر نے حنا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنی کسی لڑائی کو ختم کیے بغیر اپنا دن شروع نہیں کریں گے اور اس نے ہمیشہ اپنے وعدے پر عمل کیا تھا۔

"تمہارے لیے اسلام آباد سے کیا لاؤں؟" وہ بولا۔

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے کیا چاہیے۔" وہ

Digest Novels .com

بولی۔

"کبھی کوئی فرمائش بھی کرلیا کرو۔ میں جلد آجاؤں گا۔" وہ اس کا گال سہلاتا بیرونی دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ وہیں کھڑی اُسے جاتا دیکھنے لگی۔

اشعر کے جانے کے بعد اُس نے نورین کو بھی جلد ہی چھٹی دے دی۔ گوکہ نورین اعتباری ملازمہ تھی مگر آج کل احتیاط ہی بہتر ہے۔ اُس نے گھر کے سارے دروازے وغیرہ بند کیے اور کچن لاک کردیا۔ کچن کا بیرونی دروازہ جولان کی طرف کھلتا تھا، اُس کے لاک میں مسئلہ تھا جس کی وجہ سے ذرا سا زور لگانے سے کھولا جاسکتا تھا۔ ساری احتیاطی تدابیر کے بعد وہ کمرے میں آگئی۔ آج وہ فرصت سے اپنی پسند کے پروگرامز دیکھ سکتی تھی۔ باہر مغرب ڈھلنے لگی تھی۔ اُس نے سیب کی قاش منہ میں رکھتے ہوئے ویڈیو آن کی۔ وہ ریموٹ سے ابتدائی تعارفی سین آگے کررہی تھی جب ایک زوردار دھماکے کی آواز اُس کے کانوں تک پہنچی، آواز اُس کے گھر سے ہی آئی تھی، وہ ہمہ تن گوش آواز کی سمت کا تعین کرنے کے لیے غور سے سننے لگی جب آواز دوبارہ گونجی، اُسے لگا کہ اس کا دل ابھی حلق سے باہر آجائے گا ——

آواز کم تھی۔ غور سے سننے کے بعد وہ جان گئی کہ آواز چھت کے دروازے کی تھی جو شاید تیز ہوا کی وجہ سے دیوار سے ٹکرایا تھا۔ سکون کی ایک سانس لے کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ اب مجھے کھلے ٹراؤزرز نہیں استعمال کرنے چاہیے۔ اُس نے اپنے کھلے ٹراؤزر کو سمیٹتے سوچا اور اوپر چل دی۔ موسم کے حساب سے کچھ ہی دیر میں بارش ہونے والی تھی۔ اُس نے دروازہ بند کیا اور ایک ہاتھ سے ٹراؤزر اور دوسرے ہاتھ میں فون پکڑے سنبھل سنبھل کر نیچے اُترنے لگی۔

"نورین سے کہا بھی تھا کہ اوپر کے سارے کام کرکے جائے، ڈاکٹر نے منع کیا ہے مجھے سڑھیاں چڑھنے سے مگر اُسے کیا پرواہ۔" وہ خودکلامی کرتی اُتر رہی تھی جب ایک دم اُس کے پیروں کے قریب سے کوئی کالی سی چیز گزری، اُس نے گھبرا کر اپنے پیر کو دیکھا اور اُسی دوران اس کا پیر پھسل گیا۔ سیڑھیوں پر بھاگتی کالی بلی چھلانگ لگا کر نیچے اُتر گئی اور حنا کمر کے بل سیڑھیوں سے نیچے گرتی چلی گئی۔ فون ابھی بھی اُس کے ہاتھ میں تھا۔ آخری سیڑھی کے اختتام پر اس کا سر تیزی سے چکرانے لگا، کمر میں درد کی بے شمار ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ شاید وہاں پانی گرا ہوا تھا۔ حنا نے سر پر ہاتھ لگایا تو اس کی اُنگلیاں خون سے بھیگ گئیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا بڑھنے لگا تھا۔ اُس نے بند ہوتی آنکھوں سے اشعر کا نمبر تلاش کیا۔ بیل جانے لگی، پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کرلی گئی۔

"میں تمہیں ہی کال کرنے والا تھا۔" اشعر کی تھکی تھکی آواز گونجی۔

"اشعر...... اشعر...... اشعر...... خون۔ جلدی۔ جلدی آؤ۔" الفاظ تھے یا گویا بم۔ اشعر ایک لمحے کو بوکھلا ہی گیا۔ اب دوسری جانب بالکل خاموشی تھی۔

"حنا...... حنا......" وہ چلا رہا تھا مگر سامنے مکمل سناٹا تھا۔ اشعر کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ وہ اسلام آباد میں تھا، حنا کراچی میں۔ اور وہ ٹھیک نہیں تھی۔ اُسے مدد چاہیے تھی۔ اُس نے تیزی سے نمبر تلاش کرنے شروع کیے۔

"انکل کمال...... میں اشعر ہوں۔ میری وائف گھر میں زخمی ہوگئی ہے۔ کیا آپ میرے گھر جا سکتے ہیں؟" اُس نے ہمسائے کمال صاحب کو کال کی۔

"سوسوری پر ہم تو آؤٹ آف ٹاؤن ہیں اور بارش بھی بہت تیز ہے، آپ اپنے کسی رشتے دار کو کال کریں۔ میں دوسرے ہمسائیوں سے رابطہ کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ بولے۔ اشعر نے فون بند کردیا۔ جانے حنا کے پاس کتنا وقت تھا۔

"ہیلو۔ ہیلو...... فرحان۔ کیا تم اس وقت میرے گھر جاسکتے ہو؟" اُس نے اپنے ایک دوست

کو کال کی۔
"میں۔اس وقت ٹریفک میں پھنسا ہوا ہوں۔ تمہیں تو کراچی کے ٹریفک جام کا پتا ہی ہے۔ ۔ویسے سب خیریت؟" اور اس سے پہلے فرحان بات پوری کرتا اشعر نے فون بند کر دیا۔

"ماہین چچی۔وہ حنا گھر پر اکیلی ہے۔اس کی طبیعت ٹھیک۔" ابھی وہ بات پوری بھی نہ کر سکا تھا جب سامنے سے ہیلو، ہیلو۔آواز نہیں آرہی کی گردان شروع ہو گئی اور پھر رابطہ ہی ختم۔اُس نے پھر سے کال کی مگر کوئی جواب نہیں۔وہ کرسی پر ڈھے سا گیا۔اب وہ کیا کرے۔

"زوبیہ آپی تو امریکہ میں ہیں پر۔۔مجھے امبرین چچی کا نمبر چاہیے۔" کچھ دیر میں وہ کال پر زوبیہ کو کہہ رہا تھا۔

"چچی اتنی بارش میں کیسے آئیں گی۔۔وہ بزرگ سی ہیں اور رہتی بھی اکیلی ہیں۔اتنی بارش میں کیسے آئیں گی۔ماہین چچی کو کہو یا ارسہ،نور میں سے کسی کو کال کر لو۔" وہ ساری بات سن کر بولی۔

"نمبر بھیج دو۔" اشعر نے حتمی لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔زوبیہ نے اُسی وقت چچی کا نمبر بھیج دیا۔

"کون؟" فون ایک گھنٹی کے بعد اُٹھا لیا گیا۔

"چچی! میں اشعر۔حنا ٹھیک نہیں۔اُسے اسپتال لے جائیں۔وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔" وہ رو دینے کو تھا۔اس کی بیوی اور بچہ موت کے منہ میں تھے اور وہ بے بس سا کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

"بیٹا! اللہ خیر کرے میں جاتی ہوں اُس کے پاس تم پریشان نہ ہو۔" وہ شفقت سے بولیں۔

"آپ کیسے جائیں گی۔ بارش تیز ہے بہت۔" وہ بولا۔

"مائیں اولاد تک پہنچ جاتی ہیں۔ چاہے موسم جیسا بھی ہو پُتر۔" انہوں نے کہا۔

"کچن کا باہر والا دروازہ ٹھیک سے لاک نہیں ہوتا۔وہاں سے کچن کے اندر کے دروازے تک جائیں، وہاں سادہ تالا لگا ہو گا آسانی سے ٹوٹ جائے گا۔" وہ جلدی جلدی بولا۔

"پریشان نہ ہو بیٹا!" وہ مامتا بھرے نرم لہجے میں بولیں اور فون بند کر دیا۔اشعر فون کو دیکھتا رہ گیا۔اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔کون کہتا ہے کہ مرد روتا نہیں؟

digest library.com

☆☆☆

اشعر کی آنکھ آس پاس ہونے والے شور سے کھلی۔اُس نے مُندی مُندی آنکھوں سے دیکھا۔ مسافر اپنی سیٹوں سے اُٹھ رہے تھے۔اشعر نے بھی اپنی سیٹ بیلٹ کھول دی۔جانے کب آنکھ لگ گئی۔ائیر پورٹ سے نکلتے ہوئے اُس نے ایک نظر آسمان کو دیکھا۔بادل چھٹنے لگے تھے دور کہیں فجر کی اذان ہو رہی تھی۔اُس نے اشارے سے ایک گاڑی روکی اور مطلوبہ پتے کی طرف روانہ ہو گیا۔آنکھیں رت جگے اور تھکاوٹ سے سرخ ہو رہی تھیں۔چچی سے ہونے والے آخری رابطے کے مطابق وہ حنا کو اسپتال لے جا چکی تھیں۔وہ سیڑھیوں سے گری تھی۔اشعر نے دوبارہ چچی کا نمبر ملایا مگر فون بند تھا۔کچھ ہی دیر میں وہ مطلوبہ اسپتال پہنچ چکا تھا،وہ ایک عام اور سستا اسپتال تھا۔عام حالات میں اشعر کبھی بھی ایسی جگہ نہیں جاتا مگر آج اُسے جگہ یا کوالٹی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

وہ ریسیپشن سے معلومات لے کر حنا کے کمرے میں آیا، دروازہ کھولنے پر سب سے پہلے اس کی نظر حنا پر پڑی۔وہ آنکھیں موندھے ہوئے تھی، سر پر سفید پٹی لپٹی تھی۔اشعر نے سکون کا سانس لیا۔قریب ہی بینچ پر چچی دیوار سے ٹیک لگائے سو رہی تھیں۔ضعیف سا جھریوں زدہ چہرہ، کمزور سا وجود۔وہ عمر کے اس حصے میں تھیں جہاں خود انہیں کسی سنبھالنے والے کی ضرورت تھی۔جانے انھوں نے سب کیسے سنبھالا کیا

ہوگا۔ چچی سے ہوتے ہوئے اُس کی نظر بے بی کاٹ پر پڑی، وہ پُرشوق سا بڑھا۔ سفید کپڑے میں لپٹا وہ بچہ اس کا تھا۔ اشعر نے کانپتے ہاتھوں سے اُسے اُٹھایا۔ وہ باپ کا لمس محسوس کر کے ذرا سا کسمسایا اور چچی کی آنکھ کھل گئی۔

"آ گئے اشعر!" وہ تکان زدہ سی مُسکرائیں۔ اشعر کا سر خود بخود اُن کے سامنے جھک گیا۔ اُنھوں نے مسکرا کر اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ اشعر مزید شرمندہ ہوا۔ بچہ اب گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔ حنا نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں تو اشعر نے آگے بڑھ کر بچہ حنا کی گود میں ڈال دیا۔ حنا کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"مجھے لگا میں نے اپنا بچہ کھو دیا۔" وہ بولی۔ اشعر نے اُسکے ہاتھوں کو عقیدت سے چوم لیا۔ جب ماحول کچھ پُرسکون ہوا تو اشعر کو زوروں کی بھوک کا احساس ہوا۔ اُس نے کل لنچ نہیں کیا تھا اور حنا کی وجہ سے وہ رات کو بھی کچھ نہ کھا سکا تھا۔

"میں کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں۔" وہ بچے کی گال پر پیار کرتا اُٹھا۔

باہر اسپتال کی طرح ہی ہلکی کوالٹی کے اسٹالز تھے۔ اشعر نے آن لائن کھانا آڈر کیا اور ریسپشن پر بل دینے چلا گیا۔

"آپ کی مسز کا بل تو ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے ہسپتال کا اصول ہے کہ ادائیگی پہلے کی جاتی ہے۔" لڑکی نے آگاہ کیا۔ بل زیادہ تھا۔ چچی کے پاس اتنی رقم کیسے آسکتی ہے؟ اُس نے سوچا۔

"بل کس نے ادا کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"امبرین بی بی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ شاید کسی سے لون وغیرہ لیا ہو۔ اشعر سوچتا ہوا مڑا۔

"کیش تھا؟" جانے کیوں اُس نے پوچھ

"ام۔ نہیں۔ انہوں نے اپنی بالیاں ہماری ڈاکٹر کو سیل کر دی تھیں۔" لڑکی کچھ ہچکچا کر بولی۔ اشعر کو خود کو سنبھالنے میں چند لمحے لگے۔ اس کا دماغ ماضی کی یادوں سے گرد جھاڑنے لگا تھا۔

"چچی کی بالیاں دیکھی ہیں تم نے؟" زوبیہ آپی مایوں کے لباس میں تھی۔ اشعر چچی سے بہت سالوں بعد ملا تھا۔

"میں نے غور نہیں کیا۔" اشعر نے کندھے اُچکائے۔

"گرینی نے دی تھیں۔ تمہاری ممی، ماہین چچی، تائی جان اور میری امی کو بھی۔ ایک جیسی تھیں، سب نے سیل کر کے نیو ڈیزائن بنوا لیے مگر چچی کے پاس آج بھی ہیں۔ اتنے مشکل حالات، بیوگی اور دو یتیم بیٹیوں کے لیے بھی اُنہیں استعمال نہیں کیا۔ مجھے اس لیے چچی اچھی لگتی ہیں۔ بہت خوددار اور باکردار عورت ہیں۔ خاندان کی کوئی عورت ان جیسی نہیں ہو سکتی۔" وہ بول رہی تھی۔

اشعر کی آنکھوں میں ایک بار پھر سے آنسو بھرنے لگے۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا بیرونی دروازے کی جانب چلنے لگا۔ صبح کی روشنی سارے میں پھیل رہی تھی۔ اشعر نے گہری سانس لے کر بہت سے آنسو اندر اُتار لیے۔ آج وہ اپنی ماں کی کمی شدت سے محسوس کر رہا تھا، ماں ہوتیں تو اُن کی گود میں سر رکھ کر بچے کی طرح روتا۔ وہ عورت جسے وہ آج تک بدکردار سمجھتا آیا تھا، آج اُس کے کردار کی روشنی کے سامنے اُسے اپنا آپ ہیچ اور بے کار لگ رہا تھا۔ آج اُس نے چچی کا اصلی روپ دیکھا تھا، الگ، منفرد، بالکل ماں کے روپ جیسا۔

☆☆

عقیلہ ہاشمی

واشنگ مشین

digest library.com

عظمیٰ بیٹا! مشین کس دن لگانی ہے پورا ہفتہ ہوگیا ہے تم نے مشین نہیں لگائی" بچوں کو اسکول بھیج کر ابھی وہ ناشتے کے برتن کے اٹھا رہی تھی کہ قمر انکل (سسر) نے اسے آن گھیرا۔

"جی ابو جی! لگا لیتی ہوں۔"

برتن اٹھا کر کچن کی طرف جاتے ہوئے وہ بڑی مریل سی آواز میں بولی۔

"آپ اپنے کپڑے نکال دیں، میں ناشتے کے بعد مشین لگا لیتی ہوں"

مشین لگانے کو دل تو نہیں کر رہا تھا لیکن اب وہ سسر کو انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔

سب کا ناشتہ ٹیبل پر لگا، اس نے واشنگ مشین میں پانی ڈال کر پہلے سسر کے کپڑے ڈال کر مشین چلا دی۔ ان کے کپڑے سارے گھر کے کپڑوں سے الگ دھلتے تھے۔ سوڈے سرف کے ساتھ مشین کے فل تین سے چار چکر گھمانے کے بعد بھی ان کی شکایتیں ختم نہیں ہوتی تھیں۔

"یہ کپڑے دھوئے ہیں۔ دیکھو، داغ تو اترے ہی نہیں۔"

"وہ ابو جی! اسی طریقے سے دھوئے تھے گرم پانی کے ساتھ سوڈا واشنگ پاؤڈر، بیچ سب ہی کچھ تو ڈالا تھا اور یقین کریں پورے چار چکر چلائے تھے مشین کے...... فل"

عظمیٰ بے چاری ڈرتے ڈرتے صفائی دیتی، اس کی محنت میں کوئی کمی نہ تھی کمی کہیں اور رہ گئی ہو تو پتا نہ تھا۔

"واشنگ پاؤڈر کون سا آ رہا ہے آج کل...... مجھے تو لگتا ہے شاہد واشنگ پاؤڈر اچھا نہیں لا رہا۔"

ان کا شک اب بہو کی بدنیتی سے ہٹ کر واشنگ پاؤڈر کی طرف مڑ جاتا۔

جب سے گھر پر برینڈڈ واشنگ پاؤڈر آنا بند ہوا تھا ان کی شکایتیں تب سے کچھ زیادہ ہو گئی تھیں۔

"جی وہ شاہد لائے تھے۔"

وہ سر جھکا کر اعتراف کرتی۔

"وہ شاہد کہہ رہے تھے، اسرائیلی پروڈکٹس کا مکمل بائیکاٹ کرنا ہے۔"

اب شاہد کو کیا پتا کہ ابو جی کے معیار پر یہ لوکل برینڈ کہاں پورے اتر سکتے تھے۔

"تب ہی میں بھی کہوں ویسی صفائی نہیں آ رہی...... شاہد سے کہو سرف بدلے ہم نہیں کر سکتے ایسا کمپرومائز بائیکاٹ کرنا ہے تو ان کے پیزے برگروں کا کرے وہ تو دنیا دھڑا دھڑ کھا رہی ہے اور سوڈے سرف کا اتنا پرہیز......"

اب وہ انہیں یہ نہیں کہہ سکتی تھی وہ بھی آپ کا بیٹا ہے ابو جی آپ کے آگے ہماری ایک نہیں چلتی تو اس کے آگے کون بول سکتا ہے۔

ناشتے کے بعد سے شروع کیے گئے کپڑے دھوتے دھوتے اسے شام ڈھل گئی۔ بچے اسکول سے آئے تو انہیں نوڈل بنا کر دے دیے وہ تو شکر ہے رات کا کھانا ماہم (نند) نے بنا دیا تھا پتا نہیں بھابھی پر ترس آ گیا تھا یا پھر ایک نئی ڈش ٹرائی کرنے کی سوجھی تھی جو بھی تھا اس کے لیے تو کسی نعمت سے کم نہ

تھا جب پکا پکایا کھانا ٹیبل پر رکھا مل گیا۔

"گھر کے کاموں میں سب سے مشکل کام کپڑے دھونا ہے۔"

ماہم نے عظمیٰ بھابھی کو چم چماتے سفید کپڑے تاروں سے اتار کر تہہ کرتے دیکھ کر بالکل سولہ آنے سچی بات کہی تھی۔

"بھابھی! یہ آپ ہی کا کام ہے جو گھر بھر کے کپڑے دھو لیتی ہیں میں تو اپنا جوڑا ابھی نہیں دھو سکتی۔"

نازوں کی پلی نند نے اٹھلا کر یوں بیان دیا جیسے یہ بہت کارنامہ ہو۔

"تمہیں ضرورت بھی نہیں کپڑے دھونے کی...... اللہ تمہاری بھابھی کو صحت و تندرستی دے وہ ہے نا کپڑے دھونے کے لیے۔"

کشور بیگم نے محبت پاش نگاہوں سے بیٹی کو دیکھتے بہو کو دعا تو اچھی دی تھی۔

"ویسے بھی تمہارے ابو کو کسی اور کے ہاتھ کے کپڑے پسند بھی نہیں آتے۔ وہ کہتے ہیں جیسے کپڑے عظمیٰ دھوتی ہے ایسے تو دھوبی بھی نہیں دھوتا۔"

پتا نہیں یہ اس کی تعریف تھی یا پھر وہ جال تھا جس میں اسے ساری زندگی قید کیے رکھنے کا ارادہ تھا۔ "ہاں اور نہیں تو کیا۔ کپڑے دھونا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی سوڈا واشنگ پاؤڈر تو ہر گھر میں آتا ہے لیکن کپڑے صاف کسی کسی کے ہوتے ہیں۔"

قمر صاحب نے اخبار پڑھتے ہوئے فوراً بیوی کی بات کی تصدیق کر دی۔ عظمیٰ کپڑے تہہ کرتے ہوئے ساس سسر کی باتیں سر جھکا کے سنتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

"ابو جی! میرے جہیز کی چیزوں میں سب سے پہلے آٹومیٹک واشنگ مشین خرید کر رکھنی ہے آپ کو تو پتا ہے میں کپڑے نہیں دھو سکتی۔"

ماہم کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اسے ابھی سے احساس ہو گیا تھا سسرال جانے سے پہلے آٹومیٹک واشنگ مشین کتنی ضروری تھی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں...... ہم اپنی بیٹی کے لیے سب سے پہلے آٹومیٹک واشنگ مشین ہی خریدیں گے۔"

قمر صاحب نے بیٹی پر شفقت لٹاتی نگاہ ڈال کر فوراً ہامی بھری۔

"میں تو کہتی ہوں، قمر صاحب آپ شاہد سے کہیں وہ مشین کا پتا کرے اب شادی میں تھوڑے ہی مہینے رہ گئے ہیں۔ کم از کم الیکٹرونکس کی چیزیں تھوڑی تھوڑی کر کے لینا شروع کر دینی چاہئیں۔"

ساس کو ہتھیلی پر سرسوں جماتے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی، ابھی بیٹی کی شادی میں چھ مہینے پڑے تھے اور انہیں ابھی سے یہ فکر ستانے لگی تھی کہ کہیں ان کی بیٹی کو سسرال میں جا کر کپڑے نہ دھونے پڑ جائیں اور وہ بھی تو کسی کی بیٹی تھی جو پچھلے چھ سال سے سارے گھر کے کپڑے دھو رہی تھی اس کا خیال تو کسی کو خیال نہ آیا تھا۔ ایک دفعہ اگر شاہد نے آٹومیٹک مشین لانے کی بات کی بھی تو یہی کشور بیگم تھیں جنہوں نے کہہ دیا تھا۔ "کیوں تمہاری بیوی کیا جاب کرتی ہے جو اسے آٹومیٹک واشنگ مشین چاہیے، ایسی چیزوں کی ضرورت تو کام کرنے والی عورتوں کو پڑتی ہے۔"

اور سسر صاحب نے کہا تھا۔

"آٹومیٹک واشنگ مشین کہاں مینول مشین کی طرح کپڑے دھوتی ہے، اسی طرح گندے میلے کچیلے کپڑے نکال دیتی ہے نہ داغ صاف ہوتے ہیں بس واشنگ پاؤڈر اور پانی کی تباہی ہے اور تو اور بجلی کا بل بھی بڑھ جائے گا میاں۔ ہم نہیں لیتے آٹو میٹک مشین۔"

وہ قریب بیٹھی دہرے معیار کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بات جب بیٹی اور بہو کے درمیان میں آ جاتی ہے تو ہمارے معیار کیوں بدل جاتے ہیں۔ ہم بہو کے لیے وہی چیز پسند کیوں نہیں کرتے جس کا انتخاب ہم بیٹی کے لیے کر رہے ہوتے ہیں آخر بہو بھی تو کسی کی بیٹی ہوتی ہے۔

☆☆

Digest Novels Lovers Group

شمائلہ دالعباد

خالی مٹھیاں اور دعا

"نوید یار اٹھ اس موبائل کی جان چھوڑ آؤ پاکستان پیسے ڈال آئیں۔"

"منور بھائی! ذرا صبر کر لیا کرو ادھر سیلری ملتی ہے اُدھر آپ بغیر ہاتھ دھوئے بینک جا گھستے ہو! بھائی چھری تلے سانس لے، پانی پی، نہا دھو کر کھانا کھا پھر بینک چلتے ہیں۔"

"نہیں نہیں! یار یہ سب کرنے لگے تو دیر ہو جائے گی، گیٹ کیپر کمپنی کا گیٹ بند کر دے گا۔ اُدھر پاکستان میں تیری بھابھی انتظار کرتی رہ جائے گی۔"

"تو بھابھی نے کون سا رات کے وقت بینک کھلوا کر نکلوا لینے ہیں، صبح ہی لیں گی۔"

"نوید! تو جتنی مرضی کوشش کر لے، منور نے سیلری ابھی پاکستان بیوی کے اکاؤنٹ میں ڈالنی ہی ڈالنی ہے۔ تو نیا آیا ہے۔ اس لیے اس سے بحث کر رہا ہے۔ ہم سالہا سال سے سمجھا سمجھا کر تھک گئے کہ ساری سیلری پاکستان نہ بھیجا کر، بس خرچا بھیج باقی اپنے پاس جمع کیا کر۔ جتنے کماؤ اتنے پاکستان بھیج دو، پاکستان والے کوئی بچت نہیں کرتے الٹا ہماری واپسی پر کہتے ہیں تم نے کیا ہی کیا ہے۔"

طالب حسین نے آہ بھر کر الیکٹرک کیٹل سے تیز پتی کی چائے کپ میں ڈالی۔

"صبیحہ ایسی نہیں ہے، سیدھی سادی عورت ہے۔" منور نے بیوی کی صفائی پیش کی۔ وہ سب ایک دوسرے کے خاندان سے واقف تھے کہ سترہ سال کا رات دن کا ساتھ تھا، ایک ہی کمپنی، ایک ہی کام اور ایک ہی کمرہ شیئر کرتے تھے۔

"ہاں ہاں ساری بیویاں سیدھی سادی ہی ہیں جلیبی کی طرح۔ ٹیڑھے تو ہم ہیں۔" کپڑے استری کرتے نذر حسین نے بھی دل جلا تبصرہ کیا۔

"یہی مسئلہ ہے، ہر مہینے جب بھی میں سیلری پاکستان بھیجنے جاتا ہوں تم لوگ یہی تماشا شروع کر دیتے ہو۔ یار! جب چار دن بعد بھی پیچھے گھر والوں کو پیسے ہم نے ہی بھیجنے ہیں تو فوراً کیوں نہیں۔ کیوں انہیں ترسا ترسا کر بھیجوں؟"

"کتنی بار کہا ہے، کوئی نہیں ترستے، ان عورتوں نے تم سے کم بھی دو مہینے کا خرچا جمع کر رکھا ہوتا ہے صرف سیلری نکلوانے کے لیے چلتر دکھاتی ہیں کہ پیسے ختم ہیں خرچا بھیج دو۔" باریک آواز بنا کر عورتوں کی نقل کی گئی۔ "تو کسی مہینے نہ بھیجو پھر کی جاسوسی کروا کے دیکھ لو سارے خرچے چلتے رہیں گے لیکن تم سے کہا جائے گا ہم بھوکے مر گئے۔"

"صرف کھانا ہی تو خرچا نہیں ہے یار بجلی، پانی کے بل، بچوں کی فیسیں، وین کے کرائے، دودھ والے کے پیسے ...... یہ سب لگے بندھے خرچے ہیں۔" منور نے کمرے کے ساتھیوں کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"ان خرچوں جتنا بھی دو مہینے کا پاس جمع ہوتا ہے جان بوجھ کر بل نہیں بھرتیں تا کہ یہ بیویاں ہم سے دو مہینوں کے بل کے نام پر اور زیادہ پیسے نکلوا سکیں۔ بلوں کی تصویریں واٹس ایپ کرتی رہیں گی بس۔ ایک تو یہ ٹچ موبائل اور انٹرنیٹ بڑی مصیبت بن گیا ہے۔" طالب حسین نے کپ قالین پر پٹخا۔

"منور! صبح سے مزدوری کر کر کے بھوت بنے ہوئے ہو ابھی جاؤ واش روم فارغ ہے، نہا آؤ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے، چائے پی کر میں تیرے ساتھ چلتا

Digest Novels .com

ہوں، پیسے ڈال آتے ہیں۔" نذر حسین نے اس کی حالت پر ترس کھا کر ساتھ چلنے کی ہامی بھری تو وہ بنا استری کے کپڑے اٹھا کر کھڑا ہو گیا تا کہ نذر حسین کے کہنے پر عمل کر سکے۔

"تم جا کر واش روم میں گھسو میں تمہارے کپڑے استری کر کے لاتا ہوں جلدی جاؤ اس سے پہلے کہ ملواری آ کر باتھ روموں پر قبضہ جمائیں۔"

"مجھے لگتا ہے ان کی بس بھی آ گئی ہے آواز سنی

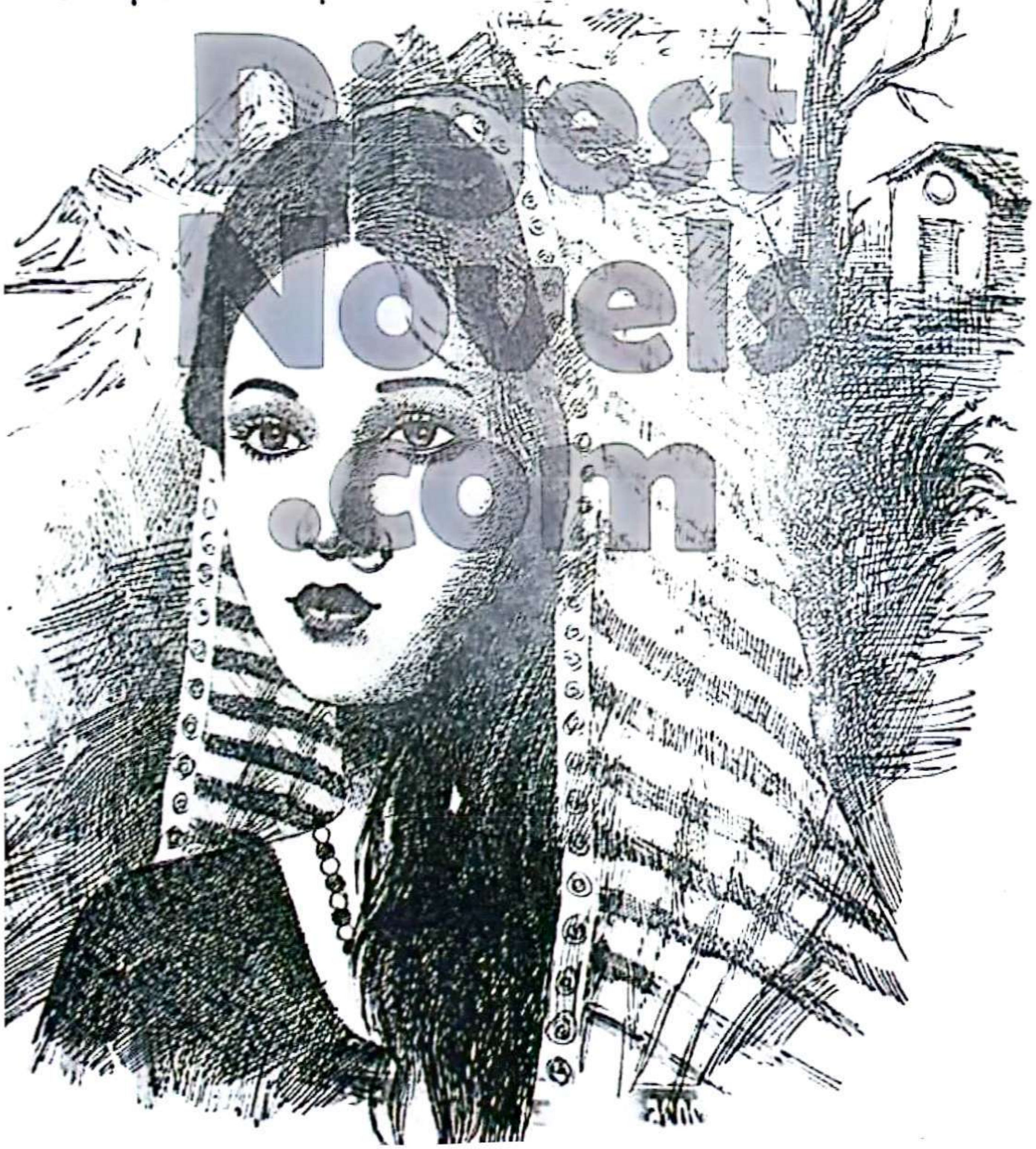

Digest Novels .com

تھی۔" نوید نے موبائل سے سر اٹھایا۔

"نہیں ابھی نہیں آئی منور! تم بھاگو جا کر میرے لیے بھی واش روم پر قبضہ کرو، میں اپنے اور تمہارے کپڑے لے کر آ رہا ہوں۔"

منور صابن تولیے لے کر دور بنے کمپنی کے غسل خانوں کی طرف بھاگا تو اس کے پیچھے انہوں نے بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ سیلری ملنے سے ہفتہ پہلے اور ہفتہ بعد صرف پاکستان پیسے بھیجنے نہ بھیجنے پر ہی وہ سب آپس میں بحث کیے جاتے، پاکستان سے کال پر کال آتی رہتی، اس مہینے یہ مسئلہ ہے۔ اس لیے زیادہ پیسے بھیجو۔ اس مہینے فلاں کی شادی ہے اس لیے جلدی پیسے بھیجو۔ منور پرانی عادت کے مطابق سیلری ملتے ہی فوراً ساری کی ساری بیوی کے اکاؤنٹ میں ڈال دیتا، صرف دس ریال پاس رکھ لیتا۔ وہ سارے آپس میں بھیجنے نہ بھیجنے اور کم بھیجنے کی بحث میں پڑے رہتے تھے۔

"بڑے بھائیو یہ بھی ہو سکتا ہے منور بھائی کی طرف سب اچھا ہی ہو ان کی فیملی علیحدہ رہتی ہے بھابھی سنبھل کر ہی چلتی ہوں گی کیونکہ بھابھی نے صرف اپنے بچوں اور اپنے گھر پر ہی خرچ کرنے ہوتے ہیں۔ جہاں پیسے ہم اپنے بھائیوں یا والد کے اکاؤنٹ میں بھیجتے ہیں، وہاں مسائل بنتے ہیں ہمارے بہن بھائی حق سمجھ کر کھاتے ہیں، بیوی بچے بے چارے مشکلات جھیلتے ہیں۔"

عمر نوید نے اپنے سینئر روم میٹس کو قائل کرنا چاہا۔

"اوہ یار! تیری عمر ہم تینوں سے کم ہے اس لیے تجربہ بھی کم ہے، بات صرف ہمارے بہن بھائیوں کی نہیں ہے بیوی کے بہن بھائی بھی انسان ہی ہیں، وہ بھی یہی کچھ کرتے ہیں بس موقع مل جائے۔ بیویاں شوہر کے رشتوں پر اعتراض کرتی رہتی ہیں، اپنے بہن بھائیوں پر لٹا کر اینڈ میں وہ بھی دکھ ہی اٹھاتی ہیں لیکن بات سمجھتی نہیں ہیں، جب سمجھ میں آتی ہے، تب لٹ چکی ہوتی ہیں پچھتاوے پاس بچ جاتے ہیں۔"

"طالب بھائی! بیوی کے بھائی ایسا نہیں کرتے، جتنا نقصان ہمارے بھائی ہمیں پہنچاتے ہیں۔"

"غلط فہمی ہے، روم نمبر سات والے ڈرائیور منیر نے کل ہی اپنے سالوں پر بیس لاکھ کا کیس کیا ہے امانتاً ان کے پاس ریال بھیجتا تھا۔ اب بیوی کے دونوں بھائی مکر گئے ہیں، صاف کہہ دیا ہمارے اکاؤنٹ میں جو بھیجتے تھے، ہم تمہاری بیوی بچوں کو دے آتے تھے۔ اب دس سال کی بچت گنوا کر بلڈ پریشر ہائی کروا کے ہسپتال کے چکر لگا رہا ہے۔"

"بڑا برا ہوا ہے منیر کے ساتھ...... عدالت میں بھی پیسے لگیں گے، حاصل بھی کچھ نہیں ہوگا۔ میاں بیوی میں اختلاف بھی بڑھیں گے۔ منیر کے سسرال نے اچھا نہیں کیا، تم لوگ بھی اس کے پاس افسوس کر آنا۔" طالب نے صلاح دی۔

"پہلے نہا کر پیسے ڈال آئیں پھر منیر کے کمرے میں جائیں گے ورنہ منور نے ادھر بھی نہیں بیٹھنے دینا۔" نذر ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر کپڑے لیے غسل خانوں کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

"اب میرے پیچھے کھل کر باتیں کر رہے ہوں گے کہ میں اس معاملے میں ان کا مشورہ نہیں مانتا۔" منور حسین اپنے روم میٹ اور دوست نذر حسین کے لیے بھی باتھ روم میں ٹھنڈا گرم پانی مکس کرتے سوچ کر مسکرایا۔

سترہ سال پہلے تعمیراتی کمپنی کے ویزے پر وہ سلطنت آف عمان کے شہر مسقط آیا تھا تب سے یعنی اپنے عین شباب کے دنوں سے وہ سب ساتھی بنے تھے۔ بے انتہا گرمی میں مزدوری کر کے جب وہ اکٹھے ہوتے تو ایک دوسرے کے خاندان کے بارے میں گفتگو کر کے ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کرتے۔ اب سترہ سال بعد وہ سب کے سب ایک دوجے کے لیے فیملی بن چکے تھے۔ آگے پیچھے شادیاں ہوئیں پھر جوائنٹ فیملی اور پیسے کے مسائل بھی اکٹھے جھیلے بلکہ اب تک جھیل رہے تھے، حالانکہ

اب ان سب کی تنخواہ پاکستانی دو لاکھ کے قریب ہو چکی تھی لیکن مسائل اب بھی سترہ سال پرانے ہی تھے۔ ان سب میں سے جوائنٹ فیملی کے مسائل سے نکلنے والا پہلا شخص منور تھا، اس نے صبیحہ غفور سے محبت کی شادی کی تھی، شادی کے بعد دو مہینے وہ پاکستان میں رہا اور ان دو مہینوں میں اس نے والدین اور بہن بھائیوں کا سلوک پرکھ لیا، وہ ایسا سلوک ہرگز نہ تھا جس کی بنا پر منور اپنی بیوی کو اپنے گھر والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ آتا۔

اس نے فوراً ہی مشکل فیصلہ کیا، آتے ہوئے صبیحہ کو اس کے میکے چھوڑا کیونکہ وہ اپنے میکے میں سب سے بڑی اولاد تھی، بھائی اس سے چھوٹے تھے تو صبیحہ اور منور کی قدر بھی بے تحاشا تھی، منور کو اپنے سسرال کا صبیحہ سے پیار بہت اچھا لگا تھا۔

اس کے بعد صبیحہ کو اس کے بھائی کے اکاؤنٹ میں پیسے بھیجتا رہا والدین کو جب تک حیات رہے خرچا والد کے اکاؤنٹ میں بھیجتا رہا۔ اس کی ماں، بہنیں، بھائی سب صبیحہ کے بارے میں رشتے داروں میں باتیں کرتے رہے۔ جو صبیحہ اور اس تک پہنچتی رہیں نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے گھر سے مزید دور ہوا تھا۔ بیٹی ہونے پر اس نے سالے کے مشورے پر سسرال والی گلی میں ہی فروخت ہوتا گھر قسطوں پر خریدا اور ہمیشہ کے لیے سسرالی گلی میں شفٹ ہو گیا تھا۔

زندگی سکون سے گزر رہی تھی، صبیحہ سے عشق آج بھی روز اول کی طرح جوان تھا۔

صبیحہ کچھ کہے اور وہ پورا نہ کر سکے، یہ سوچ کر ہی اسے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی چنانچہ اکاؤنٹ آفس سے سیلری ملتے ہی کسی کی پرواہ کیے بغیر صبیحہ کو پیسے بھیجنے کے لیے نکل جاتا تھا۔ بھائیوں جیسے کولیگ اور روم میٹ ہر مہینے اسے روکتے تھے کہ ساری سیلری مت بینک میں ڈالو، پر وہ ان کی یہ بات کبھی نہ مان سکا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ حسب معمول منور حسین کی واٹس ایپ کال سے کھلی تھی۔ وہاں کا وقت چونکہ پاکستان سے گھنٹہ بھر پیچھے تھا تو صبح کے وقت کام پر جانے سے پہلے لازمی صبیحہ کو کال کرتا تھا۔

”سیلری اکاؤنٹ میں ڈال دی تھی، بینک سے تمہیں میسج نہیں آیا۔“ سلام دعا کے بعد وہ محبوب بیوی سے پوچھ رہا تھا۔

”میسج مل گیا تھا، سوچا تھا کال کرتی ہوں پر علیزے کی سالگرہ کی وجہ سے ادھر آئے مہمان ہمارے گھر بھی آ گئے تو لیٹ ہونے کی وجہ سے کال نہ کر سکی۔“

”مرضی ہے بادشاہو...... ادھر آپ کا مریض عشق انتظار میں تڑپتا رہا۔ کب آواز سنے، آپ دوسروں کے چکر میں بھول گئیں، بس جی، جو چاہے آپ کا ظالم محبوب کرے۔“ صبیحہ کو اس کی آواز میں شرارت و محبت بیک وقت محسوس ہوئی تھی۔

”کال اسپیکر پر ہے ......“ وہ جیسے فخر سے اترائی۔

”اوہ تیرا بھلا ہو جائے صبا! کتنی بار کہا ہے میری کال بچوں کے سامنے اسپیکر پر نہ ڈالا کر۔“ وہ خفا ہوا۔

”اسپیکر پر نہیں ہے صرف ڈرایا ہے ویسے بھی اس وقت آپ کی اولاد چھٹیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اے سی میں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے۔“

”اپنے باپ کے سر پر عیش کر رہی ہے، کرنے دو۔“

”وہ تو ٹھیک ہے پر منور! بل بہت آئے گا ابھی تو دن کے وقت عثمان کی طرف چلے جاتے ہیں سارا دن اس کا اے سی چلتا ہے سوچو چوبیس گھنٹے ہمارا چلے گا تب کتنا بل ہوگا۔“

”یار! کوشش کرو، اپنے گھر زیادہ رہا کرو۔ کسی کو ہر وقت تنگ کرنا مناسب نہیں ہے۔“

”صحیح کہہ رہے ہیں۔ اللہ میرے بھائی کا بھلا کرے، بہت ساتھ دیتا ہے ورنہ آپ کے بہن بھائیوں نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ہمیں بیچ کر ہی کھا جاتے۔“

”ہر جگہ یہی حال ہے صبا! ہر کسی کے بہن بھائی اب ایسے ہی ہیں تو زیادہ نہ سوچا کر۔ بس میرے لیے دعا کر دیا

کر یہی سہارا مجھے پردیس کاٹنے کے لیے چاہیے ہے ورنہ تم سے اور بچوں سے دور رہنا بڑا مشکل ہے۔"

"میری تو ساری دعائیں ہی آپ کے لیے ہیں۔"

"تمہیں پتا ہے، میں ویڈیو کال کیوں نہیں کرتا تجھے دیکھ کر اتنی شدت سے یاد آتی ہے، سوچنے لگتا ہوں جس کی ایسی بیوی ہو، اُسے پہلی فرصت میں بیوی کے پاس پہنچ جانا چاہئے کیسی بدقسمتی ہے سترہ سالہ شادی میں ہم چونتیس ماہ اکٹھے رہے ہیں۔"

اس کی آواز حسب معمول آنچ دینے لگی تھی صبیحہ کو معلوم تھا اس کا شوہر آج بھی اس پر اتنی ہی جان چھڑکتا ہے، جتنی پہلے دن لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی کہ شروع سے ہی منور جتنا دیوانہ نہیں بن سکا تھا۔ وہ اس کی بطور شوہر عزت بھی کرتی تھی اور اس کی وفادار بھی تھی لیکن اس کی شدید محبت کے بدلے میں ویسی محبت اسے کبھی نہ ہوئی۔ ہاں اولاد بہت پیاری تھی۔

"کمپنی کو چاہیے دو سال بعد چھٹی دینے کے بجائے سال بعد دیا کرے۔"

"ہاہاہا...... بھولی بیگم سال بعد ورکروں کو بمع تنخواہ چھٹی دینے لگیں تو چل گئیں کمپنیاں۔ ہزاروں ورکر ہوتے ہیں کمپنی دو سال بعد ان کا ویزہ رینیو کرنے کا اور آنے جانے کا خرچا بمع دو مہینوں کی تنخواہ دیتی ہے۔ ہر وقت سینکڑوں مزدور اپنے اپنے ملک چھٹی پر گئے ہوتے ہیں، ایک ہی وقت میں ایک سال بعد چھٹی دیں گے تو دیوالیہ نکل جائے گا۔ ویسے اگر زیادہ اداس ہو تو میں اپنے خرچے پر چھٹی کے لے آ سکتا ہوں۔ سیلری بھی نہیں ملے گی آنے جانے کا جہاز کا ٹکٹ بھی، ہمیں لینا پڑے گا۔ دو سال سے پہلے چھٹی کا یہی نقصان ہوگا۔"

"نہ نہ رہنے دیں۔ اتنی شدید گرمی میں آ کر کیا کریں گے ویسے بھی دسمبر میں آپ کے دو سال پورے ہو جائیں گے۔ موسم بھی اچھا اور اخراجات بھی کمپنی کے ہوں گے، تب ہی ٹھیک ہے۔"

"تمہاری بات سے متفق ہی ہوا جا سکتا ہے۔"

وہ مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"اچھا پھر اللہ حافظ۔ سائٹ پر جانے کے لیے بس آ گئی ہے۔"

☆☆☆

بچوں کے اٹھنے سے پہلے اس نے ناشتے کی تیاری کر لی کہ گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے نارمل روٹین کا ناشتہ تو بچے خوش ہو کر کرتے ہی نہ تھے ابھی بھی آلو کے پراٹھے بنانے کا انتظام کر کے آئی تو وہ تینوں جاگ چکے تھے۔

"عبداللہ بیٹا! ناشتے کے بعد ہم نے بازار بھی جانا ہے۔ جلدی سے فریش ہو جاؤ، دھوپ سے پہلے پہلے ہو آئیں۔"

"مما! صبح صبح بازار کیا لینے جانا ہے؟" تاشی نے بڑی سی جمائی لیتے ماں سے پوچھا۔ وہ سب سے بڑی اولاد تھی، اسی حساب سے وہ میاں بیوی کی لاڈلی اور منہ پھٹ بھی زیادہ تھی۔

"فطیزے کی سالگرہ ہے، اس کا گفٹ لے آؤں کوئی اور شے ہوتی تو تمہارے ماموں کو بھیج دیتی۔"

"میں بھی ساتھ چلوں دہی بھلے کھاؤں گی۔"

"کوئی ضرورت نہیں، تم گھر کے کام سمیٹنا میں اور عبداللہ یوں گئے اور یوں آئے۔ واپس آ کر ماموں کی طرف چلیں گے۔" صبیحہ نے چٹکی بجائی۔

"مما! کتنی بار کہا ہے مجھے نہیں پسند ہر وقت ماموں کے گھر گھسے رہنا۔ آپ میری بات کو سیریس کیوں نہیں لیتیں۔"

"تمہیں تو اللہ واسطے کا بیر ہوتا جا رہا ہے ماموں، ممانیوں سے...... بالکل ددھیال کی کاربن کاپی ہو، پھوپھیاں، چاچے ہی اچھے لگتے ہیں۔ عبداللہ، اسد اللہ بھی تو ہیں مجال ہے، کبھی پھوپھیوں چچا کا نام لیں یا ماموؤں کو برا کہیں، ایک تم ہی ہو۔"

"مما! آپ کو تو موقع چاہیے بس......" وہ پیر

پہنچی واش روم میں گھس گئی۔ تو بڑبڑاتی صبیحہ بھی کچن کی طرف بڑھ گئی اسے بھتیجی کے لیے سالگرہ کا تحفہ خریدنے کی بہت جلدی تھی۔

☆☆☆

digest library.com

شدید گرمی میں بیٹے کے ساتھ پہلے بینک گئی وہاں سے پیسے نکلوائے اور پھر بازار کی ساری دکانیں پھر لیں لیکن تیرہ سالہ علیزہ کے لیے کوئی تحفہ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ سمجھ میں آتا بھی کیسے کہ ذہن میں تو اس کی فرمائش چل رہی تھی۔ نگاہ بار بار جیولر کی دکان پر ہی جا رہی تھی کانوں میں علیزہ کی بار بار کہی بات گونج رہی تھی ساتھ ساتھ تاشی کی بھی ...... بالآخر وہ سونے کی دکان میں داخل ہوگئی ٹھنڈے ماحول میں جا کر نہ صرف اوسان بحال ہوئے بلکہ فوراً ہی تاشفین جیسے سونے کے ٹاپس بھی سامنے پڑے نظر آ گئے۔

فٹافٹ خریدے اور ماں بیٹا نکل آئے۔ اس کے دماغ میں علیزہ کی فرمائش تھی، اس لیے وہ کوئی اور تحفہ خرید ہی نہ پارہی تھی۔ اب جیسے سکون ہو گیا تھا آتے ہوئے تاشفین کے لیے دہی بھلے اور اسد اللہ کے لیے فالودہ لینا بھی نہیں بھولی تھی کہ اسے معلوم تھا تاشی سونے کے ٹاپس دیکھ کر بہت شور ڈالے گی پر اتنا یقین تھا، اس کی اولاد باپ یا ددھیالی رشتوں کو ایک لفظ نہ بتاتی تھی خود ماں کے ساتھ جتنا مرضی لڑ لیتی پر یہ کبھی کسی سے نہ کہا کہ ماں ماموؤں یا ان کے بچوں پر بھی دل کھول کر خرچ کرتی ہے۔

"ارے صبیحہ! کیا حال ہے؟" چنگ چی میں سسرالی گلی کی نویدہ آپا براجمان تھیں،

"میں ٹھیک ہوں آپا! آپ کیسی ہیں۔ بڑے گھر والے کیسے ہیں؟" صبیحہ سے رہا نہ گیا، نویدہ کے پاس ہر کسی کی معلومات ہوتی تھیں اسی لیے اس نے سسرال والوں کا پوچھ لیا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ تمہاری بڑی نند آل اولاد سمیت چھٹیوں کی وجہ سے رہنے آئی ہوئی ہے میں ملنے گئی تو ایسے ہی سرسری پوچھ لیا منور کی طرف گئی ہو؟ اے لو بہن! اس عورت نے تو صاف کہہ دیا منور سسرال والوں کا ہے اس کے گھر میں صبیحہ کے میکے کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ منور کما کما کر بوڑھا ہو گیا صبیحہ بھائیوں کو بھرتے نہیں تھکتی، سب میکے پر لٹائے جا رہی ہے، ہمیں تو پانی پوچھنے کی روادار نہیں، میکے کو مرغ مسلم کھلا کھلا کر ہمارے بھائی کی پردیس کی کمائی اڑا رہی ہے۔ کسی دن دنیاداری رکھنے کے لیے کھڑے کھڑے ہو آؤں گی کون سا صبیحہ نے منہ لگانا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

نویدہ سے نند کی گفتگو سن کر صبیحہ کا منہ غصے اور توہین کی وجہ سے مزید لال ہو گیا۔

"آپا! ان کی جتنی مرضی قدر کر لو، مجھ سے راضی نہیں ہو سکتے، رہی میکے کی بات تو یہ میرے بھائی ہی ہیں جن کی وجہ سے عزت سے جوان بیٹی کو لے کر بیٹھی ہوں، کسی کی مجال نہیں میرے گھر پر ٹیڑھی نظر ڈال لے۔ رات کو بلاؤں یا دن کو بھائی ایک کال پر میرا کام نمٹانے آ کھڑا ہوتا ہے یہ لوگ آئیں گے میرے کام نمٹانے؟"

"ہاں یہ تو ہے، سسرال ایسا ہی ہوتا ہے پھر بھی تم تو سمجھ دار ہو کبھی کبھی نندوں کی بھی دعوت کر دیا کرو لوگوں کے منہ بند ہو جاتے ہیں ورنہ سب تمہارے بارے میں یہی کہتے رہیں گے، شوہر کی کمائی دونوں ہاتھوں سے بھائی پر لٹا رہی ہے۔"

نویدہ نے ہمدردی کی آڑ میں خوب گہرا چرکا لگایا یوں کہ صبیحہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ خود پر جھنجھلائی گھر میں داخل ہوئی کہ نہ نویدہ سے سسرال کا پوچھتی نہ وہ جتلا کر جاتی کہ محلے والے اس کے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ وہ بے دم ہو کر اے سی کے عین سامنے بڑے صوفے پر گری تو تاشی اور اسد اللہ نے فوراً شاپر کھول لیے۔ کھانے والی اپنی اپنی چیز کو ابھی پکڑا ہی تھا کہ تاشی کی نظر سرخ مخملی ڈبیا پر پڑ گئی اس نے فوراً کھول کر دیکھی۔

"مما! آپ نہیں مانیں نا؟" اس کی آواز میں

شدید غم و غصہ تھا۔

"جب سے اس نے دوسری بار کان چھدواتے ہیں تب سے مجھ سے یہی مانگ رہی تھی تمہیں پتا تو ہے۔"

"مما! میں نے کہا تھا نا، اس نے میری نقل کر کے کان دوسری جگہ چھدوائے ہیں، اب کم سے کم میرے جیسے ٹاپس اسے نہ لا کر دیتا لیکن نہیں آپ کو میں نہیں بھتیجی زیادہ پیاری ہے، آپ نے اسی کی بات مانی میری نہیں۔ باقی کوئی ڈیزائن نہیں تھا جو میرے جیسے خرید لائی ہیں۔" تاشفین جذبات کی یورش سے رونے لگی تو صبیحہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ارے میرا بچہ، ڈیزائن تو بہت تھے پر سارے کے سارے مہنگے تھے ان کا وزن سے نہیں زیادہ تھا اس لیے یہی خرید لیے۔"

"ماموں کی فیملی پر آپ پاپا کا سارا پیسہ بھی لٹا سکتی ہیں وزن زیادہ یا کم آپ کا مسئلہ نہیں تھا، مسئلہ صرف یہ تھا جو اس نے کہا۔ آپ نے وہی پورا کرنا تھا۔ آپ کو پتا ہے نا، مجھے کتنے پسند ہیں، میرے منع کرنے پر بھی آپ نے علیزے کو سیم ٹاپس لا دیئے۔"

"بیٹا! وہ آپ کی بہن ہے، بہنیں ایک جیسی چیزیں پہن لیتی ہیں۔"

"مما! آپ کو ہی لگتا ہے، وہ میری بہن ہے لیکن وہ ایسا نہیں سمجھتی۔ ممانی بھی ایسی ہی ہیں۔ یہ تو ہم ہیں جو ہر وقت ان کو اپنا سمجھتے ہیں۔"

"ششش...... کیسی باتیں کر رہی ہو تاشی! ماموں لوگ تم تینوں بہن بھائیوں سے کتنا پیار کرتے ہیں۔"

"کوئی نہیں کرتے، پھوپھو چاچو جیسے ہی ہیں جتنی ہیلپ ہم ماموں لوگوں کی کرتے ہیں ایسے ہی چاچو پھوپھو کے ساتھ کریں تو اس سے زیادہ وہ کریں گے۔ جب بھی دیکھو آپ ہی چھوٹے ماموں، بڑے ماموں ان کے بچوں کے لیے گفٹ لے رہی ہوتی ہیں انہوں نے تو کبھی نہیں ہمیں گفٹ دیے۔ ہم کیا بچے نہیں ہیں میرے نائنتھ کے رزلٹ پر بھی علیزہ اور ماموں نے کچھ نہیں دیا۔ آپ ہر کلاس کے رزلٹ پر اسے گفٹ دیتی ہیں جب میرے کپڑے لاتی ہیں اس کا سوٹ بھی لازمی لاتی ہیں، بدلے میں وہ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتی نہ ماموں نہ ممانی۔"

"تاشی! میری ماں نہ بن، بکواس ہی کیے جا رہی ہے، تم اپنی پھوپھیوں سے کم ہو کیا؟ کیا چاہتی ہو میں بھی تمہاری پھوپھیوں کی طرح اپنے بھائی کا گھر چھوڑ دوں، قطع تعلق کر لوں؟ بتاؤ مجھے جیسے تمہاری پھوپھیاں ہمارے گھر نہیں آتیں ویسے ہی ہم بھی ماموں کا گھر چھوڑ دیں؟ میں تمہاری پھوپھیوں جیسی نہیں ہوں۔"

تاشفین کی عادت تھی روتی جاتی ماں سے باتیں کیے جاتی۔ صبیحہ اس کی عادت سمجھتی تھی پر آج نویدہ آپا کی باتیں اس پر تحفہ خریدنے پر تاشی کا ردعمل ...... سب کچھ گڈ مڈ ہو گیا ہوا تھا اس لیے اس نے بھی کو لتاڑ کر رکھ دیا۔ وہ نویدہ کا غصہ بھی تاشی پر نکالنے لگی تو وہ اس کے شدید ردعمل پر گھبرا گئی۔

"مما، سوری۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم ماموں کو چھوڑ دیں۔"

"تمہارا مقصد تو یہی تھا۔" اس کا غصہ ہولے ہولے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ میرے منع کرنے پر بھی میرے جیسے ٹاپس کیوں لائیں؟ اب میں نہیں پہنے۔ میں اتار دوں گی صرف علیزہ ہی پہنے۔"

وہ دہی بھلے چیخ کر روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ پیچھے سے صبیحہ نے زوردار آواز لگائی تھی......

"تاشی خبردار، اگر باپ سے کچھ کہا یا سونے کے ٹاپس علیزہ کو دینے کا بتایا تو...... مار مار کے دنبہ بنا دوں گی حاسد نہ ہو تو۔ میری بات سارے کان کھول کر سن رہے ہو باپ سے ایک لفظ نہیں کہنا۔"

"نہیں کہتے......" یک زبان اسے سنائی دیا تھا۔

☆☆☆

"عبداللہ، اسداللہ اگر نہا لیا ہے تو ماموں کے گھر چلے جاؤ کوئی کام کروا دینا۔ ممانی کو کوئی چیز لا

دینا موبائل پر گیم کھیلنے سے میدان نہیں مار لو گے۔"

"مما، عبداللہ بھائی نے مجھے تو ایک منٹ کے لیے فون نہیں دیا، آپ پھر بھی مجھے ڈانٹ رہی ہیں۔" اسد اللہ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے نازک مزاج تھا۔

"اچھا اچھا ایسا کرو یہ پیالی ذرا ہاتھ میں پکڑ کر کھڑے ہو جاؤ میں جلدی جلدی کلر لگا لوں۔" وہ شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر اسد اللہ کی ہاتھ میں پکڑی پیالی سے سیاہ ہیئر کلر برش پر لگا کر احتیاط سے بالوں میں لگانے لگی۔

"یہ سونے کے ٹاپس نہ لیے ہوتے تو پارلر والی سے ہی ہیئر ڈائی کروا آتی ...... کم بخت سارا بجٹ ہی اپ سیٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔" تیزی سے بالوں میں اسٹروک چلاتے اس نے آدھ بھر کر سوچا۔

"مما! آپ پھر گھر میں ہی ڈائی کر رہی ہیں پچھلی دفعہ بھی گھر میں کر کے پیرنٹ میٹنگ میں چلی گئی تھیں سامنے سر کی جلد میں چڑھا ہوا رنگ کتنا گندا لگ رہا تھا میں کتنا شرمندہ ہوئی تھی۔ اب پھر آپ خود کر رہی ہیں ممانی کی بھابھی اور بہن بھی آئی ہوں گی۔ اب پچھلی بار جیسا نہ کرنا۔ بہتر تھا سیلون چلی جاتیں۔"

"اچھا اچھا نہیں لگائی سر کی جلد میں...... تقریر بند کر لو۔"

"پچھلی بار عثمان کا بجلی کا بل بھرنے میں مدد کرنی پڑی تھی۔ کم وبیش سونے کے ٹاپس جتنی ہی رقم دینا پڑی تھی۔ اس مہینے علیزے کی سالگرہ آ گئی۔ اچھا اللہ وارث ہے۔ اللہ میرے بھائیوں کو خوب خوب نوازے لمبی زندگی دے ناگہانی حادثے سے بچائے۔ عثمان تو ہے بھی بہت تھوڑے دل کا۔ اسی لیے تو ذرا سی توقع کے خلاف بات ہو جائے گھبرا کے میرے کندھے سے لگ جاتا ہے۔ پچھلے مہینے دو ماہ کا اکٹھا بل دیکھ کر رنگ کیسا سفید پڑ گیا تھا۔ اللہ میرے ماں جائیوں کو سلامت رکھے۔ پیسے کا کیا ہے، آنی جانی شے ہے۔ پیسہ مجھے عثمان سے پیارا تھوڑی ہے۔

اس نے پیالی اچھی طرح صاف کر کے ڈھیروں دعائیں بھائیوں کے لیے کر ڈالیں، نہیں خیال آیا تو صرف پردیس بیٹھے پیسے بھیجنے والے سر کے سائیں کا خیال نہ آیا کہ اس کے لیے بھی دعا کر دے۔

"تاشی! میرے کپڑے استری کر دے ذرا جلدی کر عیسا کہے گی آگے پیچھے ہر وقت گھسے رہتے ہیں آج کام ہے تو باجی نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔"

"مما! کچھ نہیں ہوتا، تیار ہو کر آپ جاتے ہی ممانی کے کچن میں نہ گھس جانا، ممانی کی بہن تو مزے سے اے سی میں بیٹھی ہوئی ہے آپ ممانی کے ساتھ لگ کر پسینے میں بھر کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اب تو علیزے کی ممانی اور کزنز وغیرہ بھی ہیں۔"

"تاشی! میرے بچے وہ لوگ مہمان ہوتی ہیں ہم مہمان تھوڑی ہوتے ہیں۔" اس نے رسان سے سمجھایا۔ نہا کر ہلکا گلابی سوٹ پہنے باہر نکلی تو تاشی نے کپڑے تبدیل کر لیے تھے۔

"نیا سوٹ کیوں نہیں پہنا؟"

"شام کو کیک کٹنے سے پہلے پہنوں گی۔"

"تو پھر ساتھ شاپر میں رکھ لو، دوبارہ نہ آنا پڑے گا۔"

"مما! یہ دو گھر چھوڑ کر گھر ہے اس میں بھی کپڑے ساتھ لے لوں؟ میں اپنے گھر آ کر ہی چینج کروں۔ تیار بھی تو ہونا ہے ادھر میک اپ لے کر گئی تو پھر علیزے نے آپ سے میک اپ کی بھی فرمائش کر دینی ہے۔"

صبیحہ کو اندازہ ہوا بیٹی کے دل میں شدید ناراضی ہے لمحہ بھر کو افسوس سا ہوا تھا پر بیرونی دروازے پر ہونے والی دستک نے زیادہ سوچنے نہ دیا۔

"جاؤ عبداللہ! دیکھو اس وقت کون آ گیا ہے بیل بھی نظر نہیں آ رہی۔" صبیحہ نے ہلکی گلابی لپ سٹک واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی۔

"السلام علیکم!" بڑی نند اور اس کے دونوں بڑے بچوں کو باجماعت سلام کرتے دیکھ کر اس کا حلق بھی کڑوا ہو گیا۔

"یہ کہاں سے ٹپک پڑی......" منہ ہی منہ میں

digest library.com

بدبدائی تاثرات یقیناً نوٹ کر لیے گئے تھے کہ آنے والی بھی آنکھوں میں دوربین فٹ کروا کر ہی آئی تھی۔

''یہ اچھا کیا ہے، اے سی والے کمرے سے بیڈ نکال کر نیچے گدے ڈال لیے ہیں، سارے سہولت سے سو بھی سکتے ہیں۔ چار مہمان آجائیں تب بھی سہولت رہتی ہے۔'' شازیہ خود ہی گدے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مما ایک اے سی والے تمام گھروں میں یہی انتظام ہوتا ہے، نیا کیا ہے؟'' رضوان ہنسا......

اس کی بات پر صرف اس کی ماں بہن ہی مسکرائیں صبیحہ اور اس کے بچے سرد ہی رہے۔ اس نے شروع سے ہی بچوں کے دل میں ماموؤں کے گھر اور ان ہی کی اولاد کے لیے اپنائیت ڈالی تھی۔ ددھیالیوں سے بچے خاص جتنے ملتے ہی نہ تھے، آج تو اسے بھی نوید و آپا کی بتائی باتوں کی بدولت اور بھی شدید غصہ تھا سو نفت کا انداز کچھ زیادہ ہی سخت تھا۔ نند اور اس کے بچوں کے چہرے پر زبردستی کی بشاشت، شرمندگی و بےبسی صاف نظر آنے لگی۔

'''' تاشی! پھوپھو کے لیے نمکین بنا لاؤ۔''

''آنسہ نے آتے ہوئے شیک پلا کر بھیجا ہے کہہ رہی تھی آپی باہر بہت گرمی ہے جاتے جاتے گلا سوکھ جائے گا۔ اس لیے تاشی تم اب صرف سادہ پانی لے آؤ۔'' چھوٹی بھابھی کا حسن سلوک جان بوجھ کر جتایا گیا پر سامنے بھی صبیحہ تھی۔

''تاشی! سادہ پانی لے آؤ۔''

''کہیں جا رہے ہو آپ لوگ؟''

''ہاں، علیزے کی سالگرہ ہے، عثمان نے بلایا ہے ہوا ہے ادھر جا رہے ہیں بس نکل ہی رہے تھے کہ آپ لوگ آ گئے۔''

''ہمیں پتا ہوتا تو شام کو آجاتے۔''

''نہیں، کیک تو شام کے بعد کاٹنا ہے ہم رات گئے ہی واپس آئیں گے۔ سارا دن بھی بچوں کے ساتھ ادھر ہی ہوں گی اپنے گھر اے سی نہیں چلانا پڑتا، عثمان کہتا ہے آپی ادھر ہی دن گزارا کریں، بجلی مہنگی ہے بل کی سمجھ نہ کچھ بچت ہو جائے گی میرے گھر جو چل رہا ہوتا ہے تو میں اکیلا ہی بل بھر تا رہوں گا آپ تو بچت کریں۔''

اس کی بات پر نند کی آنکھوں میں صاف تمسخر نظر آیا کہ جاؤ بی بی ہمیں تمہاری چوریاں اور چالاکیاں سب معلوم ہیں۔ اپنے بھائی کا جھوٹا پیار جتایا جا رہا ہے ہمارے بھائی کو تو بات کرنے کا روادار نہ چھوڑا تم نے۔

پانی پی کر وہ لوگ اٹھ گئے۔ صبیحہ بھی گھر کو تالے لگانے لگی، یعنی خاموشی سے دفع ہونے کا کہہ دیا کہ جاؤ کھانا کھا کر جانا جیسی فارمیلٹی تو دور کی بات تھی۔ اسے غصے کے ساتھ جلدی بھی تھی تاکہ عثمان کے گھر جا کر کھانا وغیرہ بنانے میں مدد کر سکے صرف کیک ہی باہر سے آنا تھا۔ باقی کھانا گھر میں بنانا طے ہوا تھا۔

''اپنے بھائیوں کی تعریفیں کروا لو اس عورت سے اور ہمارے بھائی کو رات دن زہریلی نمابا تیں سنا سنا کر ہم سے بدظن کروا رہا ہے۔'' شازیہ نے تیز قدم اٹھاتے اولاد کے سامنے شکوہ کیا تھا۔

''مما! تبھی تو کہا ہے منور ماموں کے گھر نہ جایا کریں پر نہیں آپ کو تو انسلٹ بھی کروانی ہوتی ہے ساتھ ممانی کی زہریلی ڈوز دلوانی ہوتی ہے۔''

''آنا نہیں چھوڑ سکتے بچو...... تم لوگ چھوٹے ہو، تمہیں ان نزاکتوں کی سمجھ کہاں...... صبیحہ یہی تو چاہتی ہے۔ کبھی کبھار کا آنا بھی چھوڑ دیں تاکہ منور سے کہہ سکے دیکھو تمہارے اپنوں نے مکمل چھوڑ دیا۔ میرے بھائی تو بہت اچھے ہیں کیسے، ساتھ مل کر چل رہے ہیں۔''

''آپ ماموں کو کال کر کے مامی کا سلوک بتا دیا کریں۔''

''وہ یقین نہیں کرتا، کوئی فائدہ نہیں۔'' شازیہ نے بات ختم کر کے میکے کے گھر کا دروازہ کھول لیا۔ اسے معلوم تھا چھوٹی بھابھی حیران ہو گی کہ کیا

دروازے کو ہاتھ لگا کر واپس آئے ہو، کچھ دیر تو بیٹھ کر آتے۔

☆☆☆

''پھوپھو! علیزے آپی کی پھوپھو اسے کتنے گفٹ دیتی ہیں، آپ بھی مجھے گفٹ دیا کریں نا۔'' یہ نیہا کی بھتیجی تھی جو پرتکلف کھانے اور کیک کے بعد علیزے کو پھوپھی کا دیا تحفہ کانوں میں پہنے دیکھ کر نیہا کا بازو ہلا رہی تھی۔

''ارے گڑیا! علیزے کی پھوپھو ٹھہری امیر عورت جس کا میاں باہر سے ریال بھیجتا ہے تمہاری پھوپھیاں غریب ہیں جن کے میاں یہیں پاکستان میں دھکے کھاتے ہیں۔ اس لیے بھئی ہم تو صرف خلوص دل سے پیار ہی کر سکتے ہیں۔'' نیہا کی بہن فریحہ کے بیان پر قہقہے ابھرے تھے۔

''کہاں کی امیر بہن! میرا تو اپنا میاں پردیس میں مزدوری کرتا ہے۔ بس بھتیجی کی فرمائش ٹالی نہیں گئی۔

''ہمارے بچوں کی تو دو دو پھوپھیاں ہیں آرام سے ٹال جاتی ہیں، آپ جیسی پھوپھو قسمت والوں کو ملتی ہے۔''

نیہا کی بھابھی نے صاف دونوں نندوں پر طنز کیا تھا۔ محفل کی فضا بوجھل سی ہو چکی تھی، ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ صبیحہ کا دل اپنے گھر جانے کو اتاولا ہوا اور نہ تو بچے اکتا جاتے تھے، وہ بھائی کے گھر برتن تک بھابھی کے ساتھ سمیٹ کر نکلتی تھی، اب گھر جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپی! رک جائیں۔ ہم نے بھی تو جانا ہے اکٹھے ہی نکلیں گے۔''

''ارے نہیں تم لوگوں نے تو سواریوں پر شہر کے دوسرے کونے میں جانا ہے، میرا تو یہ گھر ہے اس لیے میں چلتی ہوں۔''

☆☆☆

گھر آ کر بچے تو سو گئے لیکن اس کی طبیعت بے چین رہی۔ نہا کر آنے کے بعد بھی سکون نہ ملا۔

سیانے سچ ہی کہتے ہیں۔ شروعات بھلی ہو تب ہی انت بھلا ہوتا ہے۔ مجھے تو صبح ہی ٹینشن شروع ہو گئی تھی کہ علیزے کے لیے ٹاپس لینے پر تاشی ناراض ہو گی، وہی بات ہوئی۔ اس پر نویدہ آپا نے شازیہ کی گفتگو بتا دی پھر شازیہ بھی اسی وقت ٹپک پڑی۔ آج ایک سے بڑھ کر ایک بوجھل واقعات ہوتے رہے جب شروعات ایسی ہوئی تو اختتام پر بھی یہی کچھ ہونا تھا۔ کیسے نیہا کی بھابھی اس پر طنز کر رہی تھی گویا میرا بچی کو ٹاپس دینا مصیبت بن گیا ہو۔ اب عثمان کہاں سے اتنے پیسے سسرال پر لٹاتا پھرے، بات کرتے ذرا جو اس عورت نے سوچا ہو کہ نند کون سا نوکری کرتی ہے جو اپنی جیب سے بھتیجی کی فرمائش پوری کر دے۔''

اس کا آج کا دن بوجھل بنانے کا سبب بننے والی ایک کے بعد ایک سوچ اس کی دماغ میں چلتی جا رہی تھی۔ آخر میں آ کر اسے اپنے بھائی سے ہی ہمدردی ہوئی۔ بھابھی کی بھابھی پر غصہ آتا رہا کہ عثمان کیوں ایسے قیمتی تحائف دے، اسے اپنے بچوں پر پیسے لگانے چاہئیں بیوی کے بھائیوں کی اولاد پر نہیں، نیہا کی بھابھی کس قدر بے مروت ہے وغیرہ وغیرہ۔ عجیب بات تھی اس سارے تجزیے میں اسے اپنے شوہر کی کمائی یا اپنے دوہرے کردار کا خیال تک چھو کے نہ گزرا۔ اچانک ہوئی موبائل کی بیل سے اسے جھٹکا سا لگا تھا۔

''کیا حال ہے بیگم صاحبہ، آپ نے تو کال نہ کی۔ میں نے سوچا میں ہی کر لوں، شاید عثمان کی طرف سے آ ہی چکی ہو۔'' منور کا فون تھا۔

''ادھر سے تو کافی دیر پہلے آ گئی تھی۔'' صبیحہ نے بوجھل سانس لی۔

''خیر ہے بڑی آہیں بھر رہی ہو۔ آواز بھی ڈھیلی سی ہے طبیعت ٹھیک ہے؟ اُدھر سے اتنی جلدی کیسے آ گئیں؟'' اس نے ایک ہی سانس میں فکر بھرے سوالات کی بوچھاڑ کر ڈالی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہی ہے۔ بس دل بوجھل تھا

تو کیک کاٹنے کے فوراً بعد بچوں کو لے آئی تھی وہ تو آتے ہی سو بھی گئے۔"

"تمہارا دل کیوں بجھا ہوا ہے؟"

"منور! میں صبح علیزے کے لیے تحفہ خریدنے بازار گئی تھی میری بری قسمت کہ مجھے بازار میں نویدہ آپا مل گئیں۔ کاش میں آج نہ جاتی یا بچی کو تحفہ ہی نہ دیتی دراصل میں آپ کی سیلری کا انتظار کر رہی تھی آپ کو پتا تو ہے۔ عام بیویوں کی طرح پیچھے پڑ کر پیسے منگوانے کی میری عادت نہیں، رات آپ نے پیسے بھیجے۔ صبح میں عبداللہ کو ساتھ لے کر تحفہ خریدنے چل پڑی۔ ادھر نویدہ آپا نے بتایا، شازیہ۔۔ میرے بارے میں کیسی کیسی باتیں کرتی ہے۔ ہر جگہ مجھے بدنام کر رکھا ہے کہ میں آپ کی کمائی میکے پر لٹا رہی ہوں۔ آپ کو پتا تو ہے، ہمارے گھر کا کتنا خرچ ہے۔ ہمارے تو اپنے خرچے پورے نہیں ہوتے بمشکل چند ہزار بچاتی ہوں صرف عثمان کی وجہ سے۔ اللہ عثمان کا بھلا کرے کتنی ہی چیزیں لا دیتا ہے پیسے پوچھتا نہیں میرے دینے پر بھی نہیں لیتا۔ سارا دن ہمارے گھر کا اے سی بند رہتا ہے۔ عثمان کہتا ہے آپی، دن کو اپنی بجلی بچایا کرو میری طرف رہا کرو۔ ایسی سوچ ہے میرے بھائی کی۔ وہ میرے پیسے کیا کھائیں گے، آپ کے بہن بھائیوں نے اپنے جیسے لالچی سمجھ رکھے ہیں۔ ایسی باتیں سن کر صبح سے ہی اداسی نے گھیر رکھا ہے بچی کو ذرا سا تحفہ دیتے بھی یہی باتیں کلیجے پر چرکے لگاتی رہیں کہ میں میکے پر لٹا رہی ہوں۔"

لہجے میں خود ہی نمی گھل گئی صبیحہ اپنی آج کی کیفیت بالکل سمجھ نہ پا رہی تھی جانے کیوں رونا آ رہا تھا۔ تاشی کے احساسات کی وجہ سے یا شازیہ کے سچ پر یا پھر نیہا کی بھابھی کے طنز پر...... اسے معلوم نہ تھا۔ کون سی بات منور کے سامنے اسے رونے پر مجبور کر گئی۔

"ارے نیک بخت! کن باتوں پر رو رہی ہو جو مجھے تم سے پہلے ہی پتا ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے اصغر بھائی نے کافی مہینے پہلے بتایا تھا، شازیہ، نازیہ حتیٰ کہ سارے میرے بہن بھائی اس کے گھر یہ ساری باتیں کر کے گئے تھے۔"

اصغر، منور کا کزن تھا۔

"ہاااااا...... آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" صبیحہ نے لمبی آہ کھینچ کر کہا۔

"اسی لیے نہیں بتایا کہ میری شہزادی بیوی کا دل دکھے گا، روئے پیٹے گی۔" منور ہنسا۔

اسے جانے کیا ہوا پھر سے رو پڑی۔

"پگلی! روتی کیوں ہو، اس میں نیا کیا ہے۔ شادی کے اول روز سے تمہیں ان کی عادتیں پتا چل گئی تھیں میں نے ان کے رویے پرکھ لیے تھے۔ جب تمہیں ان کی باتوں کی اصلیت پتا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تو جیتا اور کماتا ہی تمہارے اور اپنے بچوں کے لیے ہوں سدا کماتا رہوں گا، تم دل کھول کے خرچ کیا کرو۔ کسی کی باتوں کی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، میں جو بیٹھا ہوں۔"

"ہاں یاد آیا منور! میں بازار سے نویدہ آپا کی زبانی شازیہ کی باتیں سن کر غصے اور ٹینشن میں گھر لوٹی تو شازیہ بڑے دونوں بچوں کے ساتھ ٹپک پڑی۔"

"اچھا پھر......"

"پھر کیا میرا دل دکھا ہوا تھا، مجبوری میں تیار ہوئی کہ عثمان کی طرف چلی جاؤں۔ آپ کو پتا تو ہے دن کو بچوں کو ادھر لے جاتی ہوں تو بس میں نے بھی کھانا کھا کر جانے کا نہیں کہا بلکہ صاف بتا دیا۔ دعوت پر جا رہی ہوں۔ اب شازیہ مزید پتا نہیں کتنی باتیں بنائے گی۔"

"کہا تو ہے بنانے دو۔ پرواہ ہی نہ کرو یار، میری بیوی ہو کر بزدل بن رہی ہو۔ ببر شیر جیسا جگرا ہے تیرے شوہر کا۔ شیرنی بن کر رہا کر۔"

وہ ہنستی رہی...... شریک حیات کی باتوں نے دل پر ایسی شبنم ڈالی کہ اسے منور کی باتیں سنتے سنتے

digest library.com

جانے کب نیند آ گئی۔ منور نے خود ہی کال کاٹی تھی۔

☆☆☆

علیزے کی سالگرہ کو دو دن ہو چکے تھے۔ شدید گرمی میں بھی صبیحہ پہلے جیسی پرسکون تھی، اداسی منور کی باتوں کی وجہ سے چھٹ چکی تھی۔ اس لیے وہ حسب معمول بچوں سمیت سارا وقت عثمان کی طرف گزار رہی تھی۔

"بچو!! جلدی بتا دو۔ ناشتہ کیا کھانا ہے؟"

"مما، چنے، حلوہ پوری منگوا لیں پلیز......"

اسد اللہ نے فرمائش کی۔

"مما! حلوہ پوری منگوانی ہے نا تو پھر ناشتہ ہم نے اپنے گھر ہی کرنا ہے۔ پیسے بھی ہمارے ہوتے ہیں۔ آپ ماموں کے گھر لے جاتی ہیں، وہاں آپ چھوٹے چمچے سے ذرا سا حلوہ ذرا سے چنے پلیٹ میں ڈال دیتی ہیں کیونکہ آپ نے سب کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے حصے میں اچھی طرح کھانا بھی نہیں آتا پیسے بھی ہمارے۔ کمپرومائز بھی ہم کرتے ہیں۔ علیزے لوگوں کو مفت میں ہمارے برابر کھانا مل جاتا ہے۔"

"اوئی اللہ...... تاشی تمہاری زبان کاٹنے والی ہے۔ دو تین مہینے سے میں نوٹ کر رہی ہوں ماموں ممانی کے گھر کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔ کون سکھا رہا ہے تمہیں ایسی گھٹیا باتیں...... کیا ددھیال سے ملتی ہو؟ سکول میں پھوپھیاں تو ملنے نہیں آنے لگیں؟"

صبیحہ نے بیٹی کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

تاشی ماں کی سخت گرفت میں بلبلا کر رونے لگی۔

"صبح صبح ڈرامہ شروع ہو گیا ہے، صرف ماموں کے گھر میں سکون سے رہتی ہو۔ اپنے گھر میں تو آپ دونوں ہر وقت لڑتی رہتی ہیں۔"

عبداللہ بھی بہن کی طرح ٹین ایجر تھا دونوں سمجھ دار ہو رہے تھے پر صبیحہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، کیسے بڑی ہوتی اولاد کو ہینڈل کرے۔ دونوں بچے عمر کے نازک دور سے گزر رہے تھے، ان کے جذبات ہر وقت ہائی رہتے تھے ہر چھوٹی بات بھی تاشی کو بری طرح محسوس ہوتی تھی صبیحہ اس کی کیفیت سمجھنے کے بجائے بچی کو ددھیال کے طعنے دینے لگتی تھی۔

"مما آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں حلوہ پوری ہم اپنے گھر میں کھائیں گے پیٹ بھر کر، ماموں کے گھر مجھے تھوڑا سا حصہ ملے گا۔ بائی آپ اور ممانی پراٹھا سامنے رکھ دو گے۔" اسد اللہ نے بھی منہ بسور کر بہن کی تائید کر ڈالی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم ناشتہ کر کے ماموں کے گھر جائیں گے۔" عبداللہ نے بڑا بیٹا ہونے کے ناتے بات ختم کی اور اپنی سائیکل لے کر حلوہ پوری لینے چلا گیا۔ صبیحہ نے واشنگ مشین میں کپڑے ڈالتے ہوئے اپنے موبائل کی بیل سنی تھی۔

"تاشی! دیکھو کس کی کال ہے تمہارے بابا تو اس وقت کام پر ہوتے ہیں۔ کسی اور کی ہو گی۔"

"مما! چھوٹی ممانی کال کر رہی ہیں لیکن آپ کے فون کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہے، فون بند ہو چکا۔"

"فون کیسے بند ہو گیا۔ میں نے تو اٹھتے ہی چارج پر لگایا تھا۔"

"مما صرف چارج پر لگایا۔ بٹن آن کرنا بھول گئیں۔"

"لو میں سمجھی بٹن آن ہے، کس نے آف کیا تھا؟"

"میں نے آف کیا تھا مما! ہمارے فزکس کے سر نے کہا ہے، سارے گھر کے سوئچ آف رکھا کریں ضرورت کے وقت ہی آن کرنے چاہئیں۔"

"اب سوئچ آن کرو تا کہ میرا فون چارج ہو جائے۔ تمہارے فزکس کے سر کی وجہ سے بند فون میرا سر درد بن گیا ہے۔ ایسا کرو عبداللہ کے موبائل سے ممانی کو کال ملا کر دو۔ اس سے بات تو کر لوں جب تک میرا فون چارج ہو گا۔ کیا پتا وہ مصروف ہو جائے۔"

"ذیشان، بچے سب ٹھیک ہیں؟"

"جی آپی ٹھیک ہیں۔"

"بڑے دنوں بعد یاد کیا۔"

”آپ نے تو نہیں کیا نا، میں نے ہی کیا ہے آپ کو تو بس نیہا بھابھی اور ان کے بچے ہی پیارے ہیں۔“

”حق ہا!!!!...... کیا بول رہی ہو فائزہ، مجھے تو ذیشان، تم اور تم لوگوں کے بچے بھی اُتنے ہی پیارے ہیں۔“

”جانے دیں آپی! صرف منہ دیکھے کی باتیں ہیں۔ روکھا سوکھا پیار۔“

”کس نے کہہ دیا روکھا سوکھا پیار؟“ اس کے لاڈ بھرے نروٹھے انداز اور شکوے صبیحہ کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گئے۔

”علیزے کی سالگرہ پر آپ نے اسے گولڈ کے ٹاپس دیے، پچھلے مہینے عثمان بھائی کا بجلی کا آدھا بل بھرا۔ راشن سبزی سب آپ منگوائی ہیں، ان کے گھر ان سے شیئر کر کے کھاتی ہیں۔ ہم پھر بھی روکھا سوکھا پیار نہ کہیں؟“

”فائزہ! تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟“ صبیحہ اب سنجیدہ ہو گئی، لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے تاشی بھی ساری گفتگو سن رہی تھی۔

”خبر مل ہی جاتی ہے، الگ شہر ہونے کی وجہ سے بس ذرا تاخیر سے خبر پہنچتی ہے پر پہنچ ضرور جاتی ہے۔“ اب فائزہ ہنس رہی تھی۔

اس کی کال کے دوران ہی عبداللہ ناشتہ لے آیا لاؤڈ اسپیکر پر بات کرتے ہوئے اس نے ناشتے کے لوازمات بھی سجا لیے۔ عبداللہ نے دسترخوان پر بیٹھتے ہوئے اے سی کو سولہ پر سیٹ کیا تو صبیحہ کو بولنا پڑا۔

”عبداللہ! ایک تو ابھی سے اے سی آن کر لیا ہے۔ اوپر سے سولہ پر سیٹ کر دیا۔“

”مما، میں سائیکل چلا کر آ رہا ہوں، گرمی سے میری جان نکلنے والی ہو گئی ہے۔“

”اللہ نہ کرے، کیسی بدفال منہ سے نکال رہے ہو۔“

”آپی، مانی کہہ رہا ہے پھوپھو اسے بھی عبداللہ بھائی جیسی سائیکل لے کر دیں۔“

فائزہ نے اسے پھر سے کال کی طرف متوجہ کیا سائیکل لفظ سن کر ساتھ ہی اپنے مطلب کی بات بھی کر ڈالی۔

نیہا اور اس کی دیورانی جیٹھانی والی جنگ چلتی رہتی تھی ان حالات میں صبیحہ کو اکلوتی نند ہونے کی وجہ سے مشکل بھی پیش آ جایا کرتی تھی جیسے ابھی فائزہ مکمل ناراض تھی۔ اسے جب تک علیزے کے تحفے کے برابر شے نہ مل جاتی اس نے چین نہ لینا تھا۔

”پھوپھو قربان جائے جب میرے پاس آئے گا تو اپنے شہزادے کو سائیکل بھی لے دوں گی۔ ویسے فائزہ تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟“

”عثمان بھائی نے ذیشان کو بتایا۔ ذیشان نے مجھے۔ دراصل ذیشان نے عثمان بھائی کو کال کی تھی کہ ہمارے پچاس ہزار واپس کر دیں ہمیں ضرورت ہے، آگے سے عثمان بھائی نے کہا کہ ان کے حالات تنگ چل رہے ہیں۔ بزنس سیٹ نہیں ہوا۔ گھر کا خرچا تک آپ کی وجہ سے چل رہا ہے بجلی کا بل، پانی کا بل، کچن وغیرہ سب میں آپ مدد کرتی ہیں۔ علیزے کے گفٹ کا خود علیزے نے بتایا ہے۔ میں نے علیزے کو برتھ ڈے وش کرنے کے لیے کال کی تھی تب اس نے بتایا۔“

”ہاں بس ایسا ہی ہے، عثمان کا کاروبار اچھا نہیں چلتا اسی لیے اس کے ساتھ تھوڑا بہت تعاون کر دیتی ہوں۔ سونے کے ٹاپس نہیں لونگ ہیں اتنے مہنگے ٹاپس مجھ سے کہاں خریدے جاتے بھلا۔ فائزہ تم لوگ بھی پچاس ہزار کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو، پتا تو ہے۔ اس کے حالات ٹائٹ چل رہے ہیں۔“

”ارے آپی! کوئی حالات ٹائٹ نہیں ہیں۔ ان کا کاروبار بہت اچھا جا رہا ہے چھ لاکھ کی کمیٹی اسی مہینے نکلے گی۔ دیکھنا کسی کو بھاپ بھی نہ لگنے دیں گے۔ دونوں میاں بیوی ملی بھگت سے آپ کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ سدا کی بھولی لٹتی جا رہی ہیں ساتھ ہمیں بھی کہہ رہی ہیں۔ پچاس ہزار چھوڑ دیں۔ نہ بابا حق حلال کی کمائی ہے۔ ایسے کسی کو کیسے بخش

ویں اتنا حوصلہ آپ ہی کا ہے جو کبھی بل بھرتی ہیں تو کبھی واش بیسن بدلوا کے دے رہی ہوتی ہیں۔"

صبیحہ نے ناشتے کی پلیٹ دھکیل کر پیچھے ہٹائی اور بہن بھائیوں کو ایک دوسرے کا احساس کرنا چاہیے پر دلائل کا آغاز کیا۔

"دیکھو فائزہ! تم دونوں مجھ سے عمر میں بھی چھوٹی ہو اور رشتے میں بھی، اس لیے سمجھانا میرا فرض بنتا ہے، یہ ہم عورتیں ہی ہیں جو بھائیوں کو بھائیوں سے دور کرتی ہیں، میرے دو ہی بھائی ہیں۔ میرا دل کرتا ہے تم لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ نبھاؤ احساس کرو۔"

"آپی! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ہم اور آپ اکیلے احساس کرتے رہیں اور وہ پیٹھ پیچھے ہمیں بے وقوف کہتے رہیں ایسے احساس سے ہم بے احساس ہی بھلے۔"

"کون کس کو بے وقوف کہتا ہے۔"

"کہنے والے تو آپ کو بھی کہتے ہیں میں نام لوں گی تو آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ اس لیے رہنے ہی دیں۔ آپی میں پھر کال کرتی ہوں۔ انوشے کو فیڈر دے دوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ۔"

"دونوں ماموں اور ممانیاں ایک دوسرے کے بہت خلاف ہیں۔ میں نے نوٹ کیا تھا خاص کر فائزہ ممانی تو بیسا ممانی سے بہت چڑتی ہیں ہے نا مما؟"

"ہوں بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔"

عبداللہ نے بات کرتے ہوئے بہن کے دوپٹے سے چکنے ہاتھ صاف کیے تو وہ چیخ ہی پڑی۔

"بدتمیز، جاہل۔"

"تم خود ہوگی۔"

"بس کر دو دونوں، کبھی تو سکون کرلیا کرو۔ تاشی! چیخنے کی کیا ضرورت ہے دوسرا دوپٹہ لے لو واشنگ مشین چل رہی ہے۔ میں دھو دیتی ہوں۔"

ماں کی حمایت پر عبداللہ نے بہن کو مزید چڑایا تو اس نے ماں کے ہاتھ سے اس کا موبائل پکڑ لیا۔

"تمہارا ابھی علاج کرواتی ہوں۔ میں نے تمہارے سیل پر کال ریکارڈنگ آن کر رکھی ہے ابھی مما کو سناتی ہوں کس کس سے کال کرتے ہو۔ کون سے دوست کے ساتھ پروگرام بنا کر ٹیوشن سے گیم کھیلنے جاتے ہو۔"

"میں جاتا ہی نہیں ہوں نہ میں کسی کو کال کرتا ہوں نہ مجھے کسی کی کال آتی ہے۔"

"ابھی پتا چل جائے گا موٹو! تم دیکھنا ذرا۔"

"بے شک ساری ریکارڈنگ چیک کرلو۔ کچھ نہیں ملے گا۔ مما نے ماموں کی بیٹھک میں ٹیوٹر کو بلوا کر سارے راستے بلاک کر رکھے ہیں۔"

صبیحہ اپنے گھر کے بجائے ٹیوٹر اپنے بھائی کے گھر بلاتی تھی۔ عبداللہ بہن کو چڑاتے ہوئے واش روم میں گھسا تو صبیحہ تاشی کا دوپٹہ لے کر باہر واشنگ مشین کے پاس چل دی۔ وہ تار پر سوکھنے کے لیے کپڑے ڈال رہی تھی جب پیلے فق رنگ کے ساتھ تاشی نے اس کے ہاتھ میں عبداللہ کا فون تھمایا۔

"مما! ممانی اور فریحہ آنٹی کی کال ریکارڈنگ ہے، میں نے عبداللہ کے فون پر اسے بتائے بغیر ریکارڈنگ آن کی تھی۔ آپ کو پتا ہی ہے ممانی کا پیکج نہ ہو تو وہ ہم سے موبائل لے کر کال کرتی ہیں۔ ممانی نے عبداللہ سے موبائل لے کر فریحہ آنٹی سے بات کی جو ریکارڈ ہوگئی ہے۔ آپ سن لیں۔ میں نے تھوڑی سی ہی سنی ہے۔ آپ کے ہی خلاف ہے۔"

تاشی کا پیلا فق رنگ اور بھری ہوئی آنکھیں بتا رہی تھیں۔ اسے ماں کے بارے میں کی گئی گفتگو سے کتنی تکلیف پہنچی ہے، اس نے فوراً موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ رسمی کلمات کے بعد کی گفتگو وہ اکیلے کمرے میں بیٹھ کر سننے لگی۔ بچے اے سی روم میں تھے۔

☆☆☆

"میری نند بھی تو چورنی ہی ہے، اپنے میاں سے چوری عثمان کو پیسے دے دے کر اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

digest library.com
Digest Novels .com

”آہستہ بولو۔ کہیں عبداللہ نہ سن لے۔“

”اس کا ٹیوٹر آ گیا ہے۔ اب ٹیوشن پڑھے گا اس لیے گھنٹہ بھر اطمینان رکھو۔ بڑی مشکل سے آج تم سے بات کرنے کا موقع ملا ہے وہ ماں بیٹی خوش قسمتی سے اپنے گھر ہیں۔ میرا پیکج نہیں تھا اس لیے عبداللہ سے موبائل لائی ہوں۔ کچھ پتا چلا امی کے گھر بھابھی اور اس کی چھٹانک بھر کی سپوتری نے شور ڈالا ہوا ہے کہ میں اور تم بھتیجی کو تحفے نہیں دیتیں اور یہ کہ میری نند تو میری غلام ہے۔ میرا سارا کام وہ کرتی ہے۔ قیمتی تحفے وہ دیتی ہے۔ بدلے میں، میں پھر بھی اسے جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں۔ کاش ہمارا بھائی مجھے بھی میری نند جیسی نند بننے کا موقع دیتا تو بھابھی کو لگ پتا جاتا۔“

”اف اللہ، اس صبیحہ کی وجہ سے تمہیں کس کس مصیبت سے گزرنا پڑتا ہے۔“

”تو اور کیا...... اس عورت نے اول روز سے بھائیوں کو گود لے رکھا ہے۔ ذیشان کا سر گود ھا بیاہ ہوا اور فائزہ کی اس سے جان چھوٹ گئی پر میری تو ساری زندگی نہیں چھوٹنی، گھر ساتھ ہے۔ اوپر سے عثمان نے علیزے بھی اسے ہی دینی ہے، اگر عبداللہ باپ کی طرح باہر ملک گیا تو، میری زندگی میں یہ عورت اور اس کے پیدا کردہ مسائل تو لازم ملزوم ہیں۔ بھائیوں کو منا کا کا بنا رکھا ہے۔ صبح اٹھتے ہی ادھر حملہ کرتی ہے رات گئے واپس جاتی ہے۔ اس کی بھائی پرستی نے جہنم دہکا رکھا ہے، ہمارا میاں بیوی کا رشتہ ہی نہیں پنپنے دیا جو بات میں نے عثمان کو سنانی ہوتی ہے یہ مجھ سے پہلے سنا دیتی ہے، جب میں بولنے لگتی ہوں وہ کہتا ہے۔ آپی نے بتا دیا ہے۔ اس نے میرے بات کرنے کو بھی بات ہی نہیں چھوڑی۔“

”نیہا اپنا بلڈ پریشر نہ ہائی کرو ہزار بار تو تم نے یہ دکھ شیئر کیا ہوا ہے۔ کوئی نئی بات تھوڑی ہے جو جذباتی ہو رہی ہو۔“

”لاکھ بار بھی اس پر بول لوں تو دکھ کم نہیں ہوگا میں تمہیں اس کیفیت کا بتا نہیں سکتی جب میں نے بچوں کی کوئی بات عثمان سے خود شیئر کر کے خوشی بانٹنی ہوتی ہے، یہ مجھ سے پہلے، زیادہ ماں بنتے ہوئے اسے پکڑ کر ساری بات بتا دیتی ہے پھر میرا موڈ آف دیکھ کر عثمان مجھے سڑیل اور پتا نہیں کیا کیا کہتا ہے۔ میری تو یہی سمجھ میں نہیں آتا یہ بھتیجے بھتیجی سے اتنا پیار کر کیسے لیتی ہے آج کل تو ایسی پھوپھیاں کہیں نہیں ہیں پھوپھو پر جتنی میمز بنی ہوئی ہیں، اسی سے اندازہ لگا لو۔“

”یہ ان پرانے زمانے کی عورتوں میں سے ہے جنہیں شوہر اور اولاد عزیز نہیں ہوتی۔ بابل بابل کرتی بین ڈالتی رہتی ہیں بھائی اور ان کی اولاد کو ہی اپنی نسل سمجھتی ہیں۔ بھابھی کی خوشامد کرتی ہیں کہ میرے باپ کی نسل آگے بڑھا رہی ہے، باپ بھلے انہیں وراثت سے عاق کر کے مرا ہو۔ ان کے ڈرامے ختم نہیں ہوتے۔ فریحہ! مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کس مٹی سے بنی ہے یہ عورت، جتنا مرضی منہ بنا لوں یہ جان نہیں چھوڑتی۔ الٹا مزید آگے پیچھے پھرنے لگتی ہے۔ کاش اس کی سمجھ میں آئے اس نے کس طرح میرا دل خالی کیا ہوا ہے۔ اپنے بھائی کو لالچی بنا دیا ہے، میری اولاد بھی یہ بات سمجھ چکی ہے۔ پھوپھو سے پیسے نکلواتے ہیں۔ یہ سب عثمان نے جان بوجھ کر انہیں سکھایا ہے۔ اسے احساس ہی نہیں ہے کہ شوہر پر ظلم کر رہی ہے، شوہر کی کمائی چوری چوری کھلا کر اپنی طرف سے رشتے جوڑ کر رکھنے والی دادی اماں بنی پھرتی ہے۔ اتنی رشتے جوڑنے والی تھی تو سسرال سے بھی جڑ کر رہتی نا۔“

”ہاں بالکل۔ ان کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں شوہر کو بھڑکا بھڑکا کر اپنے بہن بھائیوں سے بدظن کر رکھا ہے اور تم دیکھو ہماری بھابھی صاحبہ اس کو آئیڈیل نند کہتی ہیں۔“

”میں نے سینکڑوں بار بتایا ہوا ہے، یہ چڑیل صبیحہ پوری ڈاکو رانی ہے، میاں کو زیادہ خرچے بتا بتا کر چوری بھتیجی بھتیجوں کو تحفے دیتی ہے۔ سارا

digest library.com

سسرال اس کی چوریوں کو جانتا ہے۔ بس منور ہی اندھا یقین رکھتا ہے۔ ہم اس عورت کی طرح چوریاں نہیں کر سکتیں نہ ہمارے خاوند ہمیں خرچا دیتے ہیں۔ عثمان منہ پر ہنس ہنس کر بہن سے مدد لیتا ہے۔ میرے سامنے کہتا ہے عورت سے بڑا چور کوئی نہیں۔ تمہیں ذرا سی رقم پکڑا دوں تم۔ بھی آپی کی طرح مجھ سے چوری میکے کو کھلا دو گی۔ کیا بتاؤں فریحہ عثمان تو آج کل میرا پرس بھی چیک کر رہا ہے کہ کہیں میں بھی اس کو لوٹ تو نہیں رہی۔

دو مہینے کا بجلی کا بھاری بل آیا تو عثمان میرے ساتھ لڑ رہا تھا۔ جیسے میرا قصور ہے اوپر سے یہ پھاپھے کٹنی عورت آ گئی، فوراً چالیس ہزار عثمان کے ہاتھ پر رکھ دیے کہ باقی خود سے ڈال کر بل بھر دو۔ کسی کو پتا نہ چلے۔ رات کو جب اپنے گھر دفع ہو گئی تو میں نے کہا تمہیں بھی اپنی بہن جیسی بیوی ملنی چاہیے تھی۔ کہتا ہے۔ دوسرے دن کاغذ ہاتھ میں پکڑا دیتا، ایسی بیوی کس کام کی جو شوہر سے مخلص نہ ہو۔ میں نے بھی صاف کہہ دیا کہ بہن کو بھی شوہر سے مخلص رہنے کا پاٹھ پڑھا دو۔''

''ابھی تو میاں باہر بیٹھا کما کما کر ریال بھیج رہا ہے۔ یہ عیاشی کر رہی ہے لٹا رہی ہے۔ کل جب میاں واپس آ گیا تو شاید تم لوگوں سے مدد مانگا کرے یا دیے ہوئے پیسے واپس مانگے۔ عثمان کو تب لالچ کی سزا ملے گی۔''

''ارے نہیں فریحہ، ایسی نہیں ہے وہ، بس بے وقوف ہے اچھا بننے کے لیے سب کرتی ہے، چوری کی وجہ سے کسی سے بھی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ اس کی تو ہر بار پیسے دیتے ایک ہی بات ہوتی ہے۔ کسی کو پتا نہ چلے منور کو خبر نہ ہو۔ ذیشان دور رہتا ہے۔ دیتی دلاتی تو اس کے بچوں کو بھی کافی کچھ ہے لیکن عثمان پاس رہنے کی وجہ سے زیادہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ذیشان، مجھے عثمان سے کم بے مروت لگتا ہے لیکن عثمان ہمارے بھائیوں سے بڑھ کر بے مروت ہے، اگر کبھی اس نے کچھ واپس مانگا تو ایک منٹ میں ہاتھ پکڑ کر اسے گیٹ سے باہر کر دے گا۔ اس کے پاس ایک بھی ثبوت نہیں منور کے تو فرشتوں کو خبر نہیں۔ یہ عورت کیا کرتی ہے۔''

''آئے ہائے! بس ہم بہنوں کی یہی قسمت ہے جتنی مرضی جان دے لیں۔ بھائی پھر بھی ہاتھ پکڑ کر نکال دیتے ہیں۔''

''چوبیس گھنٹے ادھر رہتی ہے۔ چھوٹے خرچ بنا کہے پورے کر دیتی ہے۔ عثمان کی سوچ ایسی بنا دی ہے کہ بہنیں بھائیوں پر نچھاور ہونے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ ان کے پیسے دھیلے پر بھائی کا پہلا حق ہے۔ کنجوس ایسا ہو گیا ہے کہ میں جتنا مرضی رو پیٹ لوں مجال ہے۔ پاکٹ منی کے نام پر دھیلا بھی دے دے۔ کہتا ہے۔ روٹی کپڑا رہائش سب تو مل رہا ہے پیسے کیا کرنے ہیں، صبیحہ آپی کی طرح کرو گی۔ منافقت دیکھو اس شخص کی...... اپنی بہن کا کھا رہا ہے، بیوی اپنے بھائی سے سوکھی محبت سے بات کر لے تو بھی فکر پڑ جاتی ہے۔''

''بہنا مجھے تو منور کی سمجھ نہیں آتی۔ کیا ذرا بھی حساب نہیں لیتا، ایسا کاٹھ کا الو تو کبھی نہ دیکھا۔''

''وہ سچ میں کاٹھ کا الو ہے۔ میں نے نوٹ کیا ہے اسے اُس سے کوئی خاص لگاؤ نہیں جبکہ وہ تو اس کے عشق سے ہی نہیں نکل رہا۔''

''غلط کر رہی ہے صبیحہ۔ ایسے محبت کرنے والے شوہر کا استحصال کرنا بہت برے نتائج دیتا ہے، خود نوکری کر رہی ہوتی تو جیسے مرضی جس کو مرضی کھلاتی اس کی اپنی کمائی پر اسی کا حق تھا پر میاں کی کمائی اس سے چوری چھپے دوسروں پر لگانا اچھی عورتوں کا کام نہیں۔''

''یہی تو میں کہتی ہوں، اپنی کمائی ہوتی تو جو مرضی کر لیتی پر یہاں مفت دل بے رحم والا حال ہے۔ سسرالیوں کو منہ نہیں لگاتی۔''

''میں تو کہتی ہوں، عثمان بات کرنے پر لڑتا ہے تو تم ایک بار پھر سے صبیحہ کو اکیلے میں سمجھا کر دیکھ لو کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ عثمان اور اپنے بچوں کا بھی

نقصان کر رہی ہے۔ اپنے بچوں کا بھی حق غصب کر رہی ہے۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہے فریحہ! وہ عورت ناشتہ بھی بھائی کے ساتھ کرنا پسند کرتی ہے، میری بات کو بھابھی والی جیلسی سمجھ کر بغض ہی پالے گی۔ عثمان کو بھی لازمی بتائے گی، وہ عثمان سے بات کیے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ عثمان کے مزاج کا تو تمہیں پتا ہے۔ مجھے صاف کہتا ہے، تمہیں میرا بہن سے مدد لینا نا پسند ہے تو دفع ہو جاؤ، امی کے گھر ہم بہنوں کو بھائی بھابھی نارمل حالات میں برداشت نہیں کرتے، لڑائی کے بعد تو گیٹ پر بھی نہیں کھڑے ہونے دیں گے۔ مجھے تو امی نے صاف کہا ہے۔ اب دو تین مہینے اُدھر کا چکر بھی نہ لگاؤں تاکہ بھابھی صاحبہ بات بھول سکیں، بھائی کا مزاج بھی ذرا ٹھنڈا ہو سکے۔"

"امی نے تمہیں ایسے کہا ہے تو مجھے بھی کہہ دیں گی۔ فکر نہ کرو۔"

"فریحہ! میں سوچتی ہوں اس جہان خراب میں بہن کتنی بڑی نعمت ہے ہم متوسط طبقے کی عورتیں اپنے غم اور مسائل والدین یا شوہر سے بھی کھل کر ڈسکس نہیں کر سکتیں، صرف بہن سے ہی کر سکتی ہیں۔"

ایسی شدید گرمی میں اسے اتنا ٹھنڈا پسینہ آیا کہ بدن اینٹھنے لگا۔ حد سے سوا درد کی لہر میں اس نے کانپتے ہاتھوں سے ان دونوں بہنوں کی ریکارڈنگ ڈیلیٹ کی۔

☆☆☆

"ہائے ماں! میری چوریوں نے تم بہشتن کو بھی کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ اماں تم زندہ ہوتیں تو میں دھاڑیں مار مار کر گلے لگ کر پوچھتی، مجھے خود سے چھوٹے بھائیوں کی ماں کیوں بنا گئیں؟ مجھے پہلے دن شوہر سے چوری بھائی کی مدد کرنے پر منع کیوں نہیں کیا۔ وہ دونوں بہنیں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کون سا میری کمائی تھی جو آپ اور عثمان خوش ہو کر پکڑ لیتے تھے۔"

"مما! آپ کس سے باتیں کر رہی ہیں؟"

اسد اللہ اور تاشی بخار میں پھنکتی روتی بلکتی ماں کو اکیلے گفتگو کرتے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"عبداللہ جلدی جاؤ۔ ماموں کو بلا کے لاؤ۔ مما کو بخار چڑھ گیا ہے۔" تاشی نے ماں سے سنی ہوئی ٹرم بھائی کے گوش گزار کی۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں میرا بچہ، اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔ کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ صرف دو پیناڈول دے دو اور جا کر ٹی وی دیکھو۔ پریشان نہیں ہونا۔ میں شام تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"مما! ماموں کے گھر چلتے ہیں۔" وہ تینوں یک زبان تھے۔

"نہیں بیٹا، میں اپنے گھر میں ٹھیک ہوں آپ تینوں بھی اپنے گھر رہو۔ جاؤ شاباش مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

اماں، مجھے لگتا تھا، میری نندیں اچھی بہنیں نہیں ہیں۔ بھائی بھابھیوں کا خیال نہیں رکھتیں۔ سازشیں کرتی ہیں، بھابھی کی مدد نہیں کرواتیں بھابھی کے نخرے نہیں اٹھاتیں۔ میں تو بھابھی کے نخرے اٹھا رہی تھی بھائیوں سے پیار کر رہی تھی۔ بھتیجے بھتیجیوں پر جان چھڑک رہی تھی، مجھے پتا ہی نہیں چلا کب اچھا بننے کے لیے سب خراب کر ڈالا۔ مجھے تو آج پتا چلا۔ میری نندیں مجھ سے بہت اچھی ہیں اپنے شوہروں سے مخلص ہیں، ان کے پیسے چوری کر کے بھائی بھابھیوں تک نہیں پہنچاتیں بس وہ نند بھابھی والی چپقلش نہیں چھوڑتی تھیں، میرے نخرے نہیں اٹھاتی تھیں لیکن وہ اپنے شوہروں کی اچھی بیویاں ہیں۔"

دوائی اور بخار نے اثر دکھا دیا تھا وہ غنودگی میں چلی گئی۔

گہری نیند میں اسے عبداللہ دور سے پکارتا لگ رہا تھا بالآخر اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا گیا۔

"مما، نذر حسین انکل آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" عبداللہ کی بھری آنکھیں، سُتا چہرہ اور

سراسیمہ سے تاشی اور اسد اللہ ...... کئی لمحے اسے حواس کی دنیا میں آتے لگ گئے۔

"بھابھی! مجھے پتا چلا ہے آپ بھی بیمار ہیں لیکن مجبوری ہے، بات کیے بنا چارہ نہیں ہے۔"

کسی انہونی نے صبیحہ کا بخار زدہ جسم مزید اکڑا ڈالا۔

"بھائی! خیر ہے منور کہاں ہیں؟"

"بھابھی! منور بھائی کے ساتھ حادثہ پیش آیا ہے وہ ہسپتال میں ہیں۔"

"الٰہی خیر......" اس کی چیخیں نکل گئیں۔ آج ہی اس شخص کی اہمیت پتا چلی تھی اور آج ہی وہ ہسپتال جا پڑا تھا۔

"میری بہن! بات سنیں۔" پر سنتا کون......

"بھابھی پہلے میری بات تو سنیں...... شکر کریں، جان بچ گئی ہے، کوئی خاص جسمانی نقصان نہیں ہوا۔ ٹانگ فریکچر ہوئی ہے سر پر چار ٹانکے لگے ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہوش آ جائے گا۔"

"یہ سب کیسے ہوا بھائی؟" وہ اور بچے زار و قطار رو رہے تھے۔ پردیس کیوں پردیس ہے آج یہ حقیقت بھی اس پر کھل گئی۔

"عمارت کی تیسری منزل کی تعمیر جاری ہے پیر پھسلا اور نیچے آ گرا۔"

اسے حادثے کی تفصیل بتا کر نذر حسین نے اگلا مرحلہ بھی سمجھایا......

"بھابھی یہاں علاج بہت مہنگا ہے۔ منور کی ٹانگ کے آپریشن کے لیے سینکڑوں عمانی ریال درکار ہیں کمپنی میڈیکل چارجز بعد میں ہماری ہی سیلری سے کاٹتی ہے۔ اس لیے میں نے آپ سے مشورہ کیے بغیر اس کا یہاں آپریشن کروانے سے منع کر دیا ہے۔ میں اسے پاکستان آپ کے پاس بھیج رہا ہوں سستا اور بہترین علاج ہو جائے گا۔ ہر طرح کے تعاون کے لیے ہم ہر وقت رابطے میں رہیں گے۔ اگر یہاں سے کرواتے تو کم سے کم بھی ڈیڑھ سال منور کمپنی کا مقروض ہو جاتا یا پھر کمپنی میڈیکل بیس پر اگر اسے نوکری سے نکالنے کا فیصلہ کرتی ہے تو پہلے اسے لم سم اماؤنٹ میں پے منٹ ادا کرنی پڑے گی ورنہ کمپنی قانونی چارہ جوئی کر سکتی ہے۔ یہاں سے ریال کما کر پاکستانی روپے کا قرض اتارنا بہت آسان ہے لیکن پاکستان سے ریالوں کا قرضہ اتارنا آپ کے لیے ناممکن ہو جائے گا۔ آپ بات سمجھ رہی ہیں نا؟"

"جی میں سمجھ گئی۔"

اسے فلائٹ کی ٹائمنگ اور ایئرپورٹ وقت پر پہنچنے کا کہہ کر اس نے کال ختم کی۔

digest library.com

☆☆☆

حالات ایسے بن چکے تھے کہ اسے اپنے بخار سمیت باقی کچھ یاد نہ رہا سوائے منور کے، اس لیے عثمان اور دیور کے ساتھ وہ خود ایئرپورٹ پہنچی تھی۔ سوجا ہوا چہرہ، پٹیوں میں جکڑا سر، عارضی پٹیوں سے باندھی گئی ٹانگ ...... درد سے کراہتا بے حال وجود منور حسین تو لگا ہی نہیں۔ پھٹتے کلیجے کے ساتھ دیور اور عثمان کے مشورے پر وہ لوگ گھر کے بجائے شہر کے اچھے آرتھوپیڈک سرجن کے کلینک پہنچے تھے۔

"سر، ایک لاکھ چالیس ہزار جمع کروا دیں تا کہ ہم پیشنٹ کو اوٹی لے جا سکیں۔ ڈاکٹر صاحب خاص آپ کے مریض کے آپریشن کے لیے واپس کلینک پہنچنے والے ہیں۔"

دیور اور بھائی دونوں نے اس کی طرف دیکھا......

"بینک سے نکلوانے پڑیں گے۔ میرے دماغ نے کام نہیں کیا ورنہ پہلے نکال کر رکھتی۔"

"ابھی نکال لاتے ہیں۔" عثمان نے فوراً پیشکش کی۔

"آپ لوگ میرے بھائی کو اوٹی شفٹ کریں میں یہیں ہوں۔ بھابھی بینک سے رقم لا کر ابھی جمع کروا دیتی ہیں۔"

"نہیں سر! پے منٹ ایڈوانس ہے۔ ہم اس

وقت تک کوئی ٹیسٹ تک نہیں کر سکتے جب تک پے منٹ نہیں ہوگی۔" ریسپشنٹ نے خشک انداز میں بات ختم کی تو منور کی دل سوز آوازوں سے گھبرا کر، وہ فوراً ہسپتال سے نکلی تھی تاکہ گھر سے چیک بک لے کر بینک سے پیسے نکلوا سکے۔

"گھر میں آپ کے پاس کتنے پیسے پڑے ہیں آپی؟"

روٹین کے خرچ کے پیسے پڑے ہوں گے بس۔" اس نے ستے چہرے کے ساتھ جواب دیا۔

"کتنے؟"

"دس ہزار کے قریب تو ہوں گے۔"

"بہت تھوڑے ہیں۔ دو لاکھ کا چیک کاٹیں ہسپتال، دوا وغیرہ کے باقی اخراجات بھی ہوں گے۔ یہ تو پنڈلی کا سمپل فریکچر ہے تو تھوڑے پیسے لگ رہے ہیں اگر گھٹنے کا مسئلہ ہوتا تو چار پانچ لاکھ کہیں نہ گئے تھے۔"

اس نے سر ہلا کر دو لاکھ رقم چیک پر لکھ لی۔

آپریشن تھیٹر جانے سے پہلے منور نے ٹانگ کے درد سے بہ دقت بولتے ہوئے اس سے کہا تھا جیب میں کچھ عمانی ریال ہیں وہ نکال لو۔

"بھابھی! آپ کو تو سخت بخار ہے۔ چلیں ڈاکٹر کو چیک کروالاؤں۔"

منور کا آپریشن چل رہا تھا اس کے سارے بہن بھائی ہسپتال میں موجود تھے شازیہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اسی نے صبیحہ کا بخار محسوس کیا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں چیک اپ کے بعد اسے بھی فوراً بیڈ دے کر ڈرپ لگا دی گئی۔ اب وہ دونوں میاں بیوی ہسپتال کے بیڈ پر بیمار پڑے تھے۔ بچے حسرت کی تصاویر بنے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"آپی! پیسے دیں میں کھانے پینے کا سامان لا دوں، دو دن سے ہسپتال کی وجہ سے دکان پر بھی توجہ نہیں دے سکا۔ شکر ہے ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔ آپ کا بخار بھی اتر گیا ہے۔ اب آپ خود سب کر سکتی ہیں۔ ایسا کریں اکٹھا ہی سبزی گوشت اور فروٹ منگوا لیں، منور بھائی کو اچھی خوراک کی ضرورت ہے آپ کو بھی اور آنے جانے والوں کو بھی کچھ نہ کچھ تو کھلانا ہی پڑے گا۔ ویسے آج تو سب کو کھانا کھلانا چاہیے ایسا کریں آلو گوشت بنالیں روٹیاں تنور سے لگوالیں آج کے بعد کسی کو بھی کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں۔"

آدھا گھنٹہ پہلے گھر پہنچے تھے۔ اب وہ خاموش کھڑی ماں جائے کی باتیں سن رہی تھی جس نے دو دن ہسپتال میں بمشکل دس منٹ کے دو چکر لگائے تھے۔ باقی سارا وقت منور کے بھائی پاس رہے لیکن پھر بھی اس کا کاروبار متاثر ہو گیا تھا۔ وہ جو محبت میں ہی اس کے گھر دعوتی کھانا آئے دن اپنے پیسوں سے بناتی تھی، اس بھائی نے ضرورت میں ایک دن بھی اپنے گھر سے کھانا بنوا کر بہن کے گھر لانے کی کوشش نہ کی۔

"آپی، جلدی کریں۔ ایک گرمی نے مت ماری ہوئی ہے، اوپر سے آپ پیسے دینے میں اتنا وقت لے رہی ہیں جیسے بینک سے نکلوانے ہوں۔"

ہر مہینے میں کئی ہزار اس کے گھر میں راشن پر خود خرچ کر دیتی ہوں۔ کبھی جتایا تک نہیں اور یہ آج کے لیے آلو گوشت نہ لا کر دے سکا۔ اس نے ساری گروسری کیا کر کے لانی۔"

دماغ میں خیالات ریل کی طرح چل رہے تھے وہ بولتا جا رہا تھا۔

"نیہا، فریحہ سے کال پر بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔" وہ اپنی ہی سوچے جا رہی تھی بلکہ اب تو آنکھیں اور دماغ کھول کر سب دیکھ اور محسوس کر رہی تھی، پر جانے کیوں ابھی مکمل بھروسا نہ ٹوٹا تھا اس لیے کہہ دیا۔

"ایسا کرو نیہا سے کہو سالن وہ اپنے گھر سے بنا کر لے آئے۔ روٹی تم تنور سے لا ہی دو گے۔"

"تو پیسے تو دو آپی! گوشت وغیرہ دوں گا تو ہی وہ بھی بنائے گی۔ بلکہ ادھر ہی آ کر پکا لے۔ اُدھر بھی مسالے اور گیس بھی خرچ ہوگی۔ آپ اور بچوں کے

لیے بنانا ہوتا تو ٹھیک تھا۔ اب یہ جو پورا جنجال پورہ آپ کے گھر بیٹھا ہے۔ اتنا زیادہ سالن بنانے میں بھی اچھا خاصا خرچا ہو جائے گا۔"

اس کا بھائی حساب کتاب کا پکا تھا اسے معلوم تھا لیکن وہ اس درجہ بے مروت و بدلحاظ ہے کہ مرچ مسالے گھی اور گیس تک نوٹ کرتا ہے اب پتا چل رہا تھا۔ کئی ہزار ہمیشہ کی طرح خاموشی سے اس کی مٹھی میں منتقل کر دیے۔

سسرال کا سوچتے ہوئے بھی مجھ جیسی عورت کو شرم آنی چاہیے جس نے شادی کے چند دن بعد سے شوہر کا کمایا مال میکے پر بے دریغ خرچ کرنا شروع کر رکھا تھا۔ جب بھائی مجھ سے فائدہ اٹھا کر ایک دن مجھے اور میرے مہمانوں کو روٹی نہیں دے سکتا تو سسرالیوں کو توان کے بھائی کی کمائی سے بھی روٹی کا نوالہ میں نے لینے نہ دیا، وہ کیوں ہم پر خرچ کرتے پھریں۔"

وہ سنک کے کنارے پر دونوں ہاتھ ٹکائے زار وقطار روتی گئی۔ اس سے فیصلہ نہ ہو پایا، رونا منور کے حادثے کا ہے یا اپنی آگہی کا۔

☆☆☆

منور کی ٹانگ پر پلاسٹر کی وجہ سے ایسے شدید گرمی میں ہر وقت پلاسٹر کے اندر جلن رہتی تھی، اے سی بند کرنے کی گنجائش ہی نہ نکلتی۔ ٹانگ کی وجہ سے نہانا بھی مشکل تھا لیکن منور کا بھائی جیسے تیسے کر کے ٹانگ پر شاپر چڑھا کر عبداللہ کو ساتھ لگا منور کو غسل کرا جاتا تھا صبیحہ کو یوں لگتا جیسے وہ اسے زمین میں مزید گاڑ جاتا ہو۔ نندیں بھی اخلاقی و جذباتی طور پر بے حد مدد کر رہی تھیں۔ لیکن جب سے نذر حسین نے بتایا تھا کمپنی منور کو واپس بلانے کا ارادہ نہیں رکھتی تو جیسے ان کے گھر پر مردنی چھا گئی تھی۔

ہر وقت "ٹانگ کا پلاسٹر اترنے کے بعد منور کیا کام کرے گا" کی سوچ صبیحہ کی جان سولی پر لٹکائے رکھتی تھی۔ عثمان کو جس دن سے خبر ہوئی کہ بہنوئی اب پاکستان کا ہی رہ گیا ہے۔ اس نے بہن کے گھر سے ایک دم منہ پھیر لیا تھا۔ ذیشان، منور کی عیادت کے لیے آیا تو صبیحہ سے رہا نہ گیا۔ وہ ایک ماں جائے کا گلہ دوسرے کے سامنے لے کر بیٹھ گئی۔

شانی، تم بتاؤ۔ میں نے کبھی تم دونوں کے ساتھ برا کیا۔ کبھی تم دونوں کا ساتھ چھوڑا؟" وہ خاموش ہی رہا۔

"عثمان کی بڑی کمیٹی نکلی ہے، میرے پاس گھر خرچ کے لیے بھی پیسے نہیں بچے۔ بجلی کا بل بھرنا بھی بہت ضروری ہے۔ سوچا اس کی کمیٹی نکلی ہے ایک لاکھ ادھار لے لیتی ہوں ابھی کا وقت تو گزاروں۔ مجھے صاف جواب دے کر بھیج دیا۔ کہتا ہے آپی، منور اپنے بھائی بہنوں سے لے۔ آپ کیوں ادھار مانگتی پھر رہی ہیں۔ واپس کہاں سے کریں گی؟ بندہ پوچھے منور میری طرح چوری اپنے بہن بھائیوں کو دیتا رہا ہے؟ دیتی تو میں تھی ...... شانی ہر مہینے کم سے کم بھی میں بیس ہزار اس پر خرچ کرتی رہی۔ موٹی موٹی رقم کا تو مجھے بہتے پانی کی طرح روانی جیسا یاد ہے۔ اب مجھ پر برا وقت آیا تو......"

بہتی آنکھیں، ڈوبتی آواز توقع تھی ذیشان نرم لفظوں سے دل پر پھاہے رکھے گا کہے گا آپی وہ ایسا ہی بے مروت ہے آپ ٹینشن نہ لیں لیکن جب وہ بولا تو صبیحہ کا غم سوا نیزے پر پہنچا گیا۔

"آپ نے ہمیشہ اسے مجھ سے زیادہ اہمیت دی اس کے بچوں کو ہمیشہ قیمتی تحفے دیے کچن کا سارا کام آپ نے کروا کے دیا، بجلی کے بل آپ بھرتی تھیں۔ کبھی میرے ساتھ تو اتنی محبت نہ جتائی۔ مجھ سے چوری اس کی فیور کرتی تھیں۔ پتا تو پھر بھی مجھے ایک ایک بات کا لگ جاتا تھا۔ اب پتا چلا آپ کو؟"

وہ بت بنی اسے دیکھے گئی کہ وہ بھی اتنا بغض لیے پھرتا تھا آگے کیا کہتی اس نے تو زخموں پر نمک چھڑک ڈالا تھا۔ کاش میں نے بے وقوفیاں نہ کی ہوتیں ان پر لگانے کے بجائے بچت کر لی ہوتی آج کام آتی یا پھر بوقت ضرورت جو ہوتا۔ منور سے ڈائریکٹ دلاتی تاکہ کچھ تو حیا کرتے، اس کی رقم واپس نہ کرتے تو شاید

ادھار ہی دے دیتے۔ اس بُرے وقت نے اسے منور کے حد درجہ قریب کر دیا تھا۔

"صبا! تم ہر وقت اتنا پریشان رہتی ہو کہ میرا دل گھبرانے لگتا ہے مت اتنا پریشان ہو۔ اللہ ایک دروازہ بند کرتا ہے تو محنت کش کے لیے سو در کھول بھی دیتا ہے۔ ذرا یہ پلاسٹر اتر جائے۔ میں تمہیں اور بچوں کو کسی کا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔ ہاں بس پہلی جیسی ریالوں میں کمائی نہیں ہوگی پر تم فکر نہ کرو اس ایک مہینے میں، میرے دیکھتے دیکھتے تمہارا سارا سر سفید ہو گیا ہے، اتنے سیاہ خوب صورت بال تھے تمہارے، اب سفید ہو گئے ہیں مت اتنا پریشان ہو۔" وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ گیلی آنکھیں بار بار صاف کرتی رہی۔

"اکاؤنٹ میں کتنے پیسے پڑے ہیں؟"

اس کے سوال پر صبیحہ کے گلے میں زہر کی گٹھلی اٹک گئی بمشکل تمام نگل کر زبان پر زور دیا۔

"اکاؤنٹ خالی ہے بلکہ بل بھی بھرنے والا ہے۔"

"اکاؤنٹ خالی ہے؟" وہ الجھن زدہ سا بولا...... میرے حساب سے تو ہسپتال کے خرچ کے بعد چند لاکھ ابھی بھی ہونے چاہیے تھے۔ میں تو ساری سیلری تمہیں بھیج دیتا تھا کہ تم سیونگ کر رہی ہو ساتھ والے کہتے بھی تھے، گھر بھیجو تو بیویاں سب خرچ کر دیتی ہیں، اپنے پاس رکھ کر بچت کروں تمہیں صرف خرچا بھیجوں ورنہ کچھ نہیں بچے گا وہی ہوا۔ وہ جو میری جیب سے ریال نکالے تھے وہ بھی خرچ ہو گئے؟

"جی، بس میں کھلے ہاتھ سے خرچ کرتی گئی۔ پتا ہوتا تھا آپ نے پہلی تاریخ کو بھیج دینے ہیں اس لیے بچائے بھی نہیں۔" آنکھ جھوٹ بولتے ہوئے شرمندگی سے اٹھ نہ رہی تھی، دل رک رک کر چل رہا تھا۔

"سوچا تھا چند لاکھ ہیں ابھی، چھوٹا موٹا فوری کام تو شروع ہو ہی جائے گا۔"

"کیسے کہتی وہی چند لاکھ تو دو گھر چھوڑ کر رہتے بھائی کے گھر پر چوری چوری لٹائے ہیں۔ پھر اس کی بے مروتی سے بال سفید نہ ہوتے تو اور کیا ہوتا۔ برا وقت اتنا برا بھی ہو سکتا ہے اسے اب پتا چل رہا تھا جب وہ مالی و جذباتی دونوں طرح سے لوٹ لی گئی پر قصور اپنا تھا سو سر بھی اپنا ہی پیٹتی وہ بھی مکمل تنہائی میں......"

بل کی آخری تاریخ پر اسے منور کے سامنے بل بھی رکھنا پڑا تھا۔ اس نے سلطنت آف عمان میں مقیم پرانے دوستوں کو کال ملا کر مالی بدحالی کی تفصیلات بتا ڈالیں۔

"منور! آپ کو لگتا ہے وہ ہمیں ایک لاکھ لازمی بھیج دیں گے۔"

"ہاں وہ کوشش کر رہے ہیں۔ سپروائزر بھی یقین دلا رہا تھا کہ کمپنی کچھ نہ کچھ تو مدد کر ہی دے گی۔ نذر لوگوں نے درخواست دی ہوئی ہے کہ مجھے مزدوری کے لیے نہیں تو کمپنی کے کسی دوسرے کام کے لیے واپس بلا لیا جائے۔ وہ مقدمہ لڑتے رہیں گے اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ نے کچھ نہ دیا تو پھر ورکر آپس میں جتنے ہو سکیں پیسے اکٹھے کر کے امداد بھیج دیا کرتے ہیں، وہ بھی اکٹھے کر کے بھیج دیں گے پرانا ساتھ ہے۔" چند لمحے خاموش ہوا۔

"کتنے دکھ کی بات ہے۔ میں مدد اکٹھی کرنے والا خود مدد لینے پر آ گیا ہوں۔"

صبیحہ مجرمانہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

کمپنی نے تو کچھ نہ بھیجا، البتہ ورکرز کی امداد سے ان کے گھر کے حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے۔ بل بھرنے اور باقی لازم و ملزوم ماہانہ اخراجات کے بعد کچھ سینکڑے ہی پاس بچے تھے۔ چنانچہ صبیحہ نے سلائی مشین نکال لی اور منور نے پلاسٹر اترنے کے بعد لنگڑاتے ہوئے اپنے سگے بھائی کی دکان پر سیلز مین کی نوکری کر لی۔

عثمان کی بے مروتی جوں کی توں تھی۔ عبداللہ اب بھی اسی کے ڈرائنگ روم میں روزانہ ٹیوشن پڑھنے جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ نیہا کچھ پکا ہوا بھیج دیتی تھی، عموماً گوشت ہوتا جو صبیحہ منور کو دے دیا کرتی تھی۔

وقت رکتا نہیں ہے پر اذیت ناک ضرور گزرتا

ہے ان کے بارے میں بھی سب کو پتا چل چکا تھا کہ ٹوٹی ٹانگ لیے منور کو عمان بلایا نہیں گیا۔ اب یہیں مزدوری کر کے عسرت زدہ زندگی گزارنی ہے عیاشی تمام ہو چکی ۔ اے سی بند ہو چکے ۔ اب صبیحہ قیمتی تحائف اور امداد دینے کے دائرے سے نکل کر لینے والوں میں بھی پر دینے والا کوئی نہ تھا سو جب شوہر نے پہلی پاکستانی روپوں والی تنخواہ اس کی ہتھیلی پر رکھی تو صبیحہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

رات کو جب بدلتے موسم کے سبب سارا جگ اور اس کے مرجھائے منہ والے بچے اطمینان سے سو گئے تو اس نے چھت پر کھلے آسمان تلے سبک رو چلتی آنے والی سردی کا پیغام دیتی ہوا میں سر رب کے حضور سجدے میں رکھ دیا۔

”یا اللہ، آپ جانتے ہیں نا جتنے اس نے یہاں جان توڑ کر دکھتی ٹانگ کے ساتھ ایک مہینے میں کمائے۔ اس سے زیادہ رقم کے تو میں نے علیزے کو سونے کے ٹاپس سالگرہ پر دیے تھے۔ میرے اللہ۔ میری غلطیوں کی سزا میرے شوہر اور بچوں کو نہ دے۔ تو مسبب الاسباب ہے۔ اس کی واپسی کا سبب بنا دے ویزا پڑا ہوا ہے اسی ویزے پر اسے واپس بلا لیا جائے۔ میرے مالک تو جانتا ہے، چھ مہینے پورے ہو گئے تو ویزا بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کی واپسی کا سبب بنا دے ۔ میں وعدہ کرتی ہوں ۔ کبھی چوری نہیں کروں گی اس کے رشتوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کروں گی۔ میں نے اس کے رشتے چھڑوا کر اپنے رشتوں پر اس کی کمائی لٹائی۔ گناہ کیا مجھے چوٹ بھی اپنوں سے ہی لگی ۔ اس کے خونی رشتے میرے رشتوں سے کئی گنا اچھے نکلے۔

مجھے روز اول سے معلوم تھا۔ منور مجھ پر بھروسا کرتا ہے وہ سمجھتا ہے، میں ذرا بھی فضول خرچی نہیں کرتی بلکہ اس کی کمائی احتیاط سے جوڑ رہی ہوں تا کہ وہ پردیس سے واپس آ کر کوئی کاروبار کر سکے میں نے اس کا بھروسہ توڑ کر گناہ کیا۔ اپنے بچوں کا حق مارا گناہ کیا تو میرے کیے کی میری اولاد اور شوہر کو نہ دے۔ میرے مالک! مجھے معاف کر دے میں اپنی بے وقوفی اسے بتا کر بدظن نہیں کر سکتی پر اس کا حق نہیں کھاؤں گی۔ پائی پائی لوٹاؤں گی۔ میرے مالک میں اذیت میں ہوں، تیرے سوا کسی سے درد نہیں کہہ سکتی تو مداوا کر دے۔“

اگلے کئی گھنٹے اس نے جائے نماز پر ہاتھ اٹھائے گزارے تھے۔

اور پھر خاموشی سے منور کے برابر آ کر لیٹ گئی۔

کھلی کھڑکی سے آتی نم ہوا اور مؤذن کی آواز نے اس سے کہا تھا، آج نیا دن ہے کچھ نیا ہونے والا ہے۔ عجب سرمستی میں اس نے منور اور لڑکوں کو مسجد بھیجا اور خود تاشی کے برابر جائے نماز بچھائی۔

وہ تیزی سے ہاتھ چلا کر بچوں اور منور کے لیے پراٹھے بیل رہی تھی جب منور کا سیل فون بجتا اسے کچن میں سنائی دیا۔ اس کے چند منٹ بعد منور نے بچوں اور اسے خوش خبری سنا ڈالی۔

”میرے یاروں کی کوشش کی بدولت کمپنی نے مجھے اسٹور کیپر کی جاب پر واپس بلا لیا ہے ۔ اس حادثے کی بدولت میری ترقی ہو گئی ہے صبیحہ! اب میں مزدور نہیں رہا۔ دفتری عملے کا حصہ بن ہو گیا ہوں۔ میری سیلری بھی پہلے سے زیادہ کر دی گئی ہے۔“

کچن کے دروازے کے سامنے کھڑے وہ پانچوں نفوس رو رہے تھے۔

پچھلے مہینوں میں اس نے غم کے اتنے آنسو بہائے تھے کہ لگتا تھا خوشی کے آنسو بہانا کبھی نصیب نہیں ہوگا اب اس کے بچے اور ان کا باپ خوشی سے چہک رہے تھے۔ وہ بدستور زار و قطار خوشی سے رو رہی تھی۔

منور نے ایک ساتھ اسے اور بچوں کو حصار میں لیا۔

”بس کرو پاگل، میں نے کہا تھا نا اللہ ایک در بند کرتا ہے تو سو در کھول دیتا ہے۔ یہ حادثہ میرے حق میں اچھا ثابت ہوا ہے۔ ہے نا؟“

اس نے روتے ، ہنستے سر ہلایا تھا کہ یہ حادثہ عقل تو اسے بھی دے گیا تھا۔

ختم شد

digest library.com

Digest Novels Lovers Group

ثمین صداقت

مشکل دن

ایئر پورٹ پر شدید ہجوم کے باوجود عدینہ کو ملیحہ نظر آ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ ہلا ہلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ملیحہ کو زیادہ وقت نہیں لگا تھا، اسے دیکھنے میں لیکن پہچان کے مراحل طے کرتے کچھ سیکنڈز ضرور صرف ہوئے۔ عدینہ نے دل میں سوچا تھا کہ سامنے آتی لڑکی کو وقت چھو کر بھی نہیں گزرا، وہ آج بھی کسی گڑیا کی مانند لگتی تھی۔ ملیحہ نے بھی عدینہ کو دیکھتے دل میں سراہا تھا۔ انسٹاگرام کی تصویریں تو دھوکا نہیں ہوتیں؟ یہ سامنے ہاتھ ہلاتی لڑکی کیا انسٹا کا کوئی فلٹر لگا کر آئی ہے؟ یا وہ پہلے بھی ایسی ہی تھی؟

سات سالوں میں کوئی اتنا کیسے بدل سکتا ہے۔ دل میں ملیحہ نے واپس جاتے ہی لیپ ٹاپ سے یونیورسٹی کے زمانے کی تصویریں ڈھونڈنے کا عہد کیا۔

دونوں اپنی سوچوں کو پرے دھکیلتے بغل گیر ہوئیں۔

'تم مجھے گھر کا ایڈریس بھیج دیتیں عدینہ! میں خود آ جاتی۔ مایوں کی دلہن ایرپورٹ پر کھڑی ہے۔" ملیحہ نے الگ ہوتے اسے دوبارہ قریب سے دیکھا کیا کوئی میک اپ کی تہیں تھیں عدینہ کے چہرے پر؟ نہیں بلکہ اس کے سر میں تیل تھا، پیلی کلر کی قمیص شلوار اور ہونٹوں پر شاید ہاں ہلکا سا لال رنگ کا شیڈ۔

'ایسے کیسے چھ سال بعد تم پاکستان آئی ہو اسپیشل میری شادی کے لیے اور تمہیں میں لوکیشن بھیج دیتی بس؟'

وہ اس کا ایک ہاتھ سے سوٹ کیس پکڑتے اور دوسرے بازو میں ہاتھ ڈالتے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

"گھر میں سب کام میں اتنے مشغول تھے اس لیے میں اکیلی ہی آ گئی۔ کیونکہ کسی نے ایک دفعہ کہنے سے تو بات ماننی نہیں۔۔ تو اس لیے خیر۔۔ اچھا تم سناؤ فلائٹ ٹھیک رہی؟"

"ہاں بس ٹھیک۔۔ تھکاوٹ زیادہ ہو گئی ہے۔۔" وہ بات کرتے کرتے رکی۔

'ڈرائیور بھی نہیں لائیں عدینہ؟' گاڑی کا دروازہ کھولتے ملیحہ نے آس پاس دیکھا۔ گاڑی کے اندر باہر کوئی بھی نہیں تھا

'ڈرائیور کا کیا کرنا تھا؟" عدینہ نے ڈگی میں سامان رکھتے چہرہ آگے کر کے پوچھا۔

'گاڑی کون ڈرائیو کرے گا؟' ملیحہ کے سوال پر عدینہ کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"میں کروں گی اور کون کرے گا۔ یار تمہیں وہ یونیورسٹی کا واقعہ تو یاد نہیں آ رہا جب میں نے اپنے فیئرز (خوف) بتاتے ہوئے کلاس میں کہا تھا کہ میں کبھی گاڑی نہیں چلاؤں گی؟" ملیحہ نے سر ہلایا۔

"سات سال پہلے کی بات ہے۔" عدینہ ہنستے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ملیحہ نے بھی بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کیا۔

"تم بدل گئی ہو اور لاہور بھی بدل گیا ہے۔" ملیحہ نے باہر مناظر کو دیکھتے کہا۔

'کبھی کبھی تبدیلی بہتر بھی ہوتی ہے' عدینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی

'آج یہ بات ثابت ہوئی کہ ٹیکنالوجی جتنی بھی

کامیاب ہو جائے فیس ٹو فیس ملنے کا متبادل کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔" ملیحہ نے ہنستے ہوئے ساری حیرانی کو کوزے میں بند کیا عدینہ نے موڑ کاٹتے اس کی بات پر سر ہلایا۔

"اچھا بتاؤ لہنگا کس رنگ کا لیا ہے؟ اور تیار کہاں سے ہو رہی ہو؟ اچھا ان لاز کیسے ہیں؟" ملیحہ نے عدینہ کے جواب دینے سے پہلے بات بدل دی تھی۔ سڑک پر دوڑتی سفید چھوٹی سی کار رواں دواں تھی۔ اندر بیٹھی دونوں لڑکیاں سات سال پہلے پکی سہیلیاں کہلاتی تھیں لیکن سات سالوں میں کوئی سات دفعہ ہی آپس میں بات کی ہوگی۔

☆☆☆

گھر پہنچ کے گاڑی سے سامان نکالتے بھی ان دونوں کی زبانیں بند نہیں ہوئی تھیں۔ ملیحہ نے سر اونچا کر کے گھر کو دیکھا۔ پاکستان کے اپر مڈل کلاس کا گھر۔ یونیورسٹی کے زمانے میں بھی کبھی وہ ایک دوسرے کے گھر نہیں گئی تھیں۔ گھر پر بہت سے لوگ لائٹیں لگا رہے تھے جو لازمی رات کو چلیں گی تو ملیحہ جانتی تھی گھر کا نقشہ بدل دیں گی۔ ملیحہ کو ہمیشہ سے چمکتی چیزیں پسند تھیں۔

"یار! یہ سوٹ گیس اسی برینڈ کا ہے نا" عدینہ نے امریکن برانڈ کا نام لیا تو ملیحہ نے حیرت سے دیکھا۔

"کیسے پہچانا؟ مطلب اس پر تو کوئی نیم ٹیگ بھی نہیں"

"نیم ٹیگ کا کیا کرنا ہے یہ تمہارا سوٹ پاکستانی برنیڈ کا ہے نشاط، نئی کلیکشن ہے ابھی ان کی یہ، جوتے جیمی چو، بیگ گوچی، اور یہ چین۔ امم......" عدینہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے چین کو غور سے دیکھا۔"

"یہ میری امی کی ہے لیکن عدینہ آر یو سیریس؟" "؟"

ملیحہ ملنے سے انکاری تھی۔ بیگ گھسیٹتی عدینہ نے قہقہہ لگایا اور ملیحہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے گھر کا دروازہ پار کیا۔ گھر کے اندر باہر سے زیادہ شور تھا۔ ڈیکوریشن والے پھولوں سے گھر کی سجاوٹ کر رہے تھے اور گھر والے ادھر ادھر بھاگتے کبھی نہ ختم ہونے والے کاموں میں الجھے ہوئے تھے۔

"عدینہ! کہاں دفعان ہو گئی تھیں تم؟ پتا بھی ہے کتنی بدشگونی ہے ایسے مایوں کی دلہن کا باہر جانا؟ میرا آیت لکرسی پڑھ پڑھ گلا سوکھ گیا ہے۔" سامنے سے آتی آنٹی جو یقیناً عدینہ کی کوئی رشتہ دار تھیں اس کا بازو پکڑے کہہ رہی تھیں۔

"خالہ جان! کل اس مایوں کی دلہن نے باہر کیا اڑ کے جانا ہے؟ ایسے ہی جاؤں گی چل کر۔ اچھا خالہ یہ میری دوست ہے ملیحہ" خالہ نے ملیحہ کی طرف دیکھا۔

"وکیسی ہو ملیحہ۔ چلو تم لوگ بیٹھو" خالہ شاید زیادہ کام میں مصروف تھیں۔ انہوں نے ملیحہ کو دیکھ کر دو جملے کہے اور آگے بڑھنے لگیں۔

"خالہ! یہ ملیحہ ہے جو لندن سے آئی ہے۔" آگے چلتی خالہ سیکنڈ میں پیچھے مڑی تھیں۔

"او اچھا یہ وہ ہے؟ اللہ ملیحہ بیٹے کیا حال ہے؟" اب وہ اسے گلے لگا رہی تھیں۔ "تم تو تھک گئی ہو گی۔ آؤ چائے پیتے ہیں ہم۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے چلنے لگیں تو عدینہ نے ملیحہ کا دوسرا ہاتھ پکڑا۔

"بس ذرا امی سے ملوا لوں پھر آپ کو پکڑا دوں گی اسے۔" وہ اسے لیتی آگے بڑھی۔ ملیحہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہنسی روکی تھی۔

"ایسے پلٹتے ہیں لوگ لندن کا نام سن کے۔" عدینہ نے ہنستے سر ہلایا تھا۔ پھر جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی لوگوں سے ملوائی گئی ملیحہ کے نام سے پہلے لندن لگائی گئی۔ کئی دفعہ ملیحہ کو لگا شاید اس کا نام ملیحہ نہیں لندن ہے۔ دل میں اس نے کوفت سے "یہ پاکستانی!" کہتے سر ہلایا تھا۔

"ملیحہ! ان سب چیزوں کے لیے تم تیار رہو۔ یہاں ہر کوئی تمہیں لندن سے ہی پہچانے گا یا پھر تمہارے کپڑوں کے برینڈ سے۔ اس لیے چل کرو

انجوائے کرو" کمرے میں آکر دوپٹا اتارتے ہوئے عدینہ نے کہا۔

"نہیں اٹس اوکے۔۔شاید میں کافی عرصے بعد پاکستان آئی ہوں۔۔اب ہر کسی کو لندن سے اتنا متاثر ہوتے دیکھ کر کچھ ہو رہا ہے" ملیحہ نے بھی گلے سے دوپٹہ ڈھیلا کرتے کہا۔

"ابھی میں ان سب کو تمہارے اس سوٹ کیس کی قیمت بتا دوں پھر شاید میری جگہ تمہیں ہی اسٹیج پر بٹھا دیں گے" دونوں نے قہقہہ لگایا۔

"تم ریسٹ کرو تھک گئی ہوگی۔۔۔میں لائٹس آف کردوں تم نے سونا ہے تو؟" عدینہ نے فکر سے کہا۔

"نہیں نہیں۔۔تم ادھر بیٹھو۔۔اف عدینہ توبہ ہے ہم دونوں سے۔۔سب سے اہم بات تو پوچھی ہی نہیں تم سے؟ سرفراز بھائی کون ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟" پر اعتماد عدینہ کے چہرے پر کہیں سے سرخی بکھری۔ ہونٹ خود بخود مسکرائے۔

""ہم لو میرج؟" ملیحہ نے عدینہ کے ہاتھ پکڑے۔

""کہاں یار۔۔یا پھر ہے بھی۔۔۔کچھ کہا نہیں جا سکتا۔۔ابو کے دور کے رشتہ دار کا بیٹا ہے۔۔اللہ کی طرف سے ہی میری جاب اس کی کمپنی میں ہو گئی۔۔پھر ایک دن پرپوز کر دیا اس نے۔۔۔میں نے کہا، بھیج دو رشتہ۔ امی ابو دیکھ لیں گے۔۔۔صحیح لگا انہیں تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اپنے رستے میں اپنے رستے۔۔پر امی ابو کو وہ پہلے ہی پسند تھا۔۔پچھلے سال ہم دونوں کی منگنی ہوئی اور اب شادی۔۔اتنی سی ہے کہانی۔" عدینہ نے بات ختم کرتے تالی بجائی۔۔

"واؤ مطلب اس کی طرف سے تو پیور لو ہے۔۔" ملیحہ نے سیٹی بجائی۔ اس طرح کی باتیں ابھی بھی عدینہ کو بے چینی میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ پیور لو......! لیکن اندر چلتے خیالات کے بجائے وہ کہہ رہی تھی۔

"ہم کہہ سکتی ہو۔۔پھر ہم دونوں نے جب بات چیت شروع کی تو پتا چلا کہ ساری عادات ملتی ہیں۔۔وہ بھی کتنس فریک ہے۔۔میں بھی، اسے بھی شاپنگ پسند ہے مجھے بھی، اسے بھی ایک کیرٹیکر وومن چاہیے اور مجھے سپورٹو ہزبینڈ سو اٹس ففٹی ففٹی۔۔اور اب تیس سال کی ہوں میں۔ کافی سوچ سمجھ کے سرفراز کے لیے ہاں کی ہے۔۔بہترین ہے وہ" عدینہ نے مسکراتے سرفراز کی تعریف کی۔

"اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے" ملیحہ نے دل سے دعا دی۔

digest library.com

"وہ رہتے کدھر ہیں؟"

""ادھر ڈیفنس لاہور میں ہی" عدینہ اٹھتے ہوئے آس پاس پڑے شاپر سمیٹنا شروع کیے۔ کمرے کی کیا حالت ہو رہی تھی۔۔۔سامان۔ ہی سامان کیا سوچ ہی ہوگی ملیحہ۔

""ملیحہ! شادی والا گھر ہے اس لیے بس سامان پھیلا ہوا ہے اور اب رات میں مایوں ہے" دروازہ کھول کر عدینہ کی امی اندر داخل ہوئیں۔

""امی! یہ مٹھائی کہاں لا رہی ہیں۔۔نہیں کھاتی میں میٹھا۔۔اور ساتھ فل فیٹ ملک (چکنائی والا دودھ) کی چائے ہوگی۔۔کتنی دفعہ کہا ہے نعیمہ سے بنوا دیا کریں چائے صرف ایک سو پچاس ایم ایل دودھ کی بنائی ہوتی ہے۔۔لیکن نہیں" عدینہ نے ٹرے میں رکھی مٹھائی اور چائے کو دیکھتے سر پر ہاتھ مارا تھا۔ چائے کے اوپر آئی ملائی بتاتی تھی کہ دودھ کی ساری ملائی بھی ڈال دی گئی ہے۔

ملیحہ نے حیرت سے عدینہ کو دیکھا۔ کبھی وہ کہتی تھی "یار چائے بناؤ ملیحہ اور پھر اس کے اوپر ملائی ڈال دو......"

""ملیحہ بیٹا تم لو چائے، اسے بولنے دو۔۔کچھ کھانا پینا نہیں یہ ڈائیٹنگ تو بہ" امی ملیحہ کے سامنے ٹرے رکھتے غصے میں عدینہ کو دیکھ رہی تھیں جو شاپر اٹھا اٹھا ایک جگہ پر رکھ رہی تھی۔

"ایک تو پورے دن یہ کسی بلا کی طرح سارے گھر میں منڈلاتی رہتی ہے۔ پوچھو تو پتا چلتا ہے کہ

واک جاری ہے'' امی ملیحہ کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔
''اللہ نے ایک بیٹی دی وہ بھی یہ نمونہ۔'' امی نے افسوس سے گردن ہلائی۔ عدینہ سارے شاپرز ایک طرف رکھ کر امی کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

''امی! دلہن ہوں میں۔۔۔ خوبصورت لگنا ہے مجھے۔ میرا دن ہے اس اہم دن کے لیے تو انسان جتنی بھی محنت کرے کم ہے کیوں ملیحہ؟'' ملیحہ کے ہاں نا کہنے سے پہلے وہ دوبارہ بولی تھی۔

''اس ملیحہ نے اپنے شادی کے لیے دس مہینے انٹرمیٹنٹ فاسٹنگ کی تھی۔'' ملیحہ کی گردن ہاں میں ہلی۔

''توبہ ہے تم سب سے۔۔۔ پینسل جتنی پتلی نہ ہوئی تو کیا لڑکا بارات لے کے واپس چلا جائے گا؟ استغفار'' امی نے توبہ کرتے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''وہ کرے گا ہی کیوں، پھر؟'' ایک عدینہ کا قہقہہ تھا۔ ملیحہ کو گھٹن کا احساس ہوا۔

''ہاں ٹھیک ہے اس نے ایک سال تک اس طرح کی ڈائیٹنگ کی تھی لیکن اب سننا اور اپنے سامنے کسی اور کو کرتے دیکھنا عجیب لگ رہا تھا۔

سامنے قالین پر بیٹھی لڑکی بہت بدل گئی تھی۔ سات سال عرصہ بھی تو لمبا ہے۔ عدینہ نے ملیحہ کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو ابرو اٹھا کر پوچھا۔

خیریت؟'' اس نے نہ میں گردن ہلائی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ بس سب نے اپنے سر پر سوار کیا ہوا ہے۔'' امی کو عدینہ کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

''لیکن چلو شکر ہے ملیحہ! تمہاری یہ دوست شادی کے لیے راضی تو ہوئی۔ سارے خاندان والوں سے ہم نے باتیں سنیں کہ تمیں کی ہونے والی ہے بیٹی اور ماں باپ شادی نہیں کر رہے۔ ایک اس کی رٹ تھی کہ پہلے کچھ بننا ہے۔ بہت محنت کی اس نے اور دوسرے اس کے ابا کی کہ لڑکا ہماری عدینہ جیسا ہو۔ گھر یہیں لاہور میں ہو، اچھا کماتا ہو، خوبصورت ہو، بہت بڑی فیملی نہ ہو۔۔۔ میں تو نہیں مانتی ان باتوں کو۔۔۔ لیکن کون کیا کہہ سکتا ہے ان باپ بیٹی کے سامنے۔''

ملیحہ نے چائے پیتے سر ہلایا۔ باتوں سے اختلاف تھا یا نہیں لیکن پاکستان آتے اس کے شوہر نے اس سے یہی کہا تھا عدینہ کے گھر والوں کے سامنے سر ہلاتی رہنا۔ اب اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔

''لیکن چلو شکر ہے مل گیا شہزادہ انہیں۔ سرفراز۔ اچھا بچہ ہے۔'' امی نے ملیحہ کے چہرے کو دیکھتے بات سمیٹی۔

''جی امی! اب ہم ملیحہ کو آرام کرنے دیتے ہیں پھر رات کو مایوں ہے۔'' عدینہ قالین سے اٹھ کر کپ ٹرے میں رکھنے لگی۔ اس کا کپ آدھے سے زیادہ بھرا ہوا تھا شاید دو گھونٹ لیے تھے بمشکل۔

''عدینہ! کیا جاتا اگر تم مایوں پر گھر سے تیار ہو جاتیں؟ مایوں پر تو ہلکا میک اپ۔''

''جی جی ہلکا میک اپ ہوتا ہے، ورنہ روپ نہیں آتا۔ امی بس پلیز۔۔۔ میری شادی ہے سب پرفیکٹ چاہیے مجھے۔'' اب وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے چہرے کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہی تھی۔ نیا لیزر کروایا تھا۔ وہ ویسے ہی اپنی اسکن وغیرہ کا بہت اچھے سے خیال رکھتی تھی اور اب شادی کی وجہ سے کئی مہینوں سے اس نے بہت سے مزید ٹریٹمنٹ لینا شروع کر دیے تھے۔ اگر وہ میک اپ کے بغیر بھی مایوں میں بیٹھ جاتی تو بھی پیاری لگتی لیکن نہیں۔۔۔

امی کچھ بڑبڑاتی باہر جا رہی تھیں۔ ملیحہ نے لیٹتے کمبل سر تک تانا۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ پاکستان، پاکستان کے لوگ۔ باہر بھی سب کو اچھا لگنے کا شوق ہے لیکن یہاں اس چیز کا خبط ہے۔ اس نے کمبل ہٹا کر سامنے دیکھا۔ عدینہ ابھی بھی آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ اب وہ آگے پیچھے ہوتی شاید دیکھ رہی تھی کہ بھرپور ڈائیٹنگ سے قمیض کھلی ہوئی یا نہیں۔

ملیحہ نے دوبارہ کمبل تان لیا اور انگلی پر دن گنے

صرف چار دن صرف چار۔

عدینہ نے آئینے میں ملیحہ کو دیکھا اس نے کمبل تان لیا تھا۔ اپنا چہرہ شیشے کے مزید قریب لے جاتے وہ کان کے پاس نکلے چھوٹے سے دانے کو دیکھ رہی تھی اور اس دانے کو دیکھتے اسے اپنے سارے چہرے پر دانے ابھرتے نظر آئے۔ وہ بے چینی سے پیچھے ہٹی۔ اس کا چہرہ صاف تھا لیکن شادی تک صاف رہے گا یا نہیں؟ کیا وہ اتنی پیاری لگ سکے گی جتنا اس نے سوچا تھا۔ اس کی کمر ابھی بھی چوڑی دکھ رہی تھی۔ وہ شیشے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ لیکن دل پہلے جتنا خوش نہیں تھا۔ اس میں وسوسے تھے۔

☆☆☆

digest library.com

مایوں کا دن گزرا تو مہندی کا دن آ گیا۔ دوبارہ سے ایک میلہ سج گیا۔ مہنگے کپڑے، مہنگے جوتے، جیولری، بیگ، ایک دوسرے سے برینڈ اور ڈیزائنر کا نام پوچھتے لوگ، گھر کا چپہ چپہ سجا ہوا تھا اور بلاشبہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ ملیحہ نے اسٹیج پر بیٹھی عدینہ کو دیکھا۔ وہ مسکراتی تصویر بنوا رہی تھی۔ وہ خوش دکھتی تھی اور وہ خوش تھی۔ ملیحہ نے سات سال پہلے والی عدینہ کو اس میں ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

سات سال پہلے والی عدینہ۔۔۔

"عدینہ! روزانہ آئس کریم کھانے کا حکم ہمارے مذہب میں ہے کہیں؟" ملیحہ نے کیفے سے نکلتی عدینہ کو دیکھتے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"چلو نہیں، تمہاری بھی ہے۔" اس کی پکڑاتے وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ لیکچر شروع ہونے والا تھا۔ اتنا میٹھا یہ لڑکی کدھر جائے گی۔

"نہیں پلیز۔ میں نہیں کھاؤں گی۔" ملیحہ کون سے فاصلے پر ہوئی۔ عدینہ نے کندھے اچکاتے دوسری کون بھی اپنے ہاتھ میں ہی رکھی۔

عدینہ اور ملیحہ بظاہر بہترین دوستیں دکھتی تھیں۔ لیکن اندر ملیحہ کو عدینہ سے بہت سے اختلاف تھے لیکن وہ جانتی تھی ساری کلاس میں اگر کوئی نیک نیت سچا انسان ہے تو وہ صرف عدینہ ہے۔

ملیحہ چالاک تھی، اتنی چالاک جتنا ہر انسان کو ہونا چاہیے، پڑھائی میں اچھی۔ وہ عدینہ کو سچ میں اپنی دوست سمجھتی تھی مگر اس کی کچھ عادات۔

ملیحہ نے افسوس سے ساتھ چلتی عدینہ کو دیکھا۔ وہ کبھی ایک کون سے کھا رہی تھی، کبھی دوسری سے۔

ملیحہ کی نظر اب اس کے سوٹ پر گئی تھی اور اف کہتے اس نے سر جھکایا۔ نیلے، پیلے اور ہرے بڑے بڑے پھولوں والا سوٹ جو کسی سستی مارکیٹ سے لازمی اس کی کام والی نے لا کر دیا ہوگا۔ ویسے عدینہ خود بھی جاتی تو ایسا ہی کوئی سوٹ لاتی۔ رنگت اس کی نہ سفید نہ سانولی، درمیانہ رنگ، درمیانہ قد، درمیانی آنکھیں اور بال۔

ملیحہ نے اس سے دو قدم پیچھے ہوتے اس کے بال دیکھے۔ پھر ایک اور اف تھا جو اس کے منہ سے برآمد ہوا۔ چٹیا میں سے بال نکل نکل جا رہے تھے۔ ایسی چٹیا اور ایسا سوٹ ساری یونیورسٹی میں عدینہ کے علاوہ کسی کے پاس نہ ہوگا۔

عدینہ کو احساس ہوا تھا، ملیحہ پیچھے رہ گئی ہے۔

"ملیحہ مس مریم کا لیکچر شروع ہو گیا تو دروازہ بند ہو جائے گا۔ تیز چلو یار" ملیحہ خیالات سے نکلتی عدینہ کے ہم قدم ہوئی۔

لاہور کی بہترین پرائیویٹ یونیورسٹی جہاں کا ماحول اور لوگ دونوں اپنا اثر چھوڑتے ہیں چاہے آپ جتنا بھی ناں ناں کر لو۔ خود ملیحہ بھی جب پہلے سمسٹر میں آئی تھی تو کیا تھی۔ اور اب!

خوبصورت وہ ہمیشہ سے تھی۔ یہ بات اسے معلوم تھی۔ دنیا میں سفید رنگ لیے پیدا ہونے والے ہر انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیارا ہے۔ اور ملیحہ کی خوبصورت ناک، بڑی آنکھیں جن کا رنگ اتنا سیاہ تھا کہ کوئی دیکھے تو چند منٹ ساکن کھڑا رہے۔ ملیحہ کی فیشن سینس اس یونیورسٹی میں آ کر مزید بہتر ہو گئی تھی۔ اگر کسی کی نہیں ہوتی تھی تو وہ تیز تیز چلتی لڑکی تھی۔ بیزاری کے باوجود ملیحہ کو وہ پسند تھی۔ ہرے، نیلے، پیلے سوٹ والی۔

کوئی ملیحہ کو بلا رہا تھا، وہ ہڑبڑائی اور سامنے دیکھا۔

☆☆☆

رات کے بارہ بجے سارے گھر والے درمیان والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چائے کے کپ پکڑے سب آپس میں باتوں میں مشغول تھے۔ عدینہ نے دوپٹے سے پنیں اتارنی شروع کیں۔ اس کی ایک کزن کرسی سے اٹھ کر مدد کے لیے آگے بڑھی۔

ملیحہ ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔

''کتنی تیاری کرتے ہیں شادی کی۔۔ مہینوں تیاری میں گزر جاتے ہیں اور دیکھو دو دن بعد شادی ختم۔'' امی جوتے اتار کر صوفے پر چوکڑی مار کر بیٹھ گئیں۔

''بس سب خیریت سے سب ہو جائے کل۔ اہم دن تو کل کا دن ہے'' ابو نے عینک اتارتے دعا کی۔ ساتھ چائے کا کپ پکڑا۔

''آج کسی قسم کی کمی تو نہیں تھی نا کھانے میں؟'' چائے کے گھونٹ بھرتے انہوں نے امی سے پوچھا امی نے انکار میں گردن ہلائی۔

'اور ہماری بیٹی کو سب پسند آیا؟' اب وہ عدینہ سے پوچھ رہے تھے۔

''سب پرفیکٹ تھا ابو!'' وہ ٹیکہ اتارتے بولی۔

''ملیحہ! بیٹے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہاں آپ کسی سے بھی کہہ سکتی ہو۔ عدینہ کی آپ دوست ہو اور ہماری بیٹی۔'' ملیحہ نے ان کی بات پر مسکرا کر سر ہلایا'

''جی انکل۔''

''تمہارا میک اپ، سوٹ سب بہترین تھا عدینہ۔'' اس کی کزن ملیحہ کے ساتھ بیٹھتی عدینہ سے بولی۔

''اور مجھے تو تمہیں کل دیکھنا ہے۔۔ تمہارے لہنگے کی اتنی تعریفیں سنی ہیں میں نے حمنہ سے۔ ہے بھی تو نولاکھ کا۔ ایک رقم ہے نولاکھ۔۔ میں تو کبھی نہ لوں اتنا مہنگا۔'' اس کی کزن نے آنکھیں پھاڑتے کہا۔

''یار ایک دفعہ شادی ہونی ہوتی ہے اور اس پر اپنے فیورٹ ڈیزائنر کا لہنگا نہ پہنوں تو؟'' عدینہ نے فون دیکھتے کہا۔ یہ کوئی ہزارویں دفعہ تھا کہ عدینہ نے اپنا فون دیکھا تھا۔

'یہ بھی ہے۔'' کزن نے فوراً ہی ہتھیار ڈالے۔

'امی! میں ریسٹ کرنے جارہی ہوں۔۔ ملیحہ آ جاؤ'' عدینہ نے صوفے سے اٹھتے کہا اور فون دیکھنا وہ نہیں بھولی تھی۔

''عدینہ! کوئی پریشانی ہے؟ تم بار بار فون دیکھتی ہو۔ کسی کی کال آنی ہے۔ اور کال سے یاد آیا جب سے میں آئی ہوں، میں نے ایک دفعہ بھی تمہیں سرفراز سے بات کرتے نہیں دیکھا۔ خیریت۔''

عدینہ نے تھوک نگلا۔

''نہیں بس ہم دونوں ہی مصروف ہیں۔۔'' وہ کپڑے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ ملیحہ کندھے اچکاتی بیڈ پر بیٹھ گئی اور جیولری اتارنے لگی۔

''پھر بھی عدینہ......! مصروفیت کے باوجود بھی۔۔ ایک دفعہ کال تو۔۔ چلو اس نے نہیں کی تم کر لو۔'' عدینہ واپس آئی تو ملیحہ نے وہیں سے بات شروع کی۔

''جو حکم۔۔ کرتی ہوں۔۔ تم سے بھی ملوانا تھا مجھے سرفراز کو لیکن اس دن بھی فون نہیں اٹھایا اس نے۔'' عدینہ نے بیڈ پر لیٹ کر فون اٹھایا۔ ایک بیل، دو بیل۔۔ لگاتار بیل جانے کے بعد بھی فون نہیں اٹھایا گیا تھا۔

'نہیں اٹھا رہا۔ مصروف ہوگا۔۔ کہہ سکتے ہیں ایسی بھی کیا مصروفیت لیکن ہم دونوں اس معاملے میں ایک دوسرے کو سپیس دینے کے حق میں ہیں۔ اس ایک سال منگنی کے پیریڈ میں ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ کام کے دوران فون نہیں کیا جائے گا اور اگر ہم

Digest Novels .com

میں سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا تو دوسرے کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ وہ مصروف ہے۔ پہلے سرفراز کو اس پر کافی اعتراض تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گیا۔" ملیحہ نے عدینہ کی طرف کروٹ لی۔

'رول اچھا ہے۔۔ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے لیکن ابھی آفس سے چھٹی ہے۔۔۔دولہا کو کتنے کام ہو سکتے ہیں بھلا۔۔لیکن خیر مصروف ہوگا۔" ملیحہ کے کہنے پر دونوں کا قہقہہ برآمد ہوا۔

"زندگی کیسے تیزی سے گزرتی ہے نا۔۔سات سال پہلے ہم لاابالی سی لڑکیاں تھیں۔ بیٹھ کے سوچوں تو لگتا ہے میں نے صدی جی لی ہے۔اور اس صدی میں زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ یہ شادی کرنے کا تھا۔ پہلے یہ خوف تھا، کون پسند کرے گا، مجھے پھر پسند کر لیا خوف کہ کیا یہ پسند ساری عمر رہے گی؟' عدینہ چھت کی طرف دیکھتی ہنسی۔

"کبھی میں سوچتی ہوں کہ ایسی کیا چیز ہوتی ہے جو دو انسانوں کو باندھے رکھتی ہے؟ ہمارے ماں باپ میں ایسا کیا تھا کہ وہ ابھی تک کمیٹڈ ہیں۔۔۔تم اور احمر میں ایسا کیا ہے جو چھ سال سے شادی چل رہی ہے؟" اس نے خاموشی پر ملیحہ کو دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں وہ کب سے سو رہی تھی۔ عدینہ نے دوبارہ رخ چھت کی طرف موڑا اور ایک ہاتھ سے فون پکڑا۔ چہرے کے سامنے اسکرین کرتے اس نے واٹس ایپ کھولا۔ سرفراز کا لاسٹ سین بھی بند تھا۔ یہ بندہ کدھر تھا۔ کیا کوئی سرپرائز تھا۔ ہاں ہو سکتا ہے۔ انسٹاگرام کھولتے اس نے سکرول کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسروں کی دنیا، چمکتے دمکتے چہرے دیکھتے پتا ہونے کے باوجود بھی کہ یہ فلٹرز کا کمال ہے اسے اپنے چہرے پر نکلتا دانہ یاد آیا تھا۔ ہاتھ لگا کر دیکھا، کیا دانہ بڑا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

عدینہ نے اپنی شادی کے لیے ہر چیز پرفیکٹ سوچی تھی پھر بھی اس نے اپنے آپ کو کئی دفعہ یہ بات باور کروائی تھی کہ شادی ایک بڑا ایونٹ ہوتا ہے اور اس میں کئی طرح سے پریشانیاں آ سکتی ہیں اور اگر ایسا ہوا تو وہ سکون سے مقابلہ کرے گی۔ لیکن پارلر کے دروازے پر کھڑے اس نے بے بسی سے باہر برستی موسلا دھار بارش کو دیکھا تھا۔

اس کا بھائی چھتری لیے آگے آ رہا تھا۔ عدینہ نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"یار! کچھ نہیں ہوا۔۔بارش ہی ہے!" بھائی کے کہنے پر اس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو روکے۔

"کیسے کچھ نہیں ہوتا۔۔میرا فوٹوشوٹ تھا باہر۔۔اسی لیے تو دوپہر کا فنکشن رکھا تھا۔۔'

"رات میں ہو جائے گا گڑیا۔۔ کچھ نہیں ہوتا۔ ہو جاتا ہے" اس کا بھائی اسے بس گھر لے جانا چاہتا تھا اس کی اس بہن کو والد کے علاوہ کوئی نہیں سنبھال سکتا تھا۔

"اب گھر چلتے ہیں۔ لوکیشن پر جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" بھائی کے کہنے پر اس نے سر ہلایا۔ وہ مزید کچھ نہیں ہوتا نہیں سن سکتی تھی۔

پارلر سے دو لڑکیاں باہر آئیں۔ اس کا سامان گاڑی میں رکھا اور بڑی مشکلوں سے دلہن کے لہنگے اور میک اپ کو بارش سے بچاتے کار میں بٹھایا۔

گھر پہنچتے ہی وہ ایک کمرے میں بیٹھ گئی تھی۔ گھر میں اتنے لوگ نہیں تھے سب اپنے اپنے پارلر جا چکے تھے۔ اس نے صوفے سے ٹیک لگاتے سرفراز کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ بیل جا رہی تھی جواب ندارد۔

اب کی دفعہ غصے کی ایک تیز لہر تھی۔ اس نے دوبارہ فون ملایا۔ ایسی بھی کیا مصروفیت کہ وہ پچھلے چار دن سے غائب تھا۔ اس کی امی، بہن سب سے عدینہ کی بات ہوئی تھی سوائے اس سرفراز کے۔

غصے سے فون پٹختے وہ صوفے سے اٹھ کر شیشے کی سامنے آئی۔ وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ کافی پہلے اس نے ایک دفعہ کسی لڑکی سے پوچھا تھا خوب صورتی کیا ہوتی ہے اور اس نے کہا تھا 'ہمم میرے لیے۔۔، جس کی سکن صاف ہو، کمر پتلی، بال لمبے

اور گھنے اور بم نہ پھٹا ہو، عینک نہ لگی ہو، اور رنگت ہم مانیں نہ مانیں لیکن رنگت تو سفید ہی ہوتی ہے نا۔"

اس وقت عدینہ نے عینک ناک پر ٹھیک کرتے نظریں جھکائی تھیں اور آج وہ اس جواب کی عملی تفسیر بنی کھڑی تھی۔

وہ پلٹی تو اس کے دوپٹے سے اٹک کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا برش نیچے گر گیا۔ اس سے پہلے وہ جھکتی باہر سے اونچی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ خاموشی کی وجہ سے آوازیں زیادہ محسوس ہوئی تھیں۔ وہ پریشانی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"آپ کا دماغ درست ہے؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ۔" عدینہ نے دروازے سے باہر نکلتے اپنی امی کی آواز سنی۔

"ہم۔۔ ہم خود بہت پریشان ہیں صدیقی صاحب۔۔ ہماری بھی عزت ہے۔۔ گھر میں بارات تیار ہے اور ہمارا بیٹا غائب ہے۔۔ میں...... میں خود بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے خود نہیں معلوم گھر میں موجود بارات کو کیا جواب دینا ہے۔ مجھے خود......"

سرفراز کے ابو تھے جو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کچھ بول رہے تھے۔ عدینہ کو اپنے کانوں میں سیٹی کی آواز آئی۔ وہ ہمیشہ آدھی ادھوری باتیں سمجھ جاتی تھی۔ اور آج بھی اس کا دماغ تیزی سے چلا تھا۔

"سرفراز کی پسند کی شادی تھی۔ کوئی زور زبردستی نہیں۔۔ اب وہ ہفتے سے کہہ رہا تھا میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔۔ ہمیں لگا ایسے ہی گھبرا رہا ہے۔۔ لیکن وہ تو سچ میں غائب ہو گیا ہے۔" سرفراز کی امی سر پکڑے کھڑی تھیں۔ لاؤنج لوگوں سے بھرنے لگا۔ سارے مہمان جو ہال میں جانے کے لیے تیار تھے سب لاؤنج میں آ گئے۔

"ہم خود پریشان ہیں۔" اب کی دفعہ امی نے سرفراز کے ابو کی بات کاٹی تھی۔

"آپ لوگ کیا پریشان ہوں گے؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہیں آپ سب یہاں آ کر؟ آپ گھر جائیں۔۔ سرفراز کو منائیں۔۔ یہ کون سا طریقہ ہے؟ جا کے اس سے بات کریں۔۔ یہ وقت؟ آپ اس وقت جب میری بیٹی دلہن بنی کھڑی ہے، آپ کہہ رہے ہیں۔ آپ کا بیٹا نہیں مان رہا؟ آپ سب کا دماغی توازن ٹھیک ہے؟"

امی پریشانی سے چلاتی صوفے پر بیٹھی تھیں۔

کونے میں کھڑی عدینہ نے سر کونہ میں ہلاتے سامنے دیکھا تھا۔ اس کے بھائی، بھابی، کزنز، دوستیں۔۔ شاید وہاں سب تھے۔ وہ آگے بڑھی۔

"سرفراز کدھر ہے؟" بھاری لہنگا اٹھائی وہ اس کے ماں باپ کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"تم۔۔ تم دونوں کی کوئی لڑائی، جھگڑا ہوا ہے بیٹا؟"

digest library.cm

"امی! سرفراز کدھر ہے، مجھے اس سے بات کرنی ہے۔"

"تم فون ملاؤ۔۔ ہمارا تو اٹھا نہیں رہا نہ ہمیں پتا ہے کدھر ہے، کل رات سے غائب ہے۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑا فون ملایا۔ بیل جا رہی تھی جواب ندارد۔ اس نے دوبارہ ملایا اور تب تک ملایا جب تک پیچھے سے اس کے بھائی نے آرام سے فون اس کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس نے سر اٹھا کے سامنے دیکھا۔

"نہیں۔۔ نہیں اٹھا رہا" وہ سیدھی کھڑی تھی، آنکھیں خشک تھیں۔ چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نہیں تھے لیکن آواز وہ کیوں کانپی۔ کہیں اندر عدینہ کو اپنی آواز پر افسوس ہوا۔

"میری بات سنیں صدیقی انکل۔ یہ کوئی ڈرامہ ہے؟ کیا بے غیرتی کر رہے ہیں آپ لوگ ہمارے ساتھ؟ بیٹا نہیں مان رہا۔ پہلے کیا کر رہا تھا بیٹا؟ مرا ہوا تھا پہلے؟ گونگا ہو گیا تھا؟ آج بارات والے دن یاد آیا ہے اسے کہ شادی نہیں کرنی؟" اس کے بھائی کی آواز سارے گھر میں گونجی۔ صدیقی صاحب کا سر مزید جھکا۔

"بیٹا۔ تم بتاؤ کیا ہوا ہے؟ تم اور سرفراز...... کوئی جھگڑا کوئی لڑائی؟ تم دونوں کی پسند کی شادی تھی۔ میرا بیٹا ایسا نہیں۔"

"کیا مطلب آپ کا بیٹا ایسا نہیں۔ سرفراز نے رشتہ بھیجا تھا، آنٹی۔ میری بہن کا نام مت لیں آپ کسی بھی چیز میں۔"

"اسد! ہم بھی پریشان ہیں۔ ہمیں خود نہیں پتا یہ ہوا کیا ہے۔ شاید عدینہ کو پتا ہو، اس لیے مجھے اس سے پوچھنے دو۔"

عدینہ کا مر جانے کو دل چاہا۔

"اس سے میری ہفتہ پہلے بات ہوئی تھی۔ اور اس نے کہا کہ۔۔۔ میں بزی ہوں شادی کی تیاریوں میں۔ اس لیے شاید فون نہ اٹھا پاؤں۔۔۔ پھر میں نے کافی دفعہ فون ملایا لیکن۔۔۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھایا ہی نہیں فون۔" عدینہ نے روبوٹ کی طرح بات کی۔

وہاں کھڑے ہر شخص نے جیسے افسوس سے گہرا سانس لیا۔

"آپ کے بیٹے نے دھوکا دیا ہے ہماری بیٹی کو" ابو صوفے پر خاموش بیٹھے تھے۔

"افضل! میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے تو اس رشتہ داری پر بہت خوشی تھی۔ لیکن۔ میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔" انہوں نے عدینہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"جب آپ کا بیٹا فون اٹھالے یا گھر آجائے تو میری بات کروا دیجیے گا۔"

بندیا نوچ کر اتارتے یہ کہہ کر عدینہ سڑھیوں کی طرف مڑ گئی۔ اس کے دماغ نے منٹوں میں سب قبول کیا تھا۔ سرفراز شادی سے پہلے بھاگ گیا تھا۔ وجہ نہیں معلوم تھی۔ بس وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے گھر والے معافی مانگنے آئے تھے۔ کہ بارات نہیں آئے گی۔

تیس سال میں پہلی دفعہ اس نے شادی کا سوچا تھا۔ پہلے بندے کو چنا تھا۔ اور وہ بھاگ گیا تھا۔

ہر سیڑھی چڑھتے وہ ایک ایک بات اپنے دماغ کی سن رہی تھی۔ نیچے کھڑے ہر شخص کو بھی لازمی اس کے دعوے یاد ہوں گے کہ وہ کسی اوئے، بوئے، رشتے کو ہاں نہیں کرے گی، اس نے اپنے اوپر بہت محنت کی تھی، اپنے کیریر پر محنت کی تھی، اپنی پرسنالٹی کے اوپر محنت کی تھی وہ شادی کرے گی تو صرف اس بندے سے جس میں یہ یہ خصوصیات ہوں گی۔

اور وہ خصوصیات والا شخص اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ عین بارات والے دن۔ عدینہ کے کمرے کا دروازہ بند ہوا۔ اس کا اپنا آپ زمین بوس ہوا۔

نیچے سرفراز کے گھر والے معافی مانگنے کے بعد اپنے گھر ہو لیے تھے۔ ان کے چہروں پر شرمندگی تھی۔ سر جھکے تھے لیکن کتنے دن؟

☆☆☆

ان کے دن نہیں معلوم تھے لیکن عدینہ کے دن ہم گن سکتے ہیں۔

ملیحہ نے بیڈ پر بیٹھ کر سلاد کھاتی عدینہ کو دیکھا۔

'یار ملیحہ! یہ پاکستانی ڈرامہ دیکھا ہے؟ کیا کمال ایکٹنگ ہے اور وارڈروب تو کمال کر دیا ہے انہوں نے۔ ایک سے بڑھ کر ایک بہترین سوٹ۔" فون کی اسکرین ملیحہ کی طرف کرتے عدینہ نے کہا۔

"ہمم! ایک دو کلپس دیکھے تھے۔ اچھا ہے" ملیحہ نے ہاتھ ملتے سامنے بیٹھی عدینہ کو دوبارہ دیکھا۔ اور پھر اپنے فون کو۔ اس واقعے کو چار دن ہو گئے تھے۔

عدینہ اور عدینہ کے گھر والے سب اس طرح پھر رہے تھے جیسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ کبھی اس گھر میں کوئی شادی ٹوٹی نہ کوئی سرفراز تھا۔ اور یہ سب ایسے ہی تھا ہمیشہ سے۔

ملیحہ کے فون پر اس کے شوہر کا میسج آیا تھا۔ دو دن بعد کی فلائٹ بک تھی۔ اس نے اوکے کا میسج لکھ کر بھیج دیا۔

"تم نے سرفراز کو دوبارہ فون کیا؟ اس کے کسی دوست سے کانٹیکٹ کرو۔" ملیحہ کو پتا نہیں کیوں یقین تھا کہ عدینہ آگے سے کہے گی کون سرفراز؟

’’یہ دیکھو۔‘‘ کچھ بولنے کے بجائے عدینہ نے فون کی اسکرین آگے کی تھی۔ اسکرین پر واٹس ایپ کھلا تھا۔ وہ اس کے پاس بیڈ پر آ گئی۔ اس کے فون لیتے ملیحہ کو اندر تک برا محسوس ہوا۔ وہاں صرف ایک طرح کے میسج تھے۔ وہ تھے سرفراز کدھر ہے۔ آپ کا رابطہ ہو تو اسے میرا میسج دے دیں کہ مجھ سے مل لے۔‘‘

فون واپس اپنی طرف کرتے عدینہ نے ایک اور چیٹ نکالی تھی اور پھر ملیحہ کی طرف فون کا رخ کیا۔ ملیحہ کو شرمندگی ہوئی۔

لاتعداد میسجز اور فون کالز تھیں جو سرفراز کو ملائی گئی تھیں۔

’ایسا نہیں ہے ملیحہ! کہ مجھے فرق نہیں پڑا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ میرے گھر والے سکون سے بیٹھے ہیں۔ بس ہم سب اپنے اپنے طریقے سے اس پریشانی سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب یہ صحیح طریقے سے کر رہے ہیں یا غلط۔ اسے چھوڑ دیتے ہیں فی الحال۔‘‘ سلاد کی خالی پلیٹ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے عدینہ نے مسکرا کر ملیحہ کو دیکھا۔

’’عدینہ! مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم جتنی بھی اسٹرونگ نظر آؤ۔۔ لیکن یہ سب ڈراموں میں آسان لگتا ہوگا۔۔ اصل زندگی میں یہ کتنا مشکل ہے فیس کرنا۔‘‘ ملیحہ نے اس کے ہاتھ پکڑے۔

’لیکن ملیحہ! میں کرلوں گی۔ میں عدینہ ہوں۔ میں نے اپنے اوپر محنت کی ہے۔۔۔ ایک سرفراز کیا کئی سرفراز بھی مجھے توڑ یا کمزور نہیں کر سکتے۔‘‘

ملیحہ نے سر ہلایا۔ اور بہت کچھ کہنے سے اپنے آپ کو روکا۔ یہ وقت صحیح نہیں تھا۔ پھر بھی وہ عدینہ کو ضرور سمجھائے گی۔ یہ وقت بس عدینہ کے ساتھ کھڑے ہونے کا تھا۔ ملیحہ نے آہستہ سے عدینہ کو گلے لگایا۔

اور یہ اتنے دنوں میں پہلی دفعہ تھا کہ اسے کسی نے گلے لگایا تھا۔ کوئی الفاظ نہ تسلی۔ بس گلے لگائے ملیحہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ایک دوست مصیبت کے وقت دوسرے کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ ہے۔ چاہے دنیا چھوڑ بھی دے تو وہ ہے۔ عدینہ ساکت تھی۔

’’یار! کیوں جذباتی ہو رہی ہو۔ کون سی میری رخصتی ہو رہی ہے۔‘‘ عدینہ نے الگ ہوتے ملیحہ کے آنسو صاف کیے۔

’’تم بتاؤ، تمہاری رخصتی کب ہے؟‘‘

’’دو دن بعد کی فلائٹ ہے۔‘‘ ملیحہ نے بتایا۔

’چلو پھر آج کسی اچھی جگہ کھانا کھاتے ہیں۔ انجوائے کرتے ہیں۔ تیار شیار ہوتے ہیں۔‘‘ عدینہ بیڈ سے اٹھتی الماری کی طرف مڑی۔

’’میری کوئی بہن نہیں ہے۔ بھابی کے ساتھ کبھی بہنوں والا ریلیشن بن نہیں سکا لیکن ملیحہ! تمہیں میں نے اپنی بہن سمجھا ہے ہمیشہ۔ تم اتنے دن میرے ساتھ رہیں۔ میں یہ کبھی نہیں بھولوں گی۔ تھینک یو۔‘‘ ایک جوڑا منتخب کرتے عدینہ خلوص سے بولی۔

’’اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ مجھے تو یہ افسوس ہے کہ میں تمہیں اس وقت چھوڑ کر جا رہی ہوں۔‘

’میرا خیال ہے ہم دونوں یہ ڈائیلاگز دو دن بعد بولیں تو زیادہ مزہ آئے گا۔‘‘

ملیحہ ہنس دی۔ ملیحہ نے سامنے عدینہ کو دیکھا جو واپس سوٹ رکھ رہی تھی۔ اسے کوئی اور پسند آ گیا تھا شاید۔

☆☆☆

ملیحہ کو سمجھنے میں تین چار سیکنڈ لگے تھے کہ اسے کون زور زور سے ہلا رہا ہے۔

’’ملیحہ! اٹھو۔ اٹھو یار‘‘ عدینہ کا دل چاہا اس سوتی لڑکی پر پانی کی بالٹی الٹ دے۔

’کیا ہوگیا ہے۔۔‘‘ ملیحہ پریشانی سے اٹھی۔

’’سرفراز‘‘ ملیحہ کی بند آنکھیں اس نام پر فوراً کھلیں۔

’’مر گیا؟‘‘ اس کی بات پر عدینہ نے گہرا

سانس لیا۔

''ملیحہ! اٹھ جاؤ ورنہ میں جا رہی ہوں۔'' ملیحہ نے اب کی دفعہ آنکھیں مل کر عدینہ کو دیکھا تھا جو تیار شیار کہیں جانے کو تھی اور یقیناً اسے بھی ساتھ چلنے کی آفر کر رہی تھی۔ اگر ملیحہ غور سے دیکھتی تو ضرور عدینہ کا ہلکا میک اپ بھی نظر آ جاتا۔

'کہاں جا رہی ہو؟'

''کتنی دفعہ بتاؤں۔۔ سرفراز کے دوست نے بتایا ہے کہ سرفراز اپنے گھر پہ ہے۔ تمہیں میں پچھلے ایک گھنٹے سے اٹھا رہی ہوں یار۔ اب میں جا رہی ہوں۔'' ملیحہ سیکنڈز میں بستر سے اٹھی تھی۔

''ایسے کیسے جا رہی ہو؟ انکل آنٹی کسی کو ساتھ لے کے جاؤ۔'' ملیحہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

'ایک گھنٹے سے تمہیں اٹھا رہی ہوں، اگلا گھنٹہ باقی سب کو اٹھاؤں، چاہے اتنی دیر میں وہ دوبارہ رفو چکر ہو جائے۔'' عدینہ غصے سے بولی۔

''ایسے نہیں جانا کسی کو لے۔''

عدینہ نے ملیحہ کی بات کاٹی۔

''ملیحہ! میں اس سے خود پوچھنا چاہتی ہوں۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ میرے ماں باپ نے اسے نہیں ڈھونڈا تھا میرے لیے، اس نے اور میں نے خود چنا تھا۔ اس لیے بات بھی میں ہی اس سے کروں گی'' ملیحہ کو عدینہ کی بات صحیح تو نہیں لگی لیکن پھر بھی اس نے سر ہلایا۔

'منہ دھو کر آ رہی ہوں ایک منٹ رک جاؤ'' ملیحہ گھڑی دیکھتی واش روم کی طرف بڑھی۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔

پانچ منٹ بعد وہ دونوں گاڑی میں تھیں۔ عدینہ تیار اور ملیحہ کنگھے سے اپنے بال سلجھا رہی تھی۔

''تم اس سے کیا بات کرو گی بس یہی کہ کیوں چھوڑا؟' ملیحہ نے ہمت جمع کرتے پوچھا۔

''نہیں یہ پوچھوں گی ناشتے میں کیا کھاؤ گے' عدینہ کے کہنے پر ملیحہ نے برش سامنے پٹخا۔

''تم خوش ہو؟'' پتا نہیں کیوں ملیحہ کے منہ سے یہ سوال نکلا۔ لیکن شاید کوئی بھی اس وقت عدینہ کو دیکھتا تو وہ یہی سوچتا کہ آج یہ لڑکی بہت خوش ہے۔

''خوش نہیں پر جوش ہوں۔ آج کشمکش دور ہو جائے گی۔'' عدینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ملیحہ نے بے چینی سے شیشے سے باہر دیکھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ایک گھر کے باہر تھیں۔

عدینہ کے گھر جیسا ہی ایک گھر۔

گاڑی سے باہر نکلتے ملیحہ نے عدینہ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سلیٹ تھا۔ خالی سلیٹ۔

بغیر بیل دیے عدینہ نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ دونوں اندر کی طرف چل دیں۔ سامنے گھر سے نکلتے سرفراز کے پاؤں منجمد ہوئے تھے۔ اس کے فرشتوں کو بھی امید نہیں تھی کہ ہفتے بعد ایسے عدینہ اس کے سر پر آ پہنچے گی وہ بھی صبح صبح آٹھ بجے اور وہ بھی اکیلی۔

''کیسے ہو سرفراز؟'' سرفرزا کا دل چاہا، وہ زمین کھود کر اس میں سما جائے۔

'ٹھیک۔۔ تم کیسی ہو؟' کس طرح سے اس کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے، اسے خود نہیں معلوم تھا۔

''اندر بات کریں گے یا یہیں؟ یا گھر سے باہر؟'' ملیحہ پیچھے ہی کھڑی رہی اور عدینہ سرفراز کے [illegible]

digest library.com

''اندر۔۔ اندر آ جاؤ'' سرفراز کے اندر جانے سے پہلے عدینہ دروازے سے اندر گئی۔ ملیحہ نے سرفراز کے پیچھے قدم بڑھائے۔

درمیان والے کمرے میں خاموشی تھی شاید سب سو رہے تھے۔

''بیٹھو'' سرفراز نے ہاتھ آگے کیا۔

''بیٹھوں؟'' عدینہ نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

''اب پوچھو۔۔ ناشتے میں کیا لو گی؟ زندگی میں سب کیسا چل رہا ہے؟ میرے بارات نہ لے کے آنے پر کتنی خوش ہو؟'' سرفراز نادم سا سر جھکا گیا۔ عدینہ دیکھ سکتی تھی سیڑھیوں سے سرفراز کے والدین اتر رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ باقی

دروازے بھی کھلنے لگے، چاچی، پھپھو۔

"عدینہ! آئم رئیلی سوری۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے ایسے......" سرفراز نے جھکے سر سے بولنا شروع کیا۔

'تم شرمندہ نہیں ہو۔ اور نہ ہی یہاں میں تمہارے جھوٹ سننے آئی ہوں۔ تم نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟' آج پھر عدینہ کی آواز نے اس کا ساتھ چھوڑا تھا۔

'تم نے مجھے پروپوز کیا تھا۔ تم نے مجھ سے شادی کا کہا تھا۔ تم نے سب کو منایا تھا۔ ایک سال منگنی رہی ہے ہماری اور بارات والے دن تم غائب ہو گئے؟ میں پاگل ہوں یا تم؟ کیونکہ یہ سب عام انسانوں کے کرنے کی باتیں تو نہیں ہیں۔" عدینہ کا دل چاہا آس پاس رکھے سارے ڈیکوریشن پیس اس کے سر پر دے مارے۔

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتا تھا یار۔ میں۔۔میں نے بہت کوشش کی لیکن یار، مجھے تمہارے ساتھ سانس نہیں آتا میرا دم گھٹتا ہے۔" سرفراز کے ایک دم کہنے پر عدینہ کو لگا۔ اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

"کیا؟" اس کے ہونٹ ہلے۔ "مجھے تمہیں سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ ایک سال تمہیں نہیں سمجھ سکا میں۔" وہ آہستہ سے کہتا بالوں کو مٹھیوں میں بھینچ گیا۔

"معذرت کے ساتھ لیکن۔۔۔تم ایک انتہائی عجیب انسان ہو عدینہ۔۔۔میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ سب، مجھ میں اور تم میں کوئی چیز کامن ہی نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں، میں نے تم سے زیادہ عجیب انسان نہیں دیکھا۔ تمہیں میں پتا نہیں کیا سمجھتا تھا لیکن عدینہ! تمہاری سوچ کپڑے، جوتے، اسکن کیئر، سے آگے ہی نہیں جاتی۔ ریسٹورنٹ جا کر بھی کھانا نہیں کھاتا......

یہ دو نوالے چاول نہیں کھا سکتی امی۔ دو چمچے میٹھا منہ میں نہیں رکھ سکتی۔ دو دن اپنی جاب کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ عدینہ نہیں امی! یہ روبوٹ عدینہ ہے۔"

سرفراز نے ایک سانس میں بغیر اپنی بات پوری کی تھی۔ عدینہ نے رکا سانس بحال کیا۔ سرفراز کے گھر میں کھڑے کچھ افراد کے چہروں پر ہنسی تھی اور کچھ شاک کے عالم میں سرفراز کو دیکھ رہے تھے۔

'ٹھیک ہے۔۔میں ایسی ہی ہوں۔۔لیکن ایک سال میں تمہیں بارات والے دن یاد آیا کہ عدینہ، عدینہ نہیں روبوٹ ہے۔۔' ابھی بھی وہ سیدھی کھڑی تھی، آنکھیں شفاف تھیں۔ آنکھوں پر لگا لائنر اور مسکارا نو میک اپ لک دیتے تھے۔ لیکن آواز کی لرزش کو آج پھر عدینہ نے کوسا۔ ملیحہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

'تم نے اس لیے عدینہ سے شادی نہیں کی؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے سرفراز۔۔۔ ہر لڑکی ایسی ہی ہوتی ہے۔" اس کے ابو نے آگے آ کے سرفراز کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔

"نہیں ہوتی ابو...... یہ کچھ کھا نہیں سکتی کہ کہیں ویٹ نہ بڑھ جائے یہ پورے دن اپنے فون پر ایپ کھولے رکھتی ہے کہ کیلوریز سے ایک ہندسہ بھی آگے نہیں چلا جائے، یہ پورے دن کپڑے اور جوتوں کی بات کرتی ہے۔ اس کی کوئی دوست نہیں کیونکہ ہر چیز سے اوپر کام۔ اس کی زندگی کام اور برینڈز پر ختم ہو جاتی ہے۔ میں ایسی لڑکی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں اس سے معافی مانگتا ہوں۔ لیکن مجھے ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔ مجھے ایک سادہ سی پرسکون زندگی گزارنی ہے۔" وہاں کھڑے ہر شخص نے سرفراز کو ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔

سوائے عدینہ اور ملیحہ کے۔

'آپ سب کو میں پاگل لگ رہا ہوں۔ مگر میں عدینہ کے ساتھ نہیں رہ سکتا امی! میرا میرا دم گھٹتا ہے اس کی باتیں سن کے۔" عدینہ نہیں روئی تھی لیکن سرفراز اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کیا وہ اتنا تنگ تھا اس سے۔

'ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک۔۔' یہ کہتے عدینہ پیچھے مڑی تھی جانے کے لیے۔ لیکن جانے سے پہلے اور سرفراز کے سانس لینے سے بھی پہلے ٹیبل پر پڑا پانی کا جگ اس نے سرفراز کے اوپر الٹا تھا۔ کاش وہ جگ اس کے اوپر پھینک بھی سکتی۔

''عدینہ۔۔'' سرفراز نے شاک کے عالم میں کہا۔

'اگر تم نے مجھے پاگل قرار دے ہی دیا ہے تو سوچا تمہیں عملی تفسیر بھی دکھا دوں۔ اللہ حافظ۔'' ملیحہ اس کے پیچھے لپکی جو باہر نکل رہی تھی۔

کار میں بیٹھتے عدینہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

''کیا ہوا؟'' ملیحہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ پاگل لوگ بیٹھے بیٹھے بھی ہنستے ہیں'' عدینہ کی بات پر ملیحہ نے گہرا سانس لیا۔

''آئم ایم سو سوری عدینہ۔'' ملیحہ کو کیوں شرمندگی ہو رہی تھی اسے خود نہیں پتا تھا لیکن اس ساری آکورڈ حالت میں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ آج دوپہر کی اس کی فلائٹ تھی۔

''اچھا چلو ناشتہ کرتے ہیں'' عدینہ نے مشہور ریسٹورنٹ کا نام لیا۔

''یار! نہیں وہ پرانے ڈھابے پر چلتے۔''

''نو پلیز سو ان ہائی جینک فوڈ۔ میں نہیں کھا سکتی۔ مکھیاں اتنی ہوتی ہیں۔''

''کبھی تمہیں وہ پسند تھا۔''

''اب نہیں ہے۔'' عدینہ مشورہ مانگتی تھی نہ رائے، اس نے وہی کرنا تھا ہوتا جو اس نے کہہ دیا۔ اس سارے عرصے میں آج ملیحہ کو اپنا آپ زیادہ محکوم لگا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر انسان، ہر وقت بدلتا ہے دوست کیسے نہ بدلیں؟

عدینہ نے لاہور کے مشہور ریسٹورنٹ کے سامنے کار روکی۔

''آ جاؤ ملیحہ! کن سوچوں میں گم ہو؟'' عدینہ نے اسے ہلایا۔ ملیحہ سوچوں سے باہر نکلی۔ عدینہ نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے آنکھوں پر عینک لگائی۔

ملیحہ بھی باہر آئی۔ کینفے میں وہ دونوں باہر ہی بیٹھ گئی تھیں۔ بارہ بجے کا وقت تھا اتنے لوگ آس پاس نہیں تھے۔ ان دونوں نے ناشتہ منگوایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

ملیحہ نے سوچا شاید اب وقت ہے سامنے بیٹھی لڑکی سے وہ باتیں کرنے کا جو وہ کب سے سوچ رہی تھی۔

''عدینہ! میں تم سے کافی دنوں سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔'' عدینہ کے اوپر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی اس نے دوبارہ آنکھوں پر عینک لگائی۔

''ہاں بولو'' ناشتہ ختم ہو گیا تھا۔ چائے کا گھونٹ لیتے کرسی سے ٹیک لگائے اس نے ملیحہ کو دیکھا۔

'یار شاید برا لگے تمہیں۔ لیکن ایک چیز میں نے بہت نوٹ کی ہے، تمہاری آدھی نہیں ساری گفتگو برینڈز، میک اپ، فیشن کے درمیان گھومتی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے تمہیں کوئی بات کرتے نہیں سنا ان دو ہفتوں میں۔ تم سارا دن مطلب سارا دن ان ہی چیزوں کے بارے میں باتیں کرتی ہو یار! میں یہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں تمہاری دوست ہوں۔ شاید تم نے خود اس چیز پر غور نہیں کیا۔ تمہارے لاشعور میں یہ چیز ہے۔ لیکن سرفراز کی بات ٹھیک تھی، تم کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو۔ اپنی پلیٹ دیکھو ناشتے کی۔ عدینہ! تم نے کچھ بھی نہیں کھایا! سب ایسے ہی پڑا ہے۔ تم نے خود کبھی غور نہ کیا ہو مگر میں نے تمہیں سلاد کے علاوہ کچھ کھاتے نہیں دیکھا۔ تمہاری امی بھی اس چیز سے پریشان ہیں۔ یہ کافی پریشان کن بات ہے یار کہ جب تم بولتی ہو تو سوائے کپڑے، جوتے کے کوئی بات نہیں ہوتی، تم اوور ورک کرتی ہو، تم کچھ کھاتی پیتیں نہیں۔ تمہیں اپنے اوپر کام لادنے کی کیا ضرورت ہے عدینہ!'' ٹیک لگائے بیٹھی عدینہ بت بن گئی تھی۔ اس کے منہ کو جاتا کپ ہوا میں ہی معلق تھا۔

'میں معافی چاہتی ہوں، مجھے اس وقت یہ باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں، مانتی ہوں۔ لیکن پانچ

بجے کی میری فلائٹ ہے۔ جانے سے پہلے میں تم سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ آرگینک عدینہ کہیں غائب ہے جو چھ سات سال پہلے نظر آتی تھی۔ مجھے تمہارے ساتھ اٹھتے بیٹھتے سچ میں لگتا ہے کہ میں کسی روبوٹ کے ساتھ ہوں۔ جو بولے گا تو ایک ہی بات نکلے گی۔"" ملیحہ نے گہرا سانس لیا۔

عدینہ نے آہستہ سے ہاتھ میں پکڑا کپ ٹیبل پر رکھا۔ اور سیدھے ہوتے سر ہلایا۔

'تھینک یو ملیحہ۔ تم نے میری آنکھیں کھول دیں" یہ کہتے ہوئے وہ پیچھے گردن پھینک کے ہنسی تھی۔ ملیحہ نے اسے دیکھا۔ آنکھوں پر عینک تھی اور وہ ہنس رہی تھی۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" ملیحہ کو عدینہ کی غیر سنجیدگی پر افسوس ہوا۔

'اور میں تمہارا شکریہ ادا کر رہی ہوں۔ آج تم نے اور باقی دنیا نے مجھے سدھارنے کا کوئی ٹھیکہ تو نہیں اٹھایا؟"' عدینہ کی بات پر ملیحہ نے سیدھے ہوتے وقت دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔ گھر جاتے، سامان اٹھاتے، ایئرپورٹ پہنچتے وقت کا پتا نہیں چلنا تھا۔ وہ اٹھ گئی۔

"چلو چلتے ہیں، میں لیٹ ہو جاؤں گی۔"

"ناراض تو نہ ہو یار۔ معذرت تمہیں میں اتنی بدلی ہوئی ملی۔" عدینہ نے اسے گلے لگایا۔ دونوں گھر کے لیے نکل گئیں۔

وہاں سب سے ملتے ایئرپورٹ پر ملیحہ کو خدا حافظ کرتے عدینہ کے چہرے سے مسکراہٹ معدوم نہیں ہوئی تھی وہ تب ہوئی جب عدینہ ایئرپورٹ سے باہر نکلی۔

☆☆☆

اسے خود معلوم نہیں تھا وہ اسی کیفے واپس کیوں جا رہی تھی جہاں وہ دونوں صبح بیٹھی تھیں۔ اسی کیفے پہنچتے، اسی جگہ پر بیٹھتے اس نے کافی آرڈر کی تھی۔ اب کی دفعہ کیفے میں زیادہ رش تھا۔ عینک بالوں پر لگی تھی اس لیے اس کی آنکھیں دیکھی جا سکتی تھیں۔ کتنی

دیر وہ ایسے ہی بیٹھی رہی پھر اس نے آہستہ سے میز پر رکھ دیا۔

یار عدینہ! یہ رنگ تھوڑا...... مطلب......

عدینہ کو دیکھتے ہی ملیحہ کے منہ سے یہ بات نکلی تھی۔

'یہ اتنا پیلا کیوں ہے یار آنکھوں میں لگ رہا ہے۔ سورج لگ رہی ہو تم' ساتھ والی کرسی پر بیٹھی دوسری دوست نے آنکھوں کے سامنے ہاتھوں کا چھجا بنایا۔

"نہیں بھئی۔ ہماری عدینہ اس رنگ میں بہت پیاری لگ رہی ہے" ملیحہ نے کسی خیال کے تحت جلدی سے کہا۔

"ہاں نا۔ مجھے بھی بڑا اچھا لگا یہ رنگ۔ برائٹ" ملیحہ نے اس کے کہنے پر اطمینان کا سانس لیا۔ اس پیلے رنگ میں عدینہ کی سانولی رنگت کچھ عجیب دکھ رہی تھی۔

پہلا سال یونیورسٹی کا ہر کسی کے لیے زندگی بدلنے والا ہوتا ہے خاص طور پر پہننے اوڑھنے کے لحاظ سے۔ آپ لوگوں کو دیکھتے ہو۔ پہننا اوڑھنا سیکھتے ہو لیکن اگر کسی نے نہیں سیکھا تو وہ عدینہ تھی۔

اس کے کپڑوں کا پیلا رنگ پیلا ہی رہا۔ بڑے بڑے پھولوں والی قمیصیں۔ بال ویسے ہی چٹیا میں بند۔ پہلے ملیحہ کو لگا شاید گھر کے حالات نہ ٹھیک ہوں لیکن عدینہ کی باقی کزنز سے ملتے بھائیوں کو دیکھتے اسے پتا چلا عدینہ خود ہی ست ہے۔ یونیورسٹی میں لوگوں کے وزن کم ہوتے ہیں اس کا بڑھتا ہی گیا۔

"عدینہ! مت کھاؤ......" ملیحہ نے عدینہ کے ہاتھ میں پکڑے چپس کے لفافے کو گھورا۔

'میں تو بالکل نہیں کھاؤں گی۔ انسان کو اپنی فٹنس کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ پہننے اوڑھنے......"

"ملیحہ! لیکچر کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

اگر عدینہ کسی چیز کے بارے میں سنجیدہ تھی تو وہ پڑھائی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ پاگل تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ ان چیزوں کو ضروری نہیں سمجھتی تھی اور دوسرا مسئلہ اس کی پسند تھا۔

کپڑوں میں اسے بھی پھول پسند تھے۔ تو تھے۔

digest library.com
Digest Novels.com

کیوں کسی کی پسند کو اپنے اوپر حاوی کیا جائے۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب انسٹا گرام جیسے ایپ عام ہونا شروع ہوئے تھے۔ کلاس فیلوز نے تصویریں لینا شروع کیں۔ لگانا شروع کیں۔ وہ ان سب چیزوں سے دور ہی رہتی۔ لیکن کیا سچ میں دور رہتی تھی؟ ایک دن غور کرنے پر اسے معلوم ہوا، اسے دور رکھا جاتا تھا۔ درخت کے پاس والے بینچ پر بیٹھی عدینہ نے اس سوچ کو جھٹکنے کی کوشش کی۔

''اللہ پتا نہیں ملیحہ جیسی لڑکی کی دوست عدینہ کیسے ہے۔ ہم تو اس سے بس پیچھا ہی چھڑاتے ہیں''

عدینہ کو لگا اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ یہ لڑکیاں اس کی دوست تھیں۔ انہیں نہیں پتا تھا کہ پیچھے والے بینچ پر عدینہ بھی بیٹھی ہے۔

''قسم سے پرنٹ دیکھے ہیں تم نے اس موٹو کے پھول بوٹے۔ عجیب سا ٹراؤزر۔ لڑکیوں کو اپنے اوپر غور کرنا چاہیے۔ میں یہاں شادی وادی کی بات نہیں کر رہی۔ ایک جنرل بات کر رہی ہوں۔ ایک تو اتنی موٹی ہو گئی ہے، اوپر سے ایسے رنگ۔ پہنتی ہے کہ بس نہ پوچھو۔ پتا نہیں ملیحہ جیسی ڈیسنٹ لڑکی کیسے برداشت کرتی ہے۔''

''یار! تم نے وہ ڈراموں میں نہیں دیکھا کہ ایک ہیروئن ہوتی ہے اور اس کے ساتھ بری بری سی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ وہی سین ان دونوں کا ہے۔ ملیحہ نے اسے اپنے پیچھے چلنے والی بنا کے رکھا ہوا ہے۔''

''اور پھر وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنسی تھیں۔ عدینہ کتنی دیر وہیں بیٹھی رہی۔ لیکچر کا وقت ہوا تو وہ اٹھ کر بلڈنگ کی طرف چلنے لگی۔ پہلے وہ باتیں سنتی رہتی تھی کہیں نہ کہیں سے کانوں میں آواز آ جاتی تھی کہ عدینہ کی ڈریسنگ لیکن اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ وہ اس چیز کی طرف غور کرتی۔ اسے بازار میں جو چیز پسند آتی، وہ اٹھا لیتی تھی پھر امی اپنی پسند کی ڈیزائننگ کروا دیتیں، امی کو کچھ پسند آتا وہ لے آتیں۔ اور اس کے پاس وقت کیوں نہیں تھا؟

پورا دن رات کتابوں میں سر دینے کے باوجود، اچھے نوٹس اور سارے لیکچرز لینے کے باوجود وہ ایک عام درمیانی طالبہ تھی۔ وہ طالبہ جس کا نام دس میں سے ایک استاد کو آتا تھا۔

گھر جاتے ہی اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تھا۔ اور اس نے ایک چیز کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ شکل صورت، جسامت، نین نقش سب میں بہت درمیانی تھی۔ اور ملیحہ سے تو بہت ہی پیچھے۔ ملیحہ سے کیا اپنی سب سہیلیوں سے پیچھے۔ ابھی کچھ دن پہلے رزلٹ آیا تھا، اس نے اس کی تصویر نکالی۔ اس کا جی پی اے اپنے دوستوں میں سب سے کم تھا۔ ان سب سے زیادہ محنت کرنے کے باوجود۔ وہ رات بائیس سالہ عدینہ پر بڑی بھاری گزری۔ اس کا تکیہ بھیگتا۔

اگلی صبح۔۔۔۔ وہ وہی پیلے رنگ کا سوٹ پہن کر دوبارہ تیار تھی۔ دنیا کی کون سنتا ہے۔ لیکن اس کون سنتا ہے کہ باوجود اب اس کے کان تیز ہو گئے تھے۔

ملیحہ کا بار بار ٹوکنا اسے محسوس ہونے لگا۔

یہ نہ کھاؤ، یار آج کے لیے یہی سوٹ ملا تھا۔

یار جوتے۔۔ دوستوں کا 'نائس' کہہ کر ہنسی چھپانا دکھنے لگا اور پھر عدینہ نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ فیئر ویل تھی ان کی جب وہ اپنا پرس ریسٹورنٹ کے اندر بھول گئی تھی۔ جلدی جلدی اندر گئی تو ملیحہ کو وہیں بیٹھے دیکھا۔ عدینہ نے سوچا ملیحہ کو پیچھے سے ڈرائے گی اس لیے آہستہ سے اس کی طرف جانے لگی۔ لیکن اس کے قدم وہی رک گئے۔

'ایک تو عدینہ کو کون سمجھائے۔ کیسا عجیب سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اوپر سے کیسی لڑکی ہے میک اپ کی کوئی تمیز نہیں۔ اتنا بلش کون لگاتا ہے۔ آئی لائنر توبہ...... اور لپ اسٹک اف۔۔ جوتا اُف۔۔ اللہ دینہ ساری تصویریں خراب کر دی ہیں اور اوپر سے آ بھی درمیان میں رہی ہے گروپ فوٹوز کے۔ اب اسے کاٹوں کیسے۔''

ملیحہ کو ہمیشہ سے بڑبڑانے کی عادت تھی۔ وہ اکیلی بیٹھی ابھی بھی یہی کر رہی تھی۔

کتنی دیر وہ ایسے ہی کھڑی رہی تھی جیسے اس

دن بینچ پر بیٹھی رہی تھی۔

اور جیسے آج اس کیفے میں بیٹھی تھی۔

سر جھکائے وہ ہنسی تھی۔ اب وہ تیس کی تھی لیکن کچھ زخم بڑے عجیب سے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر اپنی جسامت، رنگ اور ظاہری شخصیت پر سننے والی باتیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ہم زندگی میں ان سے کبھی نہیں نکل پاتے۔ بس ایسا ہوتا ہے ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہم جی جان لگا دیتے ہیں۔

ویٹر ٹیبل پر کافی رکھ رہا تھا اس نے ساتھ میم بھی کہا۔ عدینہ نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ کچھ دیر تذبذب کے عالم میں وہاں کھڑا رہا اور پھر چلا گیا۔

سر نیچے ہی رکھے عدینہ نے آگے کا سفر طے کیا۔ بی ایس سی آرکیٹیکچر میں دن رات ایک کرنے کے بعد بھی وہ اپنی کسی سہیلی کا مقابلہ نہیں کر پائی تھی۔ جی پی اے میں نہ ہی زندگی کے کسی بھی مقابلے میں۔

ایک رات ڈگری ایک طرف رکھتے اس نے انسٹا کھولا تھا۔ اپنی دوستوں کے اکاؤنٹس کھولتے اس نے اپنے آپ کو تلاشنے کی کوشش کی۔

اس دن پہلی دفعہ عدینہ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اکیلے رہ جانے کا خوف۔ کسی ایک دوست نے بھی اس کی تصویر اپنے ساتھ نہیں لگائی تھی۔ اسے ہمیشہ آخر پر کھڑا کیا جاتا تھا اور ہر جگہ آخر سے وہ کاٹ دی گئی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے ملیحہ کا اکاؤنٹ کھولا۔ کاش وہ نہ کھولتی۔ کیونکہ وہ وہاں بھی کہیں نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے سب میچور ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔ لیکن اب ایسا تھا۔

ملیحہ نے ایسی کوئی گروپ فوٹو بھی نہیں لگائی تھی جہاں عدینہ ہو۔ وہ سب جس یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، وہاں عدینہ سب سے مختلف ہی نظر آتی تھی۔ ہو سکتا ہے اگر کوئی پبلک یونیورسٹی ہوتی اور لاہور میں نہ ہوتی تو یہ سب عدینہ کو نہ دیکھنا پڑتا۔

اس کے بعد اسے اپنے خاندان کی باتیں زیادہ سنائی دینے لگیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن پر اس نے کبھی کان نہیں دھرے تھے، وہ اسے بتانے لگیں کہ اپنے خاندان کی سب سے معمولی لڑکی ہے وہ، انسان جو دکھتے بھی سب سے آخر میں ہیں چاہے سب سے پہلے کھڑے ہوں۔

کسی کی نیت نہ بھی ہو تب بھی عدینہ کا موازنہ سب کے ساتھ تھا۔ اس کے بھائی مذاق میں کہتے تب بھی عدینہ کو زیادہ محسوس ہوتا۔ گھر والے بھی اس کی حساسیت سے تنگ آ گئے تھے۔ دوستوں سے اس نے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ سب نے دو تین دفعہ میسج کیا پھر چھوڑ دیا۔ کس کے پاس وقت تھا؟

وہ پڑھنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ اور کرنا چاہتی تھی۔

عدینہ نے ساری رات جاگ کر گزارنا شروع کر دی۔ پوری رات اس کی انگلی اسکرول کرتی۔ پھر یہ اس کی عادت بن گیا۔ یہ ایک نئی دنیا تھی۔ یوٹیوب گرومنگ ویڈیوز سے بھرا ہوا تھا۔ انسٹا پر مفت کے گرو لاکھوں تھے۔ اس نے انسٹا پر ایسی لڑکیوں کو فالو کیا جو اس کی طرح دکھتی تھیں۔ وہ کیسے کپڑے پہنتی ہیں، کیسا میک اپ کرتی ہیں، اور کیا کیا کرتی ہیں۔ یہ اس کے لیے نئی دنیا تھی۔

دو سال عدینہ نے اپنے اوپر کام کیا تھا۔ پہننا، اوڑھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، ایکسرسائز۔

اس کے ساتھ ہی قسمت نے اس پر مزید رحم کیا اور اسے ایک کمپنی میں جاب مل گئی۔ بہترین نہیں درمیانی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر عدینہ کی زندگی کی کہانی کا کوئی نام ہوتا تو وہ درمیانی ہوتا۔

اسی دوران اسے ملیحہ کی شادی کی خبر ملی تھی۔ عدینہ کو کارڈ بھی آیا مگر وہ نہیں گئی۔ ملیحہ کی تصویریں جب انسٹا پر لگیں تب کتنی دیر وہ ان تصویروں کو دیکھتی رہی تھی۔ جتنی وہ خود پیاری تھی اتنا ہی ہینڈسم اس کا شوہر تھا۔ سسرال بھی اچھا نظر آتا تھا۔ ان کا سارا گروپ نظر آتا تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ عدینہ کو کسی نے یاد بھی نہیں کیا ہوگا۔ لیکن عدینہ کو ملیحہ کا میسج موصول ہوا تھا ناراضی کا اظہار کرنے کے بعد اس نے کہا تھا کہ ملتے ہیں کیونکہ پھر وہ لندن جا رہی ہے۔

عدینہ نے اپنے بیڈ پر بیٹھے اس سے کہا کہ کاش وہ مل سکتی لیکن وہ تو گھومنے اسکردو آئی ہوئی ہے۔ اس کے بعد بھی بھی دونوں کی بات ہو جاتی اسی طرح جس طرح ہم سب پڑھائی کے بعد اپنی سہیلیوں سے رابطے میں رہتے ہیں۔

عدینہ نے دن رات ایک کیے تھے اس مقام پر پہنچنے کے لیے جس مقام پر ملیحہ بغیر کسی محنت کے تھی۔

عدینہ کی کمپنی اچھی تھی۔ وہ بڑھ چڑھ کر ہر پروجیکٹ میں حصہ لیتی۔ حتیٰ کہ عید کی چھٹیوں میں بھی عدینہ رضاکارانہ طور پر کام کے لیے ہامی بھر لیتی۔ اتوار کو بھی کام ہوتا تو عدینہ آفس آنے کے لیے سب سے پہلے اوپر ہاتھ کھڑا کرتی۔ سال کے دوران ہی اس کی پروموشن ہوئی تھی۔ اور پھر یہ پروموشنز رکی نہیں۔

اس دوران سرفراز نے جب اسے پروپوز کیا تو گھر جا کر سب سے پہلے اس نے ملیحہ کی شادی کی تصویریں نکال کر کوئی گھنٹہ سرفراز اور ملیحہ کے شوہر کا موازنہ کیا تھا۔ ہم۔ بہترین۔ سرفراز درمیانہ نہیں تھا۔ بہترین جاب، بہترین شکل وصورت قد وقامت اور بہترین گھر۔ پھر اس نے اپنے والد کو بتایا تھا۔

اور اب سات سال بعد وہ ہر لحاظ سے ملیحہ کے ساتھ کی تھی درمیانی نہیں۔ اس نے اس درمیانے پن سے نکلنے کے لیے دن رات ایک کیے تھے۔ صبح چھ بجے وہ آئینے کے سامنے ہوتی تھی۔ لنچ بریک میں جب سب لڑکیاں لنچ میں بزی ہوتیں تو واش روم میں اپنا میک اپ فریش کرنے ضرور جاتی تھی۔ رات نو بجے گھر آ کر بھی وہ ورک آؤٹ کرتی تھی۔ نیند سے آنکھیں بند ہوں تب بھی وہ میک اپ اتار کر سوتی تھی۔ فارغ وقت میں وہ ہمیشہ کپڑے جوتے دیکھتے پائی جاتی۔ اتوار کو کبھی چھٹی ہوتی تو وہ پورا دن شاپنگ پر گزارتی۔ اور ان سب میں اس کے پاس کوئی دوست نہیں تھا۔

امی ابو دونوں ورکنگ تھے۔ بھائی جاب اور فیملی کے ساتھ کوشش کرتے کہ اسے وقت دیں لیکن عدینہ کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ ڈائٹ، ورک آؤٹ، شاپنگ، پارلر، جاب۔ اور عدینہ کی زندگی ختم۔

عدینہ نے جھکا سر اٹھایا۔ کسی کو اس کی زندگی سے کبھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اب سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ہمیں جو ٹی وی، انسٹا وغیرہ پر دکھایا جاتا ہے اب اگر ویسا بننے کے لیے لڑکیاں دن رات ایک کر رہی ہیں تو کیا برائی ہے؟ اور کون ناپسند کرتا ہے انہیں؟ کون؟

اس کی کافی ٹھنڈی یخ ہو گئی تھی۔ اس نے کرسی سے ٹیک لگائے سر پیچھے کیا۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے گہرا سانس لیا۔ سامنے والی ٹیبل پر بچے نے رونا شروع کر دیا تھا۔

صبح سے وہ مسکرا رہی تھی۔ ہنس رہی تھی۔ لیکن روبوٹ عدینہ کا دل چاہا وہ ابھی اسی بچے کی طرح اتنا چیخے کہ گلے میں خراشیں پڑ جائیں۔

اسے محسوس ہوا اس کی ٹیبل پر کسی نے کچھ رکھا ہے۔

اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں سامنے کوئی نہیں تھا۔ لیکن ٹیبل پر کارڈز کا ڈھیر پڑا تھا عدینہ نے حیرانی سے ایک کارڈ اٹھایا۔ وہ کسی سائیکولوجسٹ کا بزنس کارڈ تھا۔ دعا احمد آگے لمبی کوالیفیکیشن تھی۔

اس نے فون کا کیمرہ کھولتے اپنا چہرہ دیکھا اسے یہ کارڈ کیوں وہ واقعی دکھی آتما ہی لگ رہی تھی۔

بہت سارے کارڈوں میں سے ایک کارڈ اس نے اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا۔ کافی کے پیسے دے کر وہ کیفے سے نکل آئی۔

digest library.com

☆☆☆

"تم سے ایک کام کہا تھا میں نے حسام اور تم ایک کام نہیں کر سکے؟" دعا نے سامنے بیٹھے اپنے بھائی کو صوفے کا کشن مارتے کہا۔

"بھائی! کیا ہے تمہارا کام۔ پکے کسٹمر کو دے کے آیا ہوں ایک دو دن میں تمہارے پاس ہوگا" حسام نے کشن کھانے کے بعد بھی فون سے سر نہیں اٹھایا تھا۔

"تم سے زیادہ بدتمیز اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اتنے دوست ہیں تمہارے اور تم میرے

سارے کارڈز ایک انسان کو دے آئے ہو۔" اب کی دفعہ کشن اس نے پکڑ لیا تھا۔ بہنوں سے اتنی بھی مار نہیں کھانی چاہیے۔

"دعا! تم کب بڑی ہوگی؟ میں جب تمہیں کہہ رہا ہوں کہ کسٹمر پکا ہے پھر؟ اور میرے دوستوں نے اپنی باتیں بتانے تمہارے پاس آنا ہے؟ انہیں اپنا زندگی بھر مجھ سے مذاق بنوانا ہے کیا؟'

'میں تمہیں ان کی کوئی بات نہیں بتاؤں گی۔ میں سائیکولوجسٹ ہوں یار!' دعا نے اپنے ڈھیٹ بھائی کو گھورا جو'واٹ ایور' کہتا اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

"چل جائے گا تمہارا کلینک۔ تم صبر کرلو۔ تمہیں کس نے کہا تھا بے چارے فیصل سے لڑ جھگڑ کر اپنا چلا چلتا ہوا کلینک چھوڑ کر پاکستان آؤ؟ اب کرو صبر۔ وقت تو لگتا ہے نا ہر چیز میں۔" حشام نے دوبارہ بات ہوا میں اڑائی۔

"اپنے باپ کے گھر آئی ہوں۔ تمہارے گھر نہیں آئی کہ تم تیسری دفعہ مجھے یہ طعنہ مار رہے ہو" دعا کی آواز کی سنجیدگی سن کر حشام فوراً سیدھا ہوا۔ اسے یہ مذاق مہنگا پڑ سکتا تھا۔ دعا کے والد (جو خود اس کے والد بھی تھے) اسے باہر بھی نکال سکتے تھے۔

"یار دعا۔ ایک غصہ قابو کرنے کی ترکیب اپنے اوپر بھی آزما لو اور میری بات سنو۔ میں نے اپنے سارے سرکل میں تمہارا بتا دیا ہے کہ اب تم یہاں پریکٹس کر رہی ہو۔ لیکن میں کھینچ کھینچ کر کسی کو لا تو نہیں سکتا نا۔ اس دن شکور کو لایا تھا تمہارے پاس۔ اس شکور کو ایکٹنگ کے پیسے بھی دیئے پر تم نے پہچان لیا کہ یہاں کچھ اور چل رہا ہے۔ خیر" اس سے پہلے دعا دوبارہ اس واقعے کو لے کر شروع ہوتی۔ حشام نے خیر کہتے ہاتھ کھڑا کیا تھا کہ میری بات ختم نہیں ہوئی۔

'اس لڑکی کو ایک کارڈ کی نہیں دو سو کارڈز کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں سارے اس کے پاس ہی رکھ آیا۔ اور وہ آئے گی۔"

حشام نے اس لڑکی کے چہرے کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ اس دن وہ آفس سے نکل کر چائے پینے گیا تھا جب سامنے والی ٹیبل پر بیٹھی لڑکی کو اس نے دیکھا تھا جس نے گھنٹہ بھر سر ٹیبل پر رکھا تھا اور اگلا گھنٹہ وہ اس طرح سانس لیتی رہی تھی ایسے جیسے اسے دشواری پیش آ رہی ہو۔

'اس کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ تھک چکی ہے۔ وہ جس بھی دائرے میں گھوم رہی تھی وہاں وہ دوبارہ سے زیرو پر آ گئی ہے۔ اس کی زندگی میں وہ وقت آ چکا ہے جب ایک دم ہر چیز خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور پھر کوئی رستہ نظر نہیں آتا' دعا گہرا سانس لیتے اٹھ گئی

"تمہیں کوئی عشق وشق تو نہیں ہو گیا؟" حشام نے فون دوبارہ سے اٹھایا تھا۔

'تمہارے اور فیصل کے عشق کا انجام دیکھ کر مجھے یہ بیماری قطعاً نہیں ہونے والی۔ سو تم بے فکر رہو اور جا کر نوافل کا انتظام کرو تا کہ کلینک چلنے کے کوئی آثار نظر آئیں۔" اب کی دفعہ کشن حشام کے فون پر لگا تھا اور فون زمین بوس ہوا۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی۔ آج اس کی چھٹی کا بھی آخری دن تھا۔ واش بیسن کے سامنے کھڑے ہوتے اس نے اپنے آپ کو دیکھا۔ دکھی آتما اور پھر وہ ہنس دی۔ اس نے منہ پر چھینٹے مارے تھے اور اس کے بعد اس کی نظر اپنے ہاتھوں پر گئی۔ جس چیز کو وہ اتنے عرصے سے نظرانداز کر رہی تھی، آج وہ دکھ گئی۔ ہاتھوں پر لگی مہندی۔ مہندی کا رنگ ہلکا ہو گیا تھا مگر اتنا تھا کہ سرفراز کا نام ابھی بھی واضح تھا۔ پانی کے نیچے ہاتھ کرتے اس نے اپنا ہاتھ رگڑا تھا، آہستہ اور پھر تیزی سے۔ صابن سے رگڑتے، ٹوتھ پیسٹ ملتے اس کی آنکھوں سے کب کے، رکے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ہاتھوں کو جنونی انداز میں ملتے روتے وہ وہیں نیچے بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

جب سے اس نے آفس دوبارہ جوائن کیا تھا تب سے وہ شعوری طور پر کوشش کر رہی تھی کہ لوگوں

کے ساتھ گھل مل سکے۔ بریک میں بھی اب وہ کوشش کرتی کہ کام کے بجائے ان سب کے ساتھ لنچ کر لے لیکن۔ لیکن وہ سب اسے ہمیشہ بھول جاتے تھے! لنچ ہوتا، پارٹی، گیٹ ٹوگیدر ہر کوئی اسے بھول جاتا تھا۔ جب وہ پوچھتی آپ لوگ کدھر تھے تب وہ سب بتاتے یہاں تھے اور اوہ سوری آپ کو بھول گئے دراصل آپ بھی ہمارے ساتھ گئیں نہیں تو بس۔۔ معذرت!

اس نے آفس میں زیادہ کام لینے کے بجائے صرف اپنا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ سب کے ساتھ گھلنے ملنے کی زبردستی کی کوشش کو دو ہفتے میں ہی بند کر دیا۔ نتیجہ بالکل سامنے تھا۔

"مس عدینہ! آپ ہماری بیسٹ ایمپلائے ہیں لیکن ہمیں لگتا ہے کہ آپ کو ریسٹ کی ضرورت ہے۔ آپ کے ڈیپریشن کی وجہ سے آفس کے ماحول پر اثر ہو رہا ہے ـــ اس لیے ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں۔ آپ ریسٹ کریں اپنے ڈیپریشن کا علاج کروائیں پھر ہم دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔"

اس کے دماغ نے ڈیپریشن لفظ کو سمجھنے کی کوشش کرنے کے ساتھ تحمل سے اپنے ہیڈ کی بات سنی تھی۔ اپنا بیگ پکڑتے وہ کچھ کہے بنا اٹھ گئی تھی" وہ یہاں اپنے باس کے منہ پر پانی نہیں پھینک سکتی تھی۔

"مجھے امید ہے آپ ہمیں سمجھیں گی۔" اس نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بغیر کچھ محسوس کیے اپنے ڈیسک تک پہنچی تھی اور وہاں نظر گھماتے اسے ایک بھی چیز نظر نہیں آئی جسے وہ اپنے ساتھ لے کے جاتی۔ وہاں صرف کام کام اور کام سے متعلق چیزیں تھیں۔ اس نے کندھے اچکائے۔ اور دروازے کی طرف چل دی۔ باہر سردیوں کی پہلی بارش ہو رہی تھی۔ جیسے اندر اسے کچھ محسوس نہیں ہوا تھا ویسے ہی باہر بھی کچھ محسوس نہیں ہوا۔ بلڈنگ سے باہر نکل کر سائیڈ پر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

'تو ایسے سب زمین بوس ہوتا ہے؟ ایسے تاش کے پتوں پر بنی زندگی لمحوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سب تھا جس کے لیے میں نے اتنی محنت کی؟ کیا یہ ہے میرا دی اینڈ؟"

وہ آواز سے اپنے ساتھ ہم کلام تھی۔ بارش کی بوندیں اسے بھگو رہی تھیں پر اسے پروا نہیں تھی۔

"باجی جی! چلنا ہے؟" اس کے سامنے ایک رکشہ والا لڑکا اور اونچی آواز سے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کدھر؟ کدھر جانا ہے آپ نے؟"

عدینہ نے بیگ کی جیب سے کارڈ نکالا تھا جو شاید اس نے اسی وقت کے لیے سنبھالا تھا۔

'ادھر جانا ہے' کارڈ سے پتا پڑھ کر بتاتے وہ رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کی خود کی گاڑی آفس ایریا میں ہی کھڑی رہی تھی۔

☆☆☆

حسام دروازہ بند کر رہا تھا جب اس نے رکشہ سے اترتی عدینہ کو دیکھا تھا اور پہلی نظر میں پہچان لیا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ دروازے سے نہیں ہٹا تھا اس کی بہن کا پہلا کلائنٹ حاضر تھا۔

"یہ دعا احمد کا گھر ہے؟" عدینہ نے انگریزی میں پوچھا۔ حسام نے ہاں میں سر ہلایا۔

'مجھے ان سے ملنا ہے۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟'

عدینہ نے سامنے کھڑے انسان کو کھڑے دیکھ کر اپنے آپ کو کوسا تھا کہ وہ ایسے کیسے منہ اٹھا کر آ گئی ہے۔ کوئی جانچ پڑتال، تحقیق اس نے کچھ بھی نہیں کی اور وہ دعا احمد کے پاس آ گئی ہے کوئی اسکام ہوا پھر؟

'جی میڈم۔ آپ آئیں۔ اندر آ جائیں۔"

حسام نے اسے جگہ دی لیکن وہ ہلی نہیں۔

"نہیں آپ دعا احمد کو یہیں بلا دیں مہربانی ہوگی۔" عدینہ نے سر مسلا......

"کیا مطلب۔ اس بارش میں آپ نے یہاں کھڑے کھڑے سیشن لینا ہے؟" باہر کھڑا کوئی بھی انسان بتا سکتا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ ساتھ اس بندے کو بھی تھراپی کی ضرورت ہے۔

"سر! آپ انہیں ایک منٹ کے لیے بلا

دیں۔" حسام نے مزید بے تکی بحث کرنے کے بجائے تیزی سے اندر قدم بڑھائے اور اسی تیزی سے دعا احمد باہر نکلی تھی۔ عدینہ جو واپسی کے لیے قدم بڑھا رہی تھی، دعا کو آتے دیکھ کر رک گئی۔

☆☆☆

"پھر کیا ہوئیں باتیں؟" عدینہ کے گھر آنے کے بعد وہ واپس کام کے سلسلے میں باہر چلا گیا تھا۔ اب گھر واپسی ہوئی اور دعا کو دیکھتے حسام کو عدینہ یاد آئی۔

"پوچھ ایسے رہے ہو جیسے میں نے بتا دینی ہیں۔" حسام نے چائے کا بھاپ اڑاتا مگ پکڑتے منہ بنایا۔

"یقین تو مجھے صرف اس بات پر ہے کہ تم تھراپی میں کوئی تعویذ شعویز ہی دیتی ہو۔ یا تم اور کلائنٹ مل کر دعا کرتے ہو کہ تم دونوں ٹھیک ہو جاؤ؟" حسام کی بے تکی باتوں پر دعا نے گہرا سانس لیا۔ "نام کیا ہے تمہارے مریض کا" دعا نے اسے گھورا تھا۔ حسام رکا۔ "تمہارے کلائنٹ کا؟ اب یہ تو بتا سکتی ہو۔" دعا سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟ خیریت ہے؟ اتنی کیوں دلچسپی ہے تمہیں اس میں۔ رشتہ وغیرہ لے کے جانے کا تو کوئی چکر نہیں۔ جتنے تم بڈھے ہو چکے ہو بمشکل ہی کوئی مانے گا۔ اس عمر میں لڑکی ملنا تھوڑا مشکل ہی ہے۔" حسام نے آواز کے ساتھ کپ ٹیبل پر رکھا۔

"نام پوچھا تھا دعا بی بی۔ ایک تو اللہ گنجے کو ناخن نہ دے۔ مریض بھی دیا اور باتیں بھی سنو۔" وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

حسام کا ایک اصول تھا کہ جتنا ہو سکے اتوار کی صبح اتنا لیٹ اٹھنا ہے۔ کسی کا فون نہیں اٹھانا۔ کسی کو اہمیت نہیں دینی بس ایک کام کرنا ہے اور وہ ہے سونا۔ اتوار کا دن اس نے اپنے پسندیدہ کام کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ مگر دروازے پر بجتی بیل۔ اسے حسام کے اصول سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"یار کیا مصیبت ہے۔" تکیے کو غصے سے زمین پر پھینکتے وہ باہر کی طرف بڑھا تھا۔

"گھر پر کوئی موجود ہے؟" غصے سے چیختے اس نے دعا کو آواز دی تھی۔ مگر جواب ندارد اور بیل پر انگلی رکھے باہر موجود انسان شاید انگلی بیل سے ہٹانا بھول گیا تھا۔

مین گیٹ سے دور سے ہی حسام نے چیخ کر پوچھا تھا "کون ہے؟" اور پھر دروازہ کھولا۔

"دعا احمد سے ملنا ہے۔" سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھتے اس نے منہ کے سارے بگڑے زاویوں میں سے کچھ ٹھیک کیے تھے۔

"آپ نے سیشن کا ٹائم لیا تھا میڈم؟" وہ بھول چکا تھا کہ اسے سامنے کھڑی لڑکی سے بڑی ہمدردی تھی۔

"لیا تھا۔ دعا احمد نے خود دیا تھا" عدینہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"پھر آپ کی ڈاکٹر بہت لاپرواہ غیر ذمہ دار، غیر مہذب اور غیر حاضر ہیں۔" اگر بند دماغ کے ساتھ اسے مزید غیر کے الفاظ یاد آتے تو لازمی بولتا۔

عدینہ نے منہ کھولے اسے دیکھا۔

"اور یہ انسان بے دماغ ہے۔" دعا نے حسام کے پیچھے سے نکلتے کتاب اس کے سر پر ماری تھی۔ حسام وہیں سے پیچھے ہولیا۔

"یہ آپ کے اسسٹنٹ ہیں؟" اسے اپنے پیچھے عدینہ کی آواز آئی تھی۔

digest library.com

☆☆☆

پہلے سیشن میں اپنی ساری کہانی آہستہ آہستہ بتاتے عدینہ نے اگلی دفعہ نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔ کیا یہ ہوتی ہے تھراپی؟" نہ اسے اچھا محسوس ہوا تھا نا برا۔ اسے کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ آس پاس ہے ہی نہیں۔

سیشن کے بعد گھر پہنچ کر وہ امی ابو کے کمرے میں گئی تھی اور انہیں اپنی جاب کے ختم ہونے کا بتایا۔ انہوں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ اسے یہاں بھی کچھ محسوس نہیں ہوا۔

اگلے دن ناشتا کر کے وہ کتنی دیر گم صم بیٹھی رہی

تھی۔ اتنی دیر کہ ابو اس کے پاس آئے تھے اور آہستہ سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ساتھ لگے وہ پہلی دفعہ سب کے سامنے ہچکیوں سے روئی تھی۔

بھائی، بھابی، امی سب ناشتہ چھوڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی شادی ہونے سے پہلے ختم ہو گئی تھی اور اس شخص کا نام ابھی تک ہاتھ سے نہیں اترا تھا۔ اس کی جاب ختم ہو گئی تھی جس پر اس نے اپنی جان لگا دی تھی۔ وہ ہر ایک چیز جس کے پیچھے وہ بھاگتی رہی تھی۔ سب بہت بے معنی ہو گیا تھا۔ الماری میں پڑے لاتعداد کپڑے، جوتے، میک اپ۔

اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آئی کہ اس کے پاس کوئی ایک ایسا دوست بھی نہیں تھا جو اس سب کے بعد اس سے پوچھ سکتا کہ وہ ٹھیک ہے۔ ملیحہ؟ وہ مصروف تھی۔ کیا دوستی ایسی ہوتی ہے؟ لیکن وہ کیا کسی سے کہتی اس نے کب کسی کے غم یا خوشی میں شرکت کی تھی جو کوئی اس کے لیے اس وقت حاضر ہوتا۔

☆☆☆

کتنے دن وہ گھر میں بند رہی تھی۔ کچھ کھائے پیے بنا کیوں؟ کیونکہ اس سے کھایا ہی نہیں جاتا تھا۔ دعا سے سیشن لینا وہ بھول چکی تھی۔ اس کے اندر ہمت نہیں تھی کہ وہ ہل بھی سکتی۔ کتنے ڈاکٹر آئے اور گئے۔ اور وہ کتنے دن ایسی ہی حالت میں رہی۔

''ابو! میں اور فزا بھی کل سعودی عرب واپس جا رہے ہیں۔ جاب کی وجہ سے مجبوری ہے ورنہ ایسے اس حالت میں اپنی اکلوتی بہن کو چھوڑ کر کبھی نہ جاتے۔''

اسے بند آنکھوں سے اپنے بھائی کی آواز آئی تھی۔

'اب تم مانو نہ مانو ثمرین! لیکن تمہاری اور بھائی صاحب کی بڑی غلطی ہے۔ پہلے لڑکی کو بٹھائے رکھا گھر کہ فلاں فلاں ڈیمانڈ والا بندہ چاہیے۔ پھر تم ڈھونڈ کے بھی لائے تو وہ سرفراز۔ اپنے آس پاس دیکھ لیتا ہے بندہ'' اس کے خاندان کی عورتیں اس کے کمرے میں شاید عیادت کرنے آئی تھیں۔

'ہم نے تو آپی کا لہنگا دیکھا تھا۔ اتنے لاکھوں کا تھا۔ اور ان کا فگر بہت اچھا ہے بڑی پیاری لگتیں۔ پتا ہے میک اپ کہاں سے کروا رہی تھیں۔ لیکن ہاں غرور تو بڑا ہے ان میں۔' یہ اس کی چھوٹی کزنز تھیں۔

اسے بند آنکھوں کے ساتھ سب کی آوازیں آتیں۔ وہ آنکھیں کھول سکتی تھی لیکن وہ کھولنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

کیا اسے سرفراز سے محبت تھی؟

وہ دل سے نہ میں چیخ سکتی تھی۔ پھر یہ سب کیا تھا۔ یہ سب اس لیے تھا کیونکہ اس نے اتنے سال اپنے اوپر محنت کی۔ اپنے آپ کو درمیانے درجے سے نکال کر نمبر ون پر لانے کی۔ ملیحہ اور ملیحہ جیسی لڑکیوں کے مقابل آنے کی اور جب وہ پہنچ گئی تو پھر اسے روبوٹ کہہ کر چھوڑ دیا گیا۔

بہترین!

☆☆☆

اپنے شدید مصروف حالات میں بھی حسام دعا سے عدینہ کا پوچھنا نہیں بھولتا تھا۔ اور ہمیشہ پوچھنے پر دعا کی ایک گھوری اس کا منتظر ہوتی۔ امی ابو بھی گاؤں سے واپس آ گئے تھے اور اب ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سب مل کے دعا کے کلائنٹ کے واپس آنے کے منتظر ہیں۔

دعا کی مختصر سی کہانی تھی کہ پسند سے شادی کے بعد وہ قطر شفٹ ہو گئی تھی۔ سائیکولوجسٹ تھی۔ قسمت سے وہاں پر اچھی نوکری مل گئی۔ پھر اس نے اپنا کلینک شروع کر لیا۔ فیصل کو اپنے میکے میں دعوت دیتے اسے دس سال گزر گئے تھے مگر وہ یہاں آنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا اور اب کی دفعہ دعا اسے چھوڑ کر اکیلی آ گئی تھی کہ جب تک وہ خود لینے نہیں آئے گا وہ نہیں جائے گی۔ اور اب پاکستان میں دو مہینے بعد بھی ایک کلائنٹ اس کے پاس نہیں تھا۔

''دعا بیٹے! ضد نہیں لگاتے شوہروں سے۔'' امی کی آواز پھر کسی کونے سے آئی۔

''شوہر بیوی دونوں اب برابر ہیں۔'' دعا نے ٹی وی سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔

"یہ برابری کہاں سے آگئی۔ ضد کی بات ہو رہی ہے۔"

"امی! وہ کہہ رہی ہے کہ ضد میں میاں بیوی دونوں برابر ہیں۔ جو یہ دونوں ہیں۔"

"حسام خاموش۔" امی نے ڈپٹا۔

"فیصل کو وقت نہیں مل رہا ورنہ وہ یہاں ہوتا۔ اور کس نے کہا تھا کرے پسند کی شادی میں نے تو خود فیصل کے گھر جا کر اسے منانے کی کوشش کی تھی کہ بعد میں مجھے مت کہنا کہ سمجھایا نہیں۔" بولتے بولتے حسام نے اوپر دیکھا تھا۔ اور اپنی ماں اور بہن کی خوں خوار نظروں سے ڈرتے اس نے تھوک نگلا۔

"کسی زمانے میں میرا دوست تھا۔۔۔ ایسے ہی کنویں میں چھلانگ لگانے دیتا۔ فرض تھا میرا۔" اب کی دفعہ دعا کا امی کا اونچا تھا۔ اور امی کا "حسام خاموش۔"

حسام نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اور ہنسی چھپاتا لاؤنج سے نکل گیا۔ ویسے بھی اس کے جانے کا وقت تھا۔

حسام نے پورچ میں آتے آسمان کی طرف دیکھا تھا اور بھرپور مسکرایا۔ بارش آنے والی تھی۔ اس کی پسندیدہ بارش۔ وہ آنکھوں میں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔ وہ حسام احمد تھا جس کی آنکھوں میں شرارت اور ذہانت دکھتی تھی۔ مضبوط حسام۔ ابو کی ٹانگ روڈ ایکسیڈنٹ میں ٹوٹی اور ساتھ ہی جاب بھی۔ تب وہ ایف ایس سی میں تھا۔ کمانے والے ابو تھے۔ عزت والی نوکری تھی کہ اچھا گزر بسر ہو رہا تھا۔ ابو نے گھر بہت پہلے ہی بنا لیا تھا۔ اس لیے گھر اپنا تھا بڑا خوبصورت گھر لیکن کس نے کہا بڑے خوبصورت گھروں میں پیسوں کے مسائل نہیں ہوتے۔ دو مہینے بعد گھر کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ دادا دادی کوئی تھے نہیں۔ دو چچا تھے باہر کے ملک، ان کے پہلے فون آتے رہے اور جس دن دوسری دفعہ ابو نے پیسوں کے لیے فون کیا، دوبارہ فون اٹھایا نہیں گیا۔ کوئی کسی کی محنت کو یاد نہیں رکھتا۔ ان میں سے کسی کو یاد نہیں تھا کہ بڑے بھائی نے کتنی محنت سے انہیں باہر پڑھنے بھیجا تھا اپنا حصہ بھی بیچ کے۔ وہ صحیح قول ہے، لوگ سب ہی اچھے ہوتے ہیں" خدا بس کسی پر برا وقت نہ لائے۔" ویسے بھی رشتہ داروں سے کسی مشکل میں پیسے لے لو اگلی دفعہ ان کے فون بس واپسی کے مطالبے کے آتے ہیں۔۔

دو مہینے میں گھر کا راشن ختم تھا۔ ابو کے ہسپتال کے خرچے، دعا کی یونیورسٹی کی فیس، بس کا کرایہ، امی کی میڈیسن، گھر کا بل، حسام کو جب مہینے کی کالج فیس کا چالان ملا تو وہ اس چالان کو گھر لانے کے بجائے وہیں کالج میں پھاڑ آیا۔ وہ بہترین پرائیویٹ کالج تھا۔ وہاں جگہ بھی صرف امیروں کی تھی۔ گھر آ کر سب سے پہلے اس نے ابو کے فون سے کالج کا نمبر بلاک کیا تھا۔

اس کے بعد درمیان والے کمرے میں بغیر پنکھا چلائے بیٹھتے اس نے سوچا تھا آگے کیا؟ دعا نے کچن سے نکلتے اسے صوفے پر بیٹھے دیکھا تو خود بھی بیٹھ گئی۔

"حسام! گھر میں پکانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ابو کی میڈیسن صرف اس ہفتے کی ہیں۔ امی کی میڈیسن پچھلے مہینے ختم ہو گئی تھیں۔ تمہاری کالج کی فیس آ گئی ہو گی۔ میری وین اور یونیورسٹی کی فیس اگلے ایک دو مہینے میں آ جائے گی۔ اور بجلی کا بل، گیس کا بل، یار!" دعا نے اس کے ہاتھ پکڑے۔

"حسام! ہم کیا کریں؟ ابو پریشانی سے گھل رہے ہیں، امی سارا سارا دن روتی ہیں۔ چچا فون نہیں اٹھا رہے، ماموں لوگوں کی طرف دیکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ تو ابو کو دیکھنے بھی نہیں آئے۔" دعا کی آنکھ سے آنسو ٹپکا۔

"ہم کیا کریں" حسام نے دعا کی طرف دیکھا وہ اپنے بھائی کے ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی۔ اے سی میں بیٹھنے والے پنکھا بھی نہیں چلا رہے تھے۔ دو مہینے سے ابو کی سیونگز چل رہی تھیں۔ ابو کے آپریشن میں بہت پیسے لگے تھے۔ اب سب ختم تھا۔

digest library.com

حشام نے دعا کو دیکھتے گہرا سانس لیا۔
"آپشنز کیا ہیں دعا؟" بھیگی آواز سے سترہ سالہ حشام نے پوچھا تھا۔ حشام کا سارا دماغ پڑھائی میں چلتا تھا۔ کبھی دعا کے علاوہ وہ کسی سے لڑا بھی نہیں تھا۔ دوست بھی وہی تھے جو پڑھنے والے تھے۔ اس کی دل کی دھڑکن بہت تیز ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں کتنے ہی آنسو تھے۔
"پہلا آپشن ہے کہ یہ گھر بیچ کر ہم کسی چھوٹے گھر میں شفٹ ہو جائیں اور کچھ دن ان پیسوں سے گزارا کریں۔" دعا نے اس کے پہلے آپشن پر ہاتھ چھوڑ دیے۔ اور نہ میں گردن ہلائی۔
"دوسرا آپشن۔ گاؤں والی تینوں زمینیں بیچ کر یہاں پر کچھ کر لیا جائے۔" دوسرے آپشن پر دعا نے اس کی طرف دیکھا۔ ہاتھ دوبارہ پکڑے۔
"کیا؟ کیا کریں گے؟" اس کا جواب حشام کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس نے کندھے اچکائے۔
رات کو یہ سارا ماجرا ابو کے سامنے رکھا گیا۔ وہ مکمل بیڈ ریسٹ پر تھے ہل بھی نہیں سکتے تھے۔ "میرا دوست امجد کاروبار کرنے لگا ہے سولر پینل کا۔ وہ جو سورج سے بجلی بنتی ہے۔" ابو نے حشام کو دیکھتے کہا۔ یہ 2007 کی بات تھی۔
"باہر کے ملکوں میں کافی ٹرینڈ ہے اس کا بیٹا لیکن پاکستان میں نہیں۔ لیکن ہم اس کے ساتھ پارٹنرشپ کر سکتے ہیں۔ وہ کافی دنوں سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ہم اپنی زمینیں بیچ کر اگر وہاں لگا دیں۔ کیونکہ زمینیں بھی تو اتنی نہیں۔ لیکن امجد اعتماد والا بندہ ہے۔" ابو سوچتے بول رہے تھے۔ حشام کے پاس خود کوئی آپشن نہیں تھا اس نے ہاں میں سر ہلا دیا۔
کچھ دنوں میں زمینوں کا سودا ہوا اور امجد انکل کے ساتھ معاہدہ۔ حشام جو ایک عام سا دبو سا لڑکا تھا وہ ڈرتا ڈرتا فیکٹری جاتا۔ اور جھکے کندھوں کے ساتھ واپس آتا۔ فیکٹری اتنی بڑی نہیں تھی۔
گھر کے حالات کے لیے دعا نے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کی یونیورسٹی کی فیس اس کی ٹیچر کی مدد سے جمع ہوگئی۔ اور دین کے پیسے ٹیچروں نے مل کر دیے۔ دعا کے کندھے جھک گئے حشام کی طرح۔
حشام نے فیکٹری کے قریبی مال پر سیلز مین کا کام شروع کر دیا۔ گھر میں ایک پنکھا چلتا، مہینے میں ایک دفعہ بھی گوشت نہ بنتا پر دونوں بھائی بہن اپنے ماں باپ دونوں کو ڈاکٹروں کے پاس وقت پر لے کے جاتے۔ کسی نے پوچھا ہی نہیں تھا کہ حشام کالج کیوں نہیں جاتا۔ اس کے بغیر بتائے سب کو معلوم تھا۔
فیکٹری کی تعمیر میں امجد انکل کام آتے اور ان کے بیٹے باقی معاملات سنبھال رہے تھے۔
حشام کا کام فیکٹری کی دیکھ بھال تھا۔ چھ بجے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ مال جاتا اور بارہ بجے گھر۔ ایک دن امجد انکل نے حشام کو پیسوں کا حساب کرتے دیکھا وہ بغیر کیلکولیٹر کے دھڑا دھڑ حساب کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ کوئی مزدور آتا تو اس سے بات بھی کرتا۔
کچھ دیر بعد کار میں بیٹھے امجد نے اس فائل کو کھولا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ سب حساب دوبارہ کرے۔ شاید احمد کے بیٹے نے غلطی کی ہوگی۔ احمر نے کیلکولیٹر کی مدد سے حساب کیا اور دونوں باپ بیٹا ہنس دیے۔ ایک ایک چیز ٹھیک تھی۔ اسی وقت ان کے سامنے سے حشام گزرا تھا۔ وہ اب مال کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"یہ یہاں سیلز مین بھی کام کرتا ہے بابا۔" احمر نے افسوس سے بتایا۔
"کل سے نومان فیکٹری آئے گا اور حشام ہمارے ساتھ چلے گا۔" احمر نے کندھے اچکا دیے۔
اس دن کے بعد سے حشام امجد کا رائٹ مین تھا۔ اس کے جھکے کندھے خود بخود اٹھ گئے۔ اس کی ہچکچاہٹ ایک سال میں ختم تھی، وہ لوگوں کو باتوں میں گھمانے کا ہنر چند سالوں میں سیکھ گیا تھا۔ فیکٹری بن گئی تھی۔ سولر 2018ء میں عام ہونا شروع ہو گئے اور اسی طرح آٹھ سال بعد حشام کے گھر کے حالات بہتر ہونا شروع ہوئے۔ اور اب 2024ء میں ان کی چھوٹی سی فیکٹری پھل پھول رہی تھی۔

ابو امی کی صحت بہترین۔ ابو وہیل چیئر پر تھے لیکن خوش تھے۔ حشام نے سب سے پہلے ان کی زمینیں واپس کی تھیں انہیں، جن کی دیکھ بھال ابو کر رہے تھے۔

انیس سال بعد سامنے کھڑے حشام کو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی حشام ہے ڈرپوک، جھکے کندھوں والا۔ اس نے مسکراتے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ بس یہ بال بتاتے تھے کہ اس لڑکے نے محنت کی ہے۔

"حشام!" سامنے سے نومان گھر میں آ رہا تھا اور ہمیشہ کی طرح اس نے گھر کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔

'تمہاری وجہ سے میری ساری عمر فیکٹری میں گزر گئی ہے۔" نومان کے پیچھے حشام نے دیکھا تھا کہ عدینہ گاڑی میں سے اتری تھی اور گھر آنے کے بجائے وہ سیدھ میں جا رہی تھی۔ نومان اور بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن حشام دروازے کی طرف بھاگا تھا۔

"حشام! فیکٹری جانا ہے یار۔ ابا کا حکم ہے" وہ اسے دروازے سے باہر نکلتے دیکھ کر چلایا تھا۔

حشام نے باہر نکلتے سیدھ میں جاتے عدینہ کو دیکھا تھا۔ وہ مہینے بعد نظر آئی تھی۔ اس مہینے میں اس نے کوئی ہزار دفعہ دعا سے عدینہ کا پوچھا تھا۔

"دعا احمد کا گھر یہاں ہے۔" اس کے پیچھے آواز دیتے حشام نے کہا۔ عدینہ مڑی۔

"جی" اس نے ارد گرد دیکھا کیا یہ اس سے مخاطب تھا۔

"دعا احمد کا گھر یہاں اس طرف ہے" حشام نے اپنی بات دہرائی۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ ماتھے پر بل لا کر بولی۔

'اوہ' حشام وہیں کھڑا رہا۔ عدینہ سامنے بنی دکان میں جا رہی تھی۔ جب وہ باہر نکلی تو اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ کی دکان تھی۔ حشام نے تھوک نگلا۔ اسے معلوم تھا کیا ہوگا۔

عدینہ نے وہیں کھڑے چاکلیٹ کھولی تھی۔ ایک کے بعد دوسری اور تیسری۔۔۔۔ پھر وہ وہیں زمین پر بیٹھی تھی۔ کیوں؟ الٹی کرنے کے لیے۔ جو کھایا تھا وہ باہر تھا۔ حشام بھاگ کر دکان میں گیا تھا۔ عدینہ نے کچھ دیر بعد سر اٹھایا تو آنکھوں کے سامنے پانی کی بوتل لیے رستہ بتانے والا کھڑا تھا۔ عدینہ نے بوتل پکڑ لی۔ پینے کے بعد باقی بچے پانی سے اس نے منہ پر چھینٹے مارے تھے۔

حشام فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا تھا۔ عدینہ کے اندر چلنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ وہ بھی اٹھ کر فاصلے پر حشام کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ دعا نے بتایا تھا یہ اس کا بھائی ہے۔

اس طرف سڑک پر رش نہیں تھا۔ بادل سے ڈھکا آسمان اور درختوں کے پتے ہلاتی ہوا۔ اور ان کے درمیان میں دو نفوس بیٹھے تھے۔

'آپ کو اپنے سیشنز مس نہیں کرنے چاہیے تھے۔' حشام نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہے" عدینہ نے سانس لیا۔ حشام نے سامنے دیکھا۔

"جب میں نے آپ کے پاس کارڈز رکھے تھے تو مجھے یقین تھا، آپ ضرور آئیں گی۔" عدینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اور اس ایک مہینے میں بھی مجھے یقین تھا، آپ ضرور آئیں گی۔" حشام نے عدینہ کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟" عدینہ نے الجھن سے پوچھا۔

حشام نے کہہ تو دیا تھا پر اسے معلوم نہیں تھا آگے کیا کہنا ہے اس نے عدینہ کو دیکھتے جملہ سوچا۔

"عدینہ" دعا کی آواز دور سے آئی تھی۔ حشام کھڑا ہوا۔ سامنے دعا کے ساتھ نومان کھڑا تھا جس نے لازمی ہزاروں فون کر کے دعا کو بلایا تھا۔

"عدینہ آ جاؤ" دعا دوبارہ بلا رہی تھی۔ عدینہ خاموشی سی اٹھ گئی۔ سوال ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ حشام نے اسے گھر کے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

حشام کیوں کا جواب تلاشنے کی کوشش کر رہا تھا۔

زندگی میں کچھ لوگ بغیر دستک دیے داخل ہوتے ہیں شاید انہیں معلوم ہوتا ہے دروازہ بجایا تو نہیں کھلے گا۔ عدینہ کی مثال حشام کی زندگی میں ایسے ہی تھی۔ اس دن کیفے میں سر جھکائے بیٹھی عدینہ کو دیکھ کے اسے اپنا آپ یاد آیا تھا۔

”یار حشام! تیری والی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے میرا اور عدیل کا۔“ حشام والی یونیورسٹی۔ نویں جماعت کے بعد حشام کو پتا تھا اس نے کس یونیورسٹی کا انتخاب کرنا ہے۔ ایڈمیشن تو ہو جائے گا، کوئی مسئلہ نہیں۔ اور اس بات کا سب کو یقین بھی تھا اسی لیے اس یونیورسٹی کا نام حشام یونیورسٹی بن گیا تھا۔

یہ میسج اسے لوگوں کو چائے کی پتی کے مختلف ڈبے دکھاتے ملا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ چائے کا ڈبہ لیے کھڑا رہا۔

اس کے خواب، انجینئر، بڑی کمپنیز کے ساتھ کام کرنے کے خواب، آسائشوں میں پلا تھا آسائشیں ہی سوچی تھیں۔ لیکن وہ تھی کہیں نہیں۔

اس دن وہ کتنی دیر مال کے باہر بیٹھا رہا تھا۔ سر جھکائے قسمت کو سوچتے۔

اور آج وہ اپنے بہت سے دوستوں سے زیادہ کامیاب تھا۔ زیادہ اچھے پیسے تھے لیکن خواب تو خواب ہوتے ہیں۔ انہیں نہ پانے کا غم، غم ہی کہلاتا ہے۔ عدینہ کے خواب اپنی خوبصورت اور اول آنے والی سہیلیوں جیسے دکھنے کے اور حشام کے خواب کالی ٹوپی اچھالنے کے۔

حشام کو عدینہ میں پرانا حشام دکھتا تھا۔ ٹوٹا بکھرا انسان۔ حشام کو نہیں پتا تھا عدینہ کی کہانی کیا ہے لیکن وہ اس لڑکی سے ہمدردی رکھتا تھا۔

☆☆☆

digest library.com

سیشنز لیتے اس نے سب سے پہلا کام ساری انسٹا انفلوئنسرز کے نام پر برینڈوں کو بیچتی لڑکیوں کو ان فالو کرنے کا کیا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اپنی سب دوستوں سے رابطہ کرنے کا، ملیحہ سے بھی۔ امی ابو کو وقت دینا شروع کیا، بھائیوں کو فون کرنا۔ بہت آہستہ آہستہ اس نے ہر چیز کھانا شروع کر دی تھی۔ بغیر کیلکولیٹر پکڑے۔

وہ آئینے میں خود کو دیکھنے سے گریز کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا اس کا رنگ خراب ہو رہا ہے، دانے بھی نکلے ہوں گے، بال جھاڑ د ہوں گے۔ پھر ایک دن دعا نے اس سے کہا کہ لکھے وہ کیسی لگ رہی ہے۔ اس نے یہ سب باتیں لکھ دیں اور پھر دعا نے اس کے سامنے شیشہ لا کر رکھ دیا کہ دیکھو۔ جو اس نے لکھا تھا وہ ویسی ہی لگ رہی تھی۔

دعا نے اس سے پوچھا تھا۔ ”خوبصورتی کیا ہے؟“

وہ خاموش رہی۔ ’آپ کس لڑکی کو خوبصورت کہیں گی؟‘

’جو دبلی پتلی ہو، سفید رنگ، موٹی ناک نہ ہو، بڑی آنکھیں، ہونٹ نہ زیادہ چھوٹے نہ بڑے، کان زیادہ بڑے نہ ہوں، چہرے پر کوئی دانہ یا اس کا نشان نہ ہو، چہرے پر بال نہ ہوں، سفید دانت، سیدھے چمکتے گھنے بال۔“ بغیر رکے وہ بولی تھی۔ شرمندگی اللہ جانے کیوں ہوئی اور پہلی دفعہ اپنے منہ سے یہ سب کہتے اسے عجیب لگا۔

’لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ جو آپ نے اپنے دماغ میں تصور بنا رکھا ہے خوبصورتی کا۔ وہ صحیح ہو اور آپ اس پر پورا اترو؟ یا جو معاشرے نے خوبصورتی کا معیار متعین کیا ہے اس پر اترنا ضروری ہے؟

یہ چہرے جنہیں تم انسٹا پر دیکھتی ہو ان جیسا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سب نقلی چیزیں ہیں، جو ہم خوبصورتی کی مثالیں پڑھتے ہیں، وہ سب خود ساختہ ہیں۔ سو میں سے ایک بندہ ان جیسا ہو سکتا ہے۔ باقی ننانوے کا کیا؟ کیا ان سب کو خوبصورتی کی دوڑ میں اپنے آپ کو کھو دینا چاہیے؟“

عدینہ نے انکار میں گردن ہلائی۔

”میں یہ نہیں کہتی کہ خوبصورت ہونا بری بات ہے یا خوبصورت بننے کی چاہت بری بات ہے۔ میں بس آپ کو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ خوبصورتی سے پہلے بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ ہماری صلاحتیں آتی ہیں، جذباتی وابستگی آتی ہے، ہماری کامیابیاں آتی ہیں۔ اخلاق، نیک نیتی، اچھا بولنا، یہ خوبصورتی تو بس ان سب چیزوں میں سے ایک چیز ہے جو نا بھی ہو تب بھی۔ رنگ جیسا بھی ہو، نشان دانے چہرے پر، بال خراب۔

آپ کے جسم کا خوبصورت لگنا ضروری نہیں ہے۔ کام کرنا ضروری ہے! سانس لینا ضروری ہے، ہضم کرنا، لکھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، بولنا اور اس جسم کے یہ سب کام کرنے پر اس سے ہمیں ہمیشہ محبت کرنی چاہیے۔ عزت کرنی چاہیے۔ یہ جسم اگر کام نہ کرے تو خوبصورتی کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔"

کچھ سیشنز کے بعد ہی زندگی میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔

"اگر خوبصورتی سفید رنگ، پتلی کمر، شیشے جیسی اسکن، لمبے سیدھے بالوں پر مشتمل ہے تو ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ بہت سے لوگ خوبصورت نہیں ہوتے۔

یہاں دل اور اندرونی خوبصورتی کی بات نہیں کر رہی۔ ظاہری خوبصورتی کی بات کر رہی ہوں جو اس معاشرے نے سیٹ کیے ہیں۔

ہمیں اس معاشرے کی خوبصورتی کے قانون کو فالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمیں خوبصورتی کو اس کی جگہ پر رکھنے کی ضرورت ہے۔ خوب صورتی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے اور وہ نہ ہو تب بھی اس خوبی کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی جو باقی قابلیت ہیں ان پر فوکس کرنے کی ضرورت ہے۔"

گھر آ کر وہ شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی تو اپنے چہرے پر آج دانے کا ہونا بہت معمولی لگا، اسے اپنے بال ٹھیک لگے، وہ میک اپ کے بغیر کھڑی تھی اور اسے اپنا آپ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ کیسی لگ رہی ہے اس چیز سے باہر نکلی تو زندگی میں سب اچھا لگنا شروع ہو گیا۔

"زندگی میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ خراب اور کچھ صحیح ہی رہے گا، یہ تمہارے اوپر ہے کہ تم اپنا وقت صحیح پر صرف کرتی ہو یا خراب پر۔"

"ویسے تمہارے قدم کافی مبارک ثابت ہوئے ہیں اس گھر کے لیے۔" آخری سیشن میں دعا نے گھر کے داخلی دروازے پر اسے یہ القابات کہے تھے۔ اس کے کہنے پر عدینہ نے اس کے پیچھے دیکھا جہاں اس کے گھر والے چائے پی رہے تھے۔ عدینہ کے دیکھنے پر وہ سارے جو اسے ہی دیکھ رہے تھے سب نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"تمہارے بعد کافی کلائنٹس آئے ہیں، اس لیے کہہ رہی ہوں۔" دعا نے بات جلدی سے کہی۔ عدینہ نے مسکرا کر خدا حافظ کیا۔

☆☆☆

"کیسی لڑکی ہے عدینہ؟" کھانے کی ٹیبل پر امی کے صاف پوچھنے پر جہاں حشام کے گلے میں کھانا پھنسا وہیں دعا نے باری باری سب کو دیکھا۔

"جیسے کلائنٹ ہوتے ہیں ویسی ہی ہیں۔" امی کی بات سمجھتے ہوئے بھی دعا نے بات گھمائی۔

"دیکھنے میں بات کرنے میں تو اچھی ہے۔ تم اس کی سائیکولاجسٹ ہو زیادہ پتا ہوگا" امی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

"امی وہ میری کلائنٹ ہے۔ اچھی بری مجھے نہیں پتا۔ اگر حشام کو پسند ہے یا آپ لوگوں کو پسند آ رہی ہے تو خود دیکھ لیں۔ اس سے بات کریں۔ حشام خود بات کر لے۔" دعا نے بات ختم کرتے دوبارہ کھانا کھانا شروع کیا۔

"ایک تو تم ہر وقت کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو دعا۔ میں بس پوچھ رہی ہوں۔"

"وہ میری کلائنٹ ہے امی۔ اگر میں اپنے بھائی اور اس کے رشتے میں مداخلت کرتی ہوں یا ثالث کا رول ادا کرتی ہوں تو ہماری فیلڈ میں اسے بہت ان ایتھیکل سمجھا جاتا ہے۔" امی نے چڑ کے دعا کو دیکھا۔

"چلو۔ میں صرف پوچھ رہی ہوں۔" امی ڈٹی رہیں۔

"آپ مجھ سے پلیز پوچھیں بھی مت۔ سب کچھ آپ لوگ خود ڈیسائیڈ کریں" دعا نے حشام کو گھور کر دیکھا۔ جو اٹکتے کھانے کے ساتھ بھی کھانے میں مصروف تھا۔

"نہ میں نے امی ابو سے کچھ کہا ہے۔ نہ میں تمہیں فورس کر رہا ہوں۔ آپ لوگ برائے مہربانی کھانا کھائیں۔"

"بیٹا! ہمیں ذات برادری کسی سے کوئی مسئلہ

نہیں' امی کا بس چلتا تو مولوی بھی ابھی بلا لاتی۔
"ایسے کہہ رہی ہیں آپ جیسے آپ کے بیٹے نے کسی کی مانی ہو۔"
"بہن سے ہی سیکھا ہے" حسام دو بدو بولا۔
"لکھ کے رکھ لو۔ نہیں مانے گی وہ۔"
"تم بھی سن لو مان جائے گی۔" امی اپنی پلیٹ لے کر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ پیچھے سے آوازیں آ رہی تھیں۔
"شرط لگا لو۔" دعا نے کرسی گھسیٹی۔
"کیوں میں پاگل ہوں" حسام کو آج سے زیادہ غصہ کبھی نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

آفس کے ہر شخص کو معلوم ہو گیا تھا کہ آج ان کا سر حسام افسردہ ہے۔ اس نے آفس میں آتے جاتے سب سے حال چال پوچھا تھا مگر اس کی آنکھوں کی چمک ماند تھی۔
"سر میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔" گارڈ نے اس کی کار کا دروازہ بند کرتے کہا تو حسام نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔
"حامد صاحب! کیوں خیریت۔ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟" حسام کے کہنے پر گارڈ شرمندہ ہوا۔
"پتا نہیں سر۔ آپ کو دیکھ کے محسوس ہوتا ہے لیکن آپ کی جو بھی مراد ہے اللہ اسے پورا کرے۔" گارڈ کے کہنے پر حسام امین کہتا گاڑی لے گیا۔

☆☆☆

کہتے ہیں آپ کسی کے ساتھ اچھا کرو تو ابھی آپ دروازہ پار کرو گے اور آپ کو اجر مل جائے گا۔ حسام کو کیسے اجر نہ ملتا۔
حسام نے کچھ شاپنگ کرنی تھی وہ ایم ایم عالم روڈ پر آ گیا۔ موسم اچھا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک دو چیزیں خریدیں اور موسم دیکھتے کافی کے لیے ایک کیفے کے سامنے گاڑی روک دی۔ اس کا ارادہ کافی لے کر گھر جانے کا ہی تھا لیکن کسی خیال کے تحت وہ کار سے اتر گیا۔ کیفے کے باہر کرسیاں لگی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ آرڈر دیا اور کرسی سے ٹیک لگاتے اردگرد دیکھا۔ کافی پینے کے بعد وہ اٹھ رہا تھا جب اس نے عدینہ کو ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھتے دیکھا۔
وہ اسے کتنے عرصے بعد دیکھ رہا تھا؟ سال بعد۔
آج اس کے چہرے پر کوئی میک اپ نہیں تھا۔ لانگ شرٹ اور کھلے ٹراؤزر میں ملبوس عدینہ نے بیٹھتے ہوئے بے ارادہ ادھر دیکھا تو حسام کو دیکھتے پایا۔
"السلام علیکم!" حسام کے سلام کرنے پر اس نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ویٹر کو بلا کر آرڈر دینے لگی۔ حسام نے بھی اسی ویٹر کو دوبارہ کافی کا کہا۔
کتنی دیر وہ اپنی اپنی ٹیبل پر بیٹھے رہے۔
'کیسی ہیں آپ؟' حسام نے ہمت جمع کرتے اپنی کرسی کا رخ عدینہ کی طرف کیا۔
'ٹھیک۔' عدینہ نے کہتے فون کی طرف دیکھا۔ اور پھر سر اٹھایا حسام کی کرسی کا رخ اس کی ٹیبل کی طرف تھا ایسے جیسے ایک ہی ٹیبل پر بیٹھے ہوں۔ کچھ دیر پہلے ایسے نہیں تھا۔
"دعا کیسی ہیں" عدینہ نے حسام کا نہیں دعا کا حال پوچھا تھا۔ حسام نے بھی ٹھیک کہا۔
ویٹر نے دونوں کے درمیان کافی کے کپ رکھے۔ اور دونوں کو ایک نظر دیکھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے فون پر مصروف تھے۔
اسی مصروفیت میں دونوں نے کافی پی اور خدا حافظ کہتے حسام اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ عدینہ نے اسے جاتے دیکھا، وہ بار بار اپنے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور اگر عدینہ سن سکتی تو وہ 'ایڈیٹ اسٹوپڈ حسام' کہتے جا رہا تھا۔

☆☆☆

رشتہ والی لڑکیوں کے خاندان کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ جب امی عدینہ افضل کا نام سنتے ٹھٹکی تھیں۔
"بہن لیکن پہلے بتا رہی ہوں، لڑکی کی شادی ٹوٹی ہے سال پہلے" اس کی بات پر امی خاموش ہوئیں۔
'وجہ کیا تھی؟'

"وجہ تو دونوں طرف سے پتا نہیں چلی۔ وہ لڑکا تو باہر چلا گیا ہے سنا ہے شادی بھی ہو گئی ہے۔ اور ہمارے معاشرے کا تو تمہیں پتا ہے کہ الزام لڑکی پر آتا ہے۔" امی نے آگے کوئی سوال نہیں پوچھے کیونکہ سامنے سے فیصل آ رہا تھا ان کا داماد آخر اتنے لمبے عرصے بعد۔ اب سارے مسئلے سلجھ سکتے ہیں۔

digest library.com

☆☆☆

حشام کتنی دفعہ اسی کیفے جا کر بیٹھا تھا اسی امید پر کہ شاید وہ آ جائے۔ کافی پی پی کر ایسا لگتا تھا اس کا معدہ سڑ چکا ہے۔ اب گھر یا آفس میں بھی کوئی کافی کا نام لیتا وہ دور سے ہی منع کر دیتا۔ ہفتے بعد ویٹر کو اس نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اگر تم نے مجھ سے کافی یا چائے کا پوچھا تو میں تمہارا سر پھاڑ سکتا ہوں' ویٹر دانت نکالتا چلا گیا۔

ایک شام جب وہ ناکام و نامراد جانے لگا تو سامنے سے دل کی مراد آتی نظر آئی۔ اس کے قدم منجمد ہوئے۔ کالے رنگ کی شارٹ شرٹ اور شلوار پہنے عدینہ کار سے باہر نکلی تھی۔ بیگ میں گاڑی کی چابی ڈالنے کے بعد اس نے اوپر دیکھا۔ نومبر کی خوبصورت شام حشام کو مزید حسین لگی۔

حشام واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ عدینہ آرڈر دینے کے بعد حشام کے ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھ گئی تھی۔ حشام نے دوبارہ کرسی کا رخ عدینہ کی ٹیبل کی طرف کیا۔ دور سے اب لگتا تھا ایک ہی ٹیبل پر بیٹھے ہیں۔

'کیسی ہیں آپ؟' حشام نے اب کی دفعہ فون ٹیبل پر رکھ دیا۔

'الحمدللہ۔ دعا کیسی ہیں؟' آج پھر دعا کا پوچھا گیا تھا۔ حشام نے ٹھیک کہتے اسے دیکھا۔ عدینہ نے بھی فون ٹیبل پر رکھا۔ وہ دونوں ٹیبل پر فون رکھے کبھی کیفے کے اندر دیکھ رہے تھے کبھی باہر، کبھی اوپر نیچے۔

'آپ کے لیے خوبصورتی کیا ہے؟' عدینہ کے یک دم پوچھنے پر حشام نے اس کی طرف دیکھا۔

'ہر ہنستا ہوا انسان' حشام نے آرام سے جواب دیا۔ عدینہ بے ساختہ مسکرائی۔ اچھا جواب تھا۔

"میرا خیال ہے ہم دونوں بے حد مختلف ہیں۔" عدینہ کے کہنے پر حشام سیدھا ہوا۔

'میں نے یہ بات آج تک دعا کو نہیں بتائی لیکن ایک چیز کا مجھے احساس ہوا کہ میں عام ہونے سے ڈرتی تھی۔ عام، ایوریج درمیانی۔ کبھی آپ کو خوف آیا؟' حشام نے سوچتے نہیں میں گردن ہلائی۔

عدینہ نے بھی سر ہلایا۔

'وہ سامنے جو لڑکی ہے وہ خاص ہے۔ وہ اسمارٹ ہے، اس نے سب سے مہنگی کافی پکڑی ہوئی ہے، وہ جاب کرتی ہے، اس کے کپڑے دیکھو صرف قمیص کی قیمت پندرہ ہزار ہے اس سوٹ کو پہن کے وہ سو بھی لے گی، اس کی گلاس اسکن دیکھو وہ ہر ماہ کئی طرح کے فیشل لیتی ہے، اس نے بہت سے لیزر بھی کروائیں ہیں، اس کے جوتے دیکھو، اور بال۔ یہ خاص ہے اور ہم عام۔"

"یہ عام سے خاص بننے کی جنگ ہم لڑکیوں کو بھگاتی جا رہی ہے اور ہم بھاگتی جا رہی ہیں۔

ہم میں سے بہت سی لڑکیوں کو جاب انڈیپینڈنٹ ہونے کے لیے نہیں چاہیے، ان چیزوں کے حصول کے لیے چاہیے ہے، ہمیں پیارا لگتا ہے۔"

حشام نے اس لڑکی کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی جس کا حوالہ عدینہ دے رہی تھی وہ اس لڑکی کو عدینہ کی آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا۔ اس لڑکی کا مجسمہ عدینہ کی آنکھوں سے دماغ اور دل میں جا رہا تھا۔ جیسے لڑکیوں کے دماغ میں انسٹاگرام کی ریل جاتی ہے۔

'کبھی تم نے غور کیا ہے؟ ہم لڑکیوں کی جب تعریف کرنی ہو تو کہا جاتا ہے خوبصورت لگ رہی ہے۔ لڑکوں کی جب تعریف کی جائے تو ان کے لیے ہنڈسم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ خوبصورتی کا مطلب نازکی، وقار جو سب ظاہری خصوصیات سے متعلق ہیں اور ہینڈسم کا مطلب پراعتماد اور مضبوط۔ مطلب عورت کو ہم نے خوبصورتی سے منسوب کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ اتنی خوبصورت ہو گی تب ہی کامیاب کہلائے گی۔ ہمیں دکھایا بھی یہی جاتا ہے

بچپن سے۔ عورت موٹی ہے تو وہ آنٹی ہے، بے وقوف ہوگی، سازشی بھی ہوسکتی ہے۔"

عدینہ ہنسی۔ حسام نے کرسی سے ٹیک لگاتے عدینہ کو بولتے سنا۔ وہ اس کا سائیکولوجسٹ نہیں تھا۔ لیکن وہ اسے باقی ساری عمر بھی سننے کو تیار تھا۔

'پہلے ساری دنیا ہمیں بتاتی ہے خوبصورتی کا معیار یہ ہے، پیکلو ٹراما دے رہے ہیں، اتنے لمبے بال، اتنی پتلی کمر خوبصورتی کی نشانی ہے اور جب ہم ان چیزوں کو اپناتے ہیں تو یہ معاشرہ ہمیں بتاتا ہے کہ تم تو مٹیریلسٹک ہوگئی ہو۔ تم لڑکیوں کی سوچیں تو ان چیزوں سے باہر نہیں نکلتیں۔ کپڑے، جوتے، میک اپ۔۔۔ پہلے گرومنگ کے نام پر ہمیں ان چیزوں کو پیچھے لگایا جاتا ہے اور جب ہم لگ جاتی ہیں تو ہمیں عام کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ گھر والے بار بار باور کرواتے ہیں کہ اچھا رشتہ نہیں آئے گا اگر اس طرح کے نہ بنیں۔

ناولز، ڈرامے ساری میڈیا انڈسٹری ہمیں جینے کا معیار بتاتی ہے۔

اگر ہم ایسی نہ بنیں تو کاہل اور سست۔ ہم لڑکیوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا گیا ہے۔ ہماری زندگی کپڑے، جوتے کے گرد گھوم گئی ہے۔ ہمیں لائف پارٹنر بھی وہ چاہیے جو ہمارے لاتعداد خوابوں کو پورا کر سکے۔ اور ہم خود اتنی محنت اس لیے کرتی ہیں کہ یہ سب چیزیں خرید سکیں جس کی قطعاً ہمیں ضرورت ہی نہیں۔"

ویٹر ٹیبل پر کافی رکھ رہا تھا۔ وہ دو کافی تھیں۔

'ویٹ میں نے یہ آرڈر نہیں کی" حسام نے ویٹر کو روکنا چاہا۔

"میں نے کی ہے" عدینہ کے کہنے پر حسام نے بمشکل کافی کا مگ تھاما۔

"ویسے میں سائیکولوجسٹ نہیں ہوں۔" حسام نے مسکراتے کہا تو عدینہ شرمندہ ہوئی۔

"معذرت۔ آج آفس میں کوئی بات ہوئی تو پتا نہیں کیسے دماغ میں یہ باتیں آ گئیں' عدینہ نادم سی بولی۔

'نہیں اٹس او کے۔ کتھارسس ہو گیا۔" حسام نے بات بدلی۔

"انسان کے لیے سب سے آسان کام ایک ہی ہے۔" حسام کے کہنے پر عدینہ کے منہ سے 'کیا' نکلا۔

"حالات پر ملبہ ڈالنا۔ آپ بھی یہی کر لیں اور موو آن کریں" حسام سے وہ کسی بڑی عقلمندی کی بات کی توقع کر رہی تھی۔ اس کے کہنے پر سر ہلاتے ہنسی دبائی۔

'عام سے خاص بننے کی جنگ، فلانے کے پاس یہ ہے اور وہ ہے کی چاہ، ہم سے زندگی کے بہت سے خوبصورت پل چھین لیتی ہے۔ حسام نے آس پاس اچھا موسم دیکھا اور سامنے سڑک پر دیکھتی لڑکی کو بھی۔

"یہ بات اپنے آپ سے محبت کرنے کے بعد پتا چلتی ہے، ظاہری شخصیت کے بوجھ سے نکلنے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔" عدینہ مسکرائی۔

'آپ کے ابو یا امی کا نمبر مل جائے گا؟' حسام کے ایک دم کہنے سے عدینہ کا ہلکا سا قہقہہ برآمد ہوا "میں اکتیس سال کی ہوں"۔ عدینہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے حسام بولا تھا۔ 'میں تینتالیس سال کا ہوں۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی" عدینہ نے شرمندگی سے کہا۔

'میں کہہ رہی ہوں ہم اتنے بڑے، اور مچیور ہیں کہ یہ بات کہنے کے لیے اتنے دن اس کیفے میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں تھی" عدینہ کے بولنے پر حسام کے ہونٹ اوہ کے انداز میں گول ہوئے۔ وہ نیند میں بھی بتا سکتا تھا کہ یہ کام فیصل کا ہے۔

"'میرا معدہ کافی اور چائے پی، پی کر خراب ہو چکا ہے۔" اب وہ دونوں ہنسے تھے۔ عدینہ نے حسام کو دیکھا وہ سرفراز سے ہر ایک چیز میں مختلف تھا، وہ عدینہ سے بھی مختلف تھا لیکن اس کے ساتھ عدینہ تھی ابھی بھی بغیر کسی میک اپ یا محنت کے عدینہ کو حسام کے ساتھ بیٹھے اپنا آپ خاص لگا بغیر کسی محنت کے۔ دو ہماری طرح کے عام انسان عام زندگی جینے کے لیے دل سے تیار تھے۔

☆☆

سمیرا حمید

پردیس

اجالا گاؤں کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی ایک شادی کی تقریب میں برطانیہ سے اس کے دور کے رشتے دار آتے ہیں۔ آنٹی اپنے بیٹے شہریار کے لیے اسے پسند کر لیتی ہیں۔ اس کا رشتہ مانگتی ہیں۔ گاؤں میں سب اس کی قسمت پر رشک کرتے ہیں کہ اجالا بیاہ کر امریکا چلی جائے گی۔

شادی کے بعد امریکہ آ کر اجالا پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہریار پہلے بھی ایک شادی کر چکا تھا۔ گاؤں میں آنٹی کے کیے سارے دعوے جھوٹے تھے، امریکا میں وہ اور ان کے سارے بچے نوکری کر کے گزارا کرتے ہیں جبکہ اجالا کو نوکری کر کے نہ صرف اپنا بلکہ شہریار کا بوجھ بھی اٹھانا ہے۔ شہریار یکسر مختلف انسان ہے۔ جس میں اخلاقی برائیاں ہیں پر اب وہ بری طرح ان کے چنگل میں پھنس چکی تھی جس سے فرار مشکل تھی۔

ادھر گاؤں میں سب آنٹی کے دکھائے سہانے سپنوں کو سچ سمجھتے ہیں۔ شہریار اسے شراب کی فیکٹری میں ملازمت دلواتا ہے اور اس کے لیے اس کے خوب صورت لمبے بال کٹوا دیتا ہے۔ شراب کی فیکٹری میں اجالا کے لیے مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اسے جاب چھوڑنا پڑتی ہے۔

اجالا کی دونوں نندوں کا رویہ اس سے اچھا ہے۔ آنٹی کے رویے کے باعث عینی ان سے دور جاب کرنے پر مجبور ہے۔ سارہ یونی ورسٹی میں عورتوں کی آزادی کے لیے بڑھ چڑھ کر بولتی ہے۔ اجالا ایک ڈاکٹر کے گھر میں الماس کے ساتھ کام کرتی ہے جس کی دوسری کم عمر بیوی روشن پر اس کی ساس نندیں تشدد کرتی رہتی ہیں۔ اجالا روشن کو اس چنگل سے نکالنے کے لیے سارہ کی مدد لیتی ہے تاکہ روشن پاکستان اپنی بیمار ماں کے پاس لوٹ جائے وہ کامیاب ہو جاتی ہے اس سلسلے میں پاکستانی قونصل خانہ ان کی مدد کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے گھر والوں کو سخت سزا ملنے کا امکان ہے لیکن وہ حیلے بہانے کر کے روشن سے ملتے ہیں اور اسے بہلا پھسلا کر قائل کر لیتے ہیں عدالتی کارروائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

بالآخر روشن کو ڈاکٹر صاحب کی قید سے چھٹکارہ مل جاتا ہے وہ اپنی وکیل کی لاکھ منتوں کے باوجود ان پر کوئی کیس کرائے بغیر اپنے گاؤں چلی جاتی ہے۔

اجالا الماس کے ذریعے ایک نئی جگہ کام کرتی ہے جہاں گاؤں سے آئی گل باجی بظاہر خوش نظر آنے والے خاندان کے ساتھ رہتی ہیں ان کی خوب صورت بیٹی اپنے خاندانی روایات کے خلاف صحافی بننا چاہتی ہے باپ اس کا نکاح ایک بچے کے باپ سے کرنا چاہتا ہے اور وہ عین نکاح سے فرار ہو جاتی ہے۔

مشعل کی پراسرار گمشدگی پر پورے امریکا میں شور مچ جاتا ہے۔ عزت کے نام پر قتل لوگوں میں ہاٹ ٹاپک بن گیا لیکن ان کے گھر کی زندگی نارمل ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو گل بظاہر سارے کام کر رہی ہے پر اندر سے مشعل کے لیے خوف زدہ ہے۔

بختیار کو مشعل کی گمشدگی کے لیے ٹی وی چینل والے بلاتے ہیں اور بختیار انہیں دو بدو جواب دیتا ہے۔

digestlibrary.com

اجالا اپنی فرسٹریشن آنٹی پر نکالتی ہے۔ سارہ اسے سمجھاتی ہے۔ مشعل کی گمشدگی کے چار ماہ بعد پولیس کو پیرس سے ایک بذریعہ ڈاک ایک لفافہ ملتا ہے جس میں مشعل کی مسکراتی تصویر تھی۔

آخری قسط

''اجالا کہاں ہے'' اجالا کہاں ہے، یہ سوال بازگشت بن گیا اور سنسان جھیل کے پیندے میں اتر گیا۔

آسمان ٹھنڈا تھا اور جنگل نم......

دل پارہ پارہ......روح ریزہ ریزہ......

کچھ کہنے کے لیے آنٹی نے منہ کھولا، لیکن بے چینی سے ہکلا کر رہ گئیں۔

''سارہ......وہ پاکستان جا چکی ہے۔'' پرانی بات کو نئے یقین کے ساتھ دہرایا۔ ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔ سارہ صرف سچ سننا چاہتی تھی۔

''خود کو دیکھیں کیا کر رہی ہیں آپ۔ کیا چھپا رہی ہیں مجھ سے۔ آپ جانتی ہیں وہ ایسے نہیں جاسکتی۔''

''میں نے پاکستان فون کیا تھا اس کی ماں نے بتایا وہ آرہی ہے۔''

وہ لپک کر اپنے کمرے کی طرف گئی۔ اس کی وارڈروب کے ایک حصے میں اجالا اپنی ضروری چیزیں رکھتی تھی۔ اس میں سے فون ڈائری اٹھا لائی۔ فون اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

''اماں سے بات ہوئی تھی کہہ رہی تھی میں واپس آرہی ہوں۔'' فون قمر نے اٹھایا تھا۔

''فون کب آیا تھا؟''

''تین دن پہلے......''

''تین دن پہلے؟''

اس کے ذہن میں بجلی کوند گئی۔ یعنی جس دن وہ ٹرپ کے لیے نکلی تھی۔ اور اس بات کو تین دن گزر چکے تھے۔

''وقت کیا تھا؟''

''آپ کے وہاں رات تھی...... یہاں دن چڑھ آیا تھا۔''

''دن کا وقت......رات کا پہر......''

فون بند کر کے سارہ نے وقت کا حساب لگایا۔ وہ ہر نکتے کو ملا کر ایسا سرا ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگی جو اسے یقین دلا سکتا کہ اجالا پاکستان جا چکی ہے۔ اس نے پھر فون اٹھا کر ملایا۔

''عینی......فوراً گھر آجاؤ......''

پستے کی ٹرے آنٹی کی گود میں رکھی تھی۔ وہ پستہ چھیلنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن وہ ان کی انگلیوں سے پھسل رہا تھا۔ فون بند کر کے اس نے اپنی ماں کی بھید بھری بے نیازی پر توجہ دی۔ اس کی ماں ایک نئے ایکٹ میں آچکی تھی۔

لیکن اب اس ایکٹ کا مقصد کیا تھا؟

''وہ ابھی تک پاکستان نہیں پہنچی۔'' اس کی آنکھ کے کنارے پر نمی چمکنے لگی۔

''دو دن کے اسٹے پر دبئی ہو گی...... پتا نہیں کہاں سے ٹکٹ لی ہے...... کیا کرتی رہی ہے۔''

''وہ کتنی ہی جلدی میں نکلتی کسی کو بتا کر ضرور جاتی۔'' وہ اپنی ماں کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی۔

''میں نے شہریار سے بات کی تھی۔'' آنٹی نے نظریں چرائیں۔

آہ شہریار......اس نے اس شکاری کو کیسے نظر انداز کر دیا۔ اس کے اندیشوں پر دستک ہوئی۔ فکر کی چاپ ابھری۔

''دونوں میں تکرار ہوئی تھی...... بھڑک کر وہ چلی گئی۔''

''میں نے اتنے سالوں میں کبھی بگڑی ہوئی اجالا نہیں دیکھی، اچانک اس نے یہ کرتب کہاں سے سیکھ لیا؟''

سارہ کو اپنی ماں کے چہرے پر چھائی شرمندگی پر تعجب تھا۔ یہ عورت بہت دیر بعد شرمندہ ہوئی تھی۔ اپنے بگڑے ہوئے بیٹے کے لیے یہ اجالا بیاہ کر لائی تھی۔ اپنے پاگل بیٹے کو ٹھیک کرنے کے لیے

digest library.com

علاج میں اجالا کا نسخہ تجویز کیا تھا۔ اسے اپنی ماں سے نفرت محسوس ہوئی۔

"سارہ! میری طرف ایسے نہ دیکھو، میں ظاہر نہیں کر رہی لیکن میں بھی پریشان ہوں۔"

آنٹی نے بے چارگی سے پستے کی ٹرے سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ دھاڑ شہریار کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس کا کمرا بکھرا رہتا تھا لیکن اس وقت ترتیب سے تھا۔ اس کے بیڈ پر ٹرالی بیگ کھلا پڑا تھا۔ وہ اپنی شرٹ تہ لگا کر اس میں رکھ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کے شور پر کسی قدر رعونت لیے گردن موڑ کر دیکھا۔ جیسے وہ جانتا تھا کہ سارہ آنے والی ہے۔ تو ہیل ود ہر۔

"اجالا کہاں ہے؟"

سوال سن لیا تھا۔ سیدھا ہو کر کھڑا ہونے میں کچھ وقت لیا۔

"میں نہیں جانتا......" جواب دینے میں بھی وقت لیا۔

جھپٹ پڑنے کے انداز میں سارہ اس کے قریب پہنچی اور اس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر دھکا دیا۔

"کہاں ہے وہ...... جواری انسان...... جواب دو......"

سارہ کی دہائی مدھم ہو کر دم توڑ گئی، لیکن جواری انسان کے اطمینان میں فرق نہ آیا۔

"ہماری لڑائی ہوئی تھی وہ غصے میں چلی گئی...... پاکستان گئی ہے یا کہیں اور میں نہیں جانتا۔"

خلاف توقع شہریار نے بھڑکے بغیر جواب دیا۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تاکہ سارہ کے پنجے سے محفوظ رہ سکے۔

"تم نے اسے مارا، اس کے بال صاف کیے، اسے ماں نہیں بننے دیا، اس سے بات کرنا بند کر دی اپنے کمرے میں گھسنے نہیں دیا۔ وہ تب یہ گھر چھوڑ کر نہیں گئی اور اب تمہاری اس سے بحث ہوئی اور وہ چلی گئی۔"

سارہ کا سانس پھول رہا تھا۔ باہر عینی کی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ پھر بیرونی دروازے کا لاک کھلا۔ عینی نے سارہ کو آواز دی۔ آنٹی نے جھانک کر نیچے دیکھا اور عینی کو متوجہ کیا۔ وہ اوپر آئی تو کمرے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس منظر میں اسے اس گھر کا ہر فرد اجنبی دکھائی دیا۔ ایسا لگا وہ کسی اندھی دنیا کے سرکس میں نکل آئی۔

"وہ سلطان سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ اس نے کہا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔"

یہ بات سارہ کے لیے نئی تھی۔ اسے جھٹکا لگا۔

"سلطان سے شادی کرنے کے لیے اسے اتنی مدت تمہاری مار سہنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"کیوں آتا تھا وہ بھاگ بھاگ کر اجالا سے ملنے؟ وہ مجھے بے وقوف بناتی رہی۔"

گھروں سے غائب ہونے والی عورتوں کے نشان بعد میں ملتے ہیں لیکن ان کی بدکرداری کے ثبوت پہلے مل جاتے ہیں۔ ماضی کے وعدوں اور ٹوٹی ہوئی منگنیوں کے کنکر پلٹ پلٹ کر انہیں مارے جاتے ہیں۔ سارہ سلطان والا معاملہ نہیں جانتی تھی لیکن وہ یہ جانتی تھی کہ اجالا جھوٹی اور بدنیت نہیں تھی۔

"تم نے پلٹ کر اپنی بیوی کے بارے میں معلومات لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ خیریت سے پاکستان پہنچی یا نہیں؟"

اجالا کے بارے میں یہ سب جان لینے کے بعد اسے صرف ایک یہی سوال سوجھا تھا۔

"جس بیوی کو فون پر باتیں کرتے سن لیا اس بیوی کی خیریت کی فکر میں کیوں کروں گا؟"

شہریار نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ چلتا ہوا کھلی وارڈروب تک گیا اور کچھ اور شرٹس اٹھا لایا۔

"ایک فون کال سن کر تم نے اسے بدچلن مان لیا؟ وہ تمہیں اتنی لڑکیوں کے ساتھ دیکھ چکی تھی، تمہیں بدکرداری کی گالی دینے کی ہمت وہ نہ دکھا سکی۔ وہ تمہارے معاشقے برداشت کرتی رہی، تم سے اس

کے بارے میں ایک افواہ برداشت نہیں ہوئی؟ جس لڑکی کے سر سے دوپٹا نہیں اترتا تھا، اس کے گلے میں شراب خانے کا پٹا ڈلوا دیا۔ اسے ٹھرکیوں کی ٹھرک پر چھوڑ دیا۔"

عینی سارہ کے قریب آئی، اس کے بازو پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا کہ چلو نیچے چلیں۔

"تم نے دیکھا عینی! اس نے کیسے اجالا کا انیئر گھڑ لیا۔ گھر کا پالتو جانور بھی گم ہو جائے تو حلق سے نوالہ نہیں اترتا اور اس گھر میں تین دن گزر گئے اور کسی نے اس کی خبر نہیں لی۔ یہ تھی اجالا کی حیثیت۔ ایسے گھر کے لیے وہ قربانیاں دیتی رہی تھی۔"

"اجالا کا فون آجائے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

عینی نے تسلی دینے کی کوشش کی۔ سارہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ عینی کے گلے سے لگ کر رونا چاہتی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے اس کا فون آئے گا؟"

اپنی فکر مندی چھپا کر عینی نے جوش سے سر ہلایا۔

"کیوں نہیں آئے گا...... پہنچتے ہی وہ فون کرے گی...... شاید واقعی وہ غصے میں گئی ہے۔"

عینی کے انداز نے لمحہ بھر کے لیے سارہ کو اطمینان دلا دیا۔ سارہ شدت سے یہ فون سننا چاہتی تھی۔

"سارہ! میں پاکستان پہنچ چکی ہوں۔ میں نے شہریار سے طلاق لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، اب میں کبھی واپس نہیں آؤں گی۔"

اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی......
کبھی نہیں......

☆☆☆

وہ پاکستان سے کبھی واپس نہ آئے لیکن اس کا فون ضرور آجائے۔ عینی نے سارہ کا بازو کھینچا کہ چلو میرے ساتھ۔ طیش کی شدت سے سارہ کا جسم گرم ہو رہا تھا۔ وہ جوان تھی لیکن لمحوں میں اندیشوں کے ضعف کا شکار ہو گئی۔ اسے لگا اس کی ہڈیاں بھربھرا رہی ہیں۔ وہ کسی بھی وقت ٹوٹ کر گر جائے گی۔ ممی کے قریب سے ہو کر گزرتے ہوئے وہ نیچے کی طرف بڑھ گئی۔ شہریار واپس اپنی پیکنگ میں مصروف ہو گیا۔

"تم نے اس کے ساتھ کچھ کیا ہے؟"

اچانک کوندے خیال کے سکتے سے چونک کر اس نے چیخ کر پوچھا۔ عینی سے اپنا بازو آزاد کرواتی وہ لمبے ڈگ بھرتی واپس شہریار کی طرف لپکی۔ اس کمرے میں، اس گھر میں، اور شکاگو کی ہر جھیل میں اس سوال کا قہر دوڑ گیا۔

"تمہارا دماغ چل چکا ہے۔"

بیگ پر جھکے جھکے اس نے زیر لب سارہ کو گالی دی۔ وہی گالی جو اس رات اجالا کو بھی دی تھی۔

کتیا......

☆☆☆

شکاگو میں رات ڈھل آئی تھی۔ ایک رات جو بہت طویل ہونے والی تھی۔ پورا شکاگو سناٹے کے احساس سے معمور تھا۔ یہ ایک بے حقیقت رات تھی۔ ہر چیز پر ڈراؤنے خواب کی کیفیت تھی۔ تین دن پہلے گھر سے جانے والی سارہ، واپس آئی تو ہر چیز پر دھند کی تہہ تھی۔ ہر یقین بے یقین اور ہر سوال جواب سے میرا۔

اس نے وقت دیکھا، پاکستان میں صبح کے سات بج چکے ہوں گے۔ آفس ٹائم نو بجے شروع ہو گا۔ دو گھنٹے رہتے تھے۔ وہ دو گھنٹے کیسے انتظار کرے گی۔ وہ گاؤں فون کر کے ایک ہنگامہ کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ ڈائری کو گھورتی رہی اور پھر سلطان کے گھر کا نمبر ملا دیا۔

"سارہ...... تم...... اجالا خیریت سے ہے؟" فون سلطان نے ہی اٹھایا تھا۔

اس کا انداز تکلیف دہ تشویش سے لبریز تھا۔ اس کی آواز کی کپکپاہٹ نے سارہ پر سلطان کی محبت کا راز کھول دیا۔

"تم اجالا سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

خاموشی...... جیسے وہ اس راز کا تقدس پامال نہ کرنا چاہتا ہو۔

"اجالا کہاں ہے...... سب ٹھیک ہے...... میری اس سے بات ہو سکتی ہے؟"

اسے اجالا کی کتنی فکر تھی۔

digest library.com

"میرے سوال کا جواب دو سلطان......"

"ہاں......"

سارہ حیران ہوئی لیکن اسے برا نہیں لگا۔

"تم نے اجالا سے کہا تھا شہریار کو چھوڑ دو؟"

"ہاں...... چند دن پہلے اس کا فون آیا تھا، میں نے اس سے کہا کہ شہریار کو چھوڑ دو۔ میں اسے پہلے بھی کہہ چکا تھا لیکن وہ مانتی نہیں تھی۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کملی شہریار کی باتوں میں آ گئی۔ ماموں مامی سب بے وقوف بن گئے۔ شہریار اسے خوش رکھتا تو میں پلٹ کر نہ دیکھتا لیکن اس کی ذات کے دکھ مجھ سے اوجھل نہیں رہ سکے۔"

سارہ نے ہر چیز کو قبول کرنے میں کچھ وقت لیا۔ وہ واقعی سب کچھ نہیں جانتی تھی۔

"اس نے کیا جواب دیا تھا؟"

"اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی وہ شہریار کے ساتھ گاؤں آئے گی۔ جھلی ہار نہیں مان رہی تھی، کچھ ٹھان چکی تھی۔"

"اس نے کہا کہ وہ پاکستان آ رہی ہے؟"

"سارے گاؤں کو خبر ہو چکی ہے کہ اجالا آ رہی ہے۔ میں نے اس کی منت کی تھی کہ دیر نہ کرنا لوٹ آنا۔"

سارہ کے لیے یہ بات نئی تھی۔ شاید واقعی اس بار اجالا نے دیر نہیں کی۔

"اجالا کہاں ہے...... اس کی فلائٹ کب ہے؟"

اسے صرف اجالا کی فکر تھی۔ اجالا اجالا اجالا۔ اور ایک اس کا شوہر تھا جس نے پلٹ کر خبر نہیں لی تھی کہ بیوی خیریت سے پہنچی یا نہیں۔ اتنی دور بیٹھے سلطان کی مضطرب آواز نے اسے سمجھا دیا کہ ہاں وہ اجالا کے بچپن کا ساتھی تھا۔ اس سے محبت کرتا تھا۔ یہ محبت کا ہی شیوہ تھا کہ اس کی بات، اجالا ٹھیک ہے سے شروع ہوئی اور اجالا کہاں ہے پر ختم ہوئی۔

"وہ پاکستان آ رہی ہے...... گھر سے نکل چکی ہے۔" اس نے خود کو نارمل رکھتے ہوئے بتایا۔

"تم اتنی پریشان......"

سارہ نے فون بند کر دیا۔ وہ سلطان کے ان سوالوں کے کیا جواب دیتی جن کے جواب اس کے اپنے پاس نہیں تھے۔ دو دن پہلے ایک لڑکی پاکستان کے لیے نکلی ہے، ہر کوئی کہہ رہا ہے وہ جا چکی ہے۔ لیکن کوئی ایک بھی چیز یہ ثبوت نہیں دے رہی کہ وہ جہاں ہے سلامت ہے۔

☆☆☆

آن کی آن میں پورے شکاگو کی فضا بدل گئی۔

اجالا سب اندھیرا کر گئی۔

"اس نے امریکا کی ساری اذیتیں جھیل لی تھیں لیکن واپس جانے کی تکلیف سے خود کو بچا کر رکھا۔ وہ بار بار کہتی تھی کہ اس کی شادی اتنی دھوم دھام سے ہوئی تھی کہ گاؤں میں آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔ گاؤں والے اسے میم کہتے ہیں۔ سوچو ایسی روایتی ذہنیت رکھنے والی لڑکی منہ اٹھا کر گھر چھوڑ سکتی ہے؟"

وہ عینی سے پوچھ رہی تھی۔ اب وہ پرسکون ہو چکی تھی۔ اگر اسے مسئلہ حل کرنا تھا تو اسے اپنا اعصاب پر قابو رکھنا تھا۔

"ہاں وہ دکھی تھی لیکن جذباتی نہیں۔" عینی نے سارہ کی بات سے اتفاق کیا۔

"مجھے یقین ہے وہ میرا انتظار کرتی، مجھ سے ملے بغیر ہرگز نہ جاتی۔"

سارہ کی ہر بات عینی کے چہرے پر فکرمندی کا نیا سایہ چھوڑ رہی تھی۔ آج ٹی وی بند تھا۔ گھر میں ٹی وی بند ہونے کا صرف ایک مطلب تھا، گھر میں کوئی مر گیا ہے۔ آنٹی کچن میں کھڑی بے معنی کام سمیٹ رہی تھیں۔ انہوں نے دھلے ہوئے مگ کو کیبنٹ میں رکھنے کے بجائے فریج میں رکھ دیا تھا۔ ڈش واشر میں برتن لگا کر بٹن دبانا بھول گئی تھیں۔ چمچہ رکھنے کے لیے دراز کھولنے کے بجائے ڈسٹ بن کھول کر اس میں پھینک دیا تھا۔ اس عورت کا دماغ کام نہیں کر رہا۔ لیکن کیوں؟

اپنی ماں کی پشت گھورتے ہوئے سارہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ماں کے قریب پہنچی تو کچن کی کھڑکی سے سڑک پار ہمسائی کے گھر کی روشن کھڑکیاں دکھائی

دیں۔ ہمسائی اپنی لمبی کرسی پر دراز اسی منحوس گھر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک آدھ کھلی کتاب اس کے اوپر پڑی تھی۔ ایک ادھوری کہانی، اجالا کی کہانی کے کرداروں کی بھاگ دوڑ دیکھ رہی تھی۔ اپنی ماں کی طرف بڑھتی سارہ وہیں سے بیرونی دروازے کی طرف گھوم گئی۔ بھاگتے ہوئے سڑک پار کر کے اس کے دروازے تک پہنچ گئی۔

"روزی، تم نے اجالا کو دیکھا...... ہفتے کی رات...... کوئی ٹیکسی دیکھی...... اسے سامان لے جاتے ہوئے۔ کچھ بھی دیکھا ہو؟"

سارہ نے ایک سانس میں سب پوچھ لیا۔ جواب میں اس نے راستہ چھوڑ دیا کہ اندر آجاؤ۔

روزی پریشان دکھائی دی۔ "اس ویک اینڈ میں اپنی کزن کے فارم ہاؤس پر تھی۔ میں سمجھی تم اور اجالا مل کر ٹرپ پر گئے ہو۔"

گھر کیا اس علاقے تک سے ہر انسان غائب تھا۔ جب سب واپس آئے تو اجالا غائب ہو چکی تھی۔ کتنا منحوس اتفاق تھا۔ کتنی کاملیت تھی اس اتفاق میں۔ کیوں تھی؟

"جب میں جا رہی تھی تو اسے شہریار کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔"

"اس کے بعد نہیں دیکھا؟"

"اس کے بعد میں بھی نکل گئی۔ بلکہ اجالا نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ بھی ہلایا تھا۔"

مایوس صورت سارہ واپس پلٹنے لگی۔

"اجالا کہاں ہے؟" روزی نے پوچھا۔

"پاکستان جا چکی ہے۔"

روزی کو واضح طور پر حیرانی ہوئی تھی۔ اجالا ایسا کردار تھی جو اچانک فیصلے نہیں لیتا۔ ایسی جرات اس کا مزاج نہیں تھی۔ جو لڑکی ایک مدت لنگڑا کر چلتی رہی، بالوں سے صاف سر کو کیپ سے چھپاتی رہی، اس لڑکی نے جانے کا فیصلہ اتنی تاخیر سے لیا، اور وہ بھی ایسے اچانک۔

☆☆☆

ٹرپ سے واپسی کا وہ دن اندیشے بھری رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔ بے یقینی کے عالم میں کچھ پچھتائی ہوئی سارہ، اسے لگا کہ اس کا گھر سے جانا ہی سب کر گیا۔ اس نے پہلا ملزم خود کو ٹھہرایا۔ خود کو قصوروار پایا۔ اُجالا گھر میں نہیں ہے کے بعد کا ہر لمحہ سارہ پر اتنا بھاری گزرا جیسے زندگی اس کی ہر سانس کے ساتھ محصول وصول کر رہی ہو۔ شہریار اپنا ٹرالی بیگ گھسیٹتا ہوا نیچے لایا۔ وہ لپک کر اٹھی اور اس کا بیگ اپنی طرف کھینچ لیا۔

"جب تک اجالا کی خیریت معلوم نہیں ہو جاتی تم کہیں نہیں جا سکتے۔"

جیسے شہریار کو دنیا کی کوئی چیز ڈرا نہ سکتی ہو۔ اس کے لبوں پر ہنسی کا شائبہ ہوا۔

"کیا اجالا اجالا لگا رکھی ہے...... دفع ہو چکی ہے وہ، اب تو ہمیں سکون سے رہنے دو۔" آنٹی چلائیں۔

"میں پولیس بلا لوں گی۔ چند مہینوں سے تم نے اپنا طور طریقہ بدل لیا ہے۔ تم اپنی ماں کو بے وقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔"

شہریار نے کامل اطمینان سے سارہ کی ساری بکواس سنی۔

"میں کہیں بھاگ نہیں رہا، میرا شارٹ ٹرپ ہے، واپس آجاؤں گا۔"

"بزنس ٹرپ؟" سارہ نے طنزیہ پوچھا۔

"تمہاری پولیس پولیس کی بکواس ہم سب ایک عرصے سے سن رہے ہیں۔ میں ممی کی وجہ سے تمہیں برداشت کر رہا ہوں۔"

سارہ تمسخر سے ہنسی۔

"تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تمہیں دوسری عبیر نہیں ملی۔ جس گھر کی چھت کے نیچے کھڑے ہو کر تم یہ رعونت دکھا رہے ہو، اس گھر کی قسطیں تمہاری بیوی اور بکواس کرنے والی یہ بہن دیتی ہے۔"

شہریار نے اس کا ہاتھ کھینچ کر پیچھے پھینکا اور بیگ گھسیٹتا ہوا گھر سے نکل گیا۔ گیراج میں کھڑی گاڑی کے دروازے کھلے اور بند ہوئے۔ گاڑی

digest library.com
Digest Novels .com

اسٹارٹ ہوئی اور جس سے کبھی اجالا نے محبت کی تھی وہ شخص اپنی بیوی کی گمشدگی کی پروا کیے بغیر چلا گیا۔ کبھی سر آنکھوں پر بٹھانے والے، وہی آنکھیں بدل لیتے ہیں۔ زندگی میں ساتھ نبھانے والے، زندگی میں ہی ساتھ چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔

محبت کے دعوے کتابوں میں دھرے رہ جاتے ہیں۔

زندگی کی حقیقتوں کے بھوت نکل کر سامنے آجاتے ہیں۔

☆☆☆

"یہ ٹی وی کیوں بند ہے......کوئی مر گیا ہے؟"

شہریار کی گاڑی کی آواز دو رہو گئی تو وہ چنگھاڑی۔ اس نے بڑھ کر ٹی وی آن کیا اور اس کا والیوم تیز کر دیا۔ عینی سارہ کے انداز سے سہم گئی۔ گھر کی فضا بوجھل ہو چکی تھی، لیکن زمین دلدل تھی۔ ہر شے اپنی جگہ بدل رہی تھی۔ کتنی نحوست تھی اس گھر میں۔ اجالا تھی تو کچھ روشنی تھی......اب تو......اب تو......

☆☆☆

زندگی کے چلن میں اندھیرے کی چاپ......

اجالوں کی امید......روشنی کا انتظار......

اجالا اوپر کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ لوگ باہر جا رہے ہیں۔ جب سے اس نے جاب چھوڑی تھی، آئے دن وہ کہیں نہ کہیں جاتی تھی۔ تیار ہو کر وہ سارہ کے کمرے میں آگئی۔ اس نے ہلکے گرے رنگ کی پلین ساڑھی پہنی تھی۔ اپنا چھوٹا سا ٹرالی بیگ تیار کرتی سارہ نے ذرا کی ذرا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اب کیوں لگائی ہے یہ ریڈ لپ اسٹک؟"

"اچھی لگ رہی تھی سوچا لگا لوں......"

گرے ساڑھی پر سرخ لپ اسٹک اچھی لگ رہی تھی۔ لپ اسٹک شہریار نے لگوائی ہوگی۔ وہ آج بھی جھوٹ بول کر شوہر کی عزت رکھ رہی تھی۔ آج کل جب جب وہ تیار ہوتی تھی اداس ہو جاتی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کا شوہر اسے ڈیکوریشن پیس بنا رہا ہے۔ سارہ نے اپنی مصروفیت کو ایک طرف رکھا اور سیدھی کھڑی ہو کر اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خوب صورت لوگوں کا یہ کمال ہے، چار دن پریشان رہیں، ایک دن خوش باش رہیں تو حسن واپس لوٹ آتا ہے۔ کیا حسین چہرہ ہے تمہارا......اتنا حسن لے کر تم گاؤں میں چھپ کر بیٹھی رہی ہو۔"

اجالا کھلکھلا دی۔ رونے دھونے والی آنکھوں میں ستارے چمکے۔

"پہلی بار جب میں نے تمہیں کچن میں کھڑے دیکھا تھا تو حیران رہ گئی تھی۔ ماما نے بتایا تھا کہ وہ شہریار کے لیے چن کر ہیرا لائی ہیں۔ تمہیں دیکھ کر یقین ہو گیا کہ ہیرا ہی ہے۔"

"ہیرے ہی رل جاتے ہیں۔"

ساڑھی کا پلو تھام کر وہ سارہ کی اسٹڈی ٹیبل کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ مشعل کی میز تھی۔ اس کی نظر دیوار کے ساتھ لگے میز کے کونے پر ٹھہر گئی۔ تیز بلیڈ سے سارہ نے اس پر مشعل کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات لکھی تھی۔ مشعل کے جنرل میں لکھی ایک سطر بھی یہاں درج تھی۔

"مجھے جینا مت سکھاؤ......بس میرے پر مت کاٹو......"

اس نے ذرا سا جھک کر مشعل کے نام پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اگر آج مشعل زندہ ہوتی تو تمہاری طرح ڈگری لے کر کسی اخبار میں کام کر رہی ہوتی۔"

سارہ وارڈ روب میں گھسی اپنے جوتے نکال رہی تھی۔

"تمہیں مشعل کیوں یاد آئی؟"

"مجھے کبھی بھولی ہی نہیں۔ وہ کہتی تھی میں اس کی بڑی بہن لگتی ہوں لیکن وہ بہت بہادر تھی، میں بہادر بھی نہیں ہوں۔ میں اتنی کمزور کیوں ہوں سارہ؟"

جوتوں کو کپڑے کے تھیلے میں ڈال کر ڈوری

کھینچتی سارہ ہنس دی۔

”تم کمزور نہیں ہو، ڈری ہوئی ہو۔ دونوں میں فرق ہے۔ امریکا آکر تم نے سب کام سیکھ لیے۔ الماس کے ساتھ بہترین سروس دی۔ تمہارے کلائنٹ تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ یاد رکھنا! امریکی ہر کس و ناکس کی تعریف نہیں کرتے۔ پھر تم نے یہ گھر سنبھالا۔ ممی جیسی عورت کو برداشت کیا۔ تم مان جاتیں اور کوئی کورس کرلیتیں تو اس سے بھی آگے نکل جاتیں، لیکن تم نے اپنی زندگی پر بند باندھ لیا۔ تم ذہین ہو، حساس ہو، لیکن تم بضد ہو کہ تم صرف دیہاتن ہو۔ لیکن تم پرانی چیزوں سے جان چھڑوانے کے لیے تیار ہی نہیں۔ اتنے پکے عہد کرکے نکلی تھیں گاؤں سے۔“

کچھ ہنس کر، کچھ سنجیدگی سے سارہ نے اپنی بات مکمل کی۔

”تم بلبل اور مشعل اچھی لڑکیاں ہو...... میں تم جیسی کیوں نہیں سارہ؟“

سارہ نے دیکھا کہ وہ بہت حساس ہو رہی تھی۔ شاید ان دنوں وہ سود و زیاں کے حساب میں مصروف تھی۔ پلٹ پلٹ کر زندگی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ خود کو خالی ہاتھ پاتی ہوگی۔

”تم جیسی ہو ویسا ہونا برا نہیں ہے اجالا! تمہیں کیوں لگتا ہے کہ لڑکیاں صرف سارہ اور بلبل جیسی ہونی چاہیے؟ ضروری نہیں کہ بڑے بڑے خواب دیکھے جائیں، ان میں جیا اور ان کے لیے مرا جائے۔ ہاں لیکن انسان کو پرامن زندگی کے لیے کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ گھر نہ ہو، گاڑی نہ ہو، پیسہ بھی نہ ہو، لیکن سکون ہو، عزت ہو۔“

”یہ سکون یہ عزت...... ان کا حصول تو بڑے خوابوں کے حصول سے بھی مشکل ہے۔“

اس نے بے ساختہ کہا۔ سارہ لاجواب ہوگئی۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

”دیکھا کتنی ذہین ہو تم......“ اس کی ٹھوڑی چھوڑ کر محبت سے کہا۔

”چلو میرے ساتھ ٹرپ پر...... آجاؤ...... دفع کرو اپنے شوہر کو......“ شرارت سے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

اجالا کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”ہاں دفع کرنا چاہیے اسے...... پھر چلیں تینوں؟...... میں تم اور بلبل......؟“

”تم بلبل کی جان نہ چھوڑنا...... اس کے بغیر نوالہ نہ توڑنا......“ سارہ نے اسے تنگ کیا۔

”وہاں عابدہ تھی...... یہاں بلبل......“ ایک دوستی ہی اس کے لیے ایسی قیمتی چیز تھی جو اب تک اسے میسر تھی۔

”تم بار بار کہتی ہو کاش میں تم جیسی ہوتی...... تمہیں مجھ میں سب سے زیادہ کیا اچھا لگتا ہے۔

تم کمزور نہیں ہو۔“

”کمزور تو میں بہت ہوں لیکن میرے پاس اسے اپنانے کا آپشن نہیں تھا۔ جس ماحول میں آنکھ کھولی اس سے نفرت تھی۔ میں اس سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ نکل بھاگنے کے لیے ضروری تھا کمزوری پر قابو پاتا۔ میرے پاس اس کے سوا راستہ نہیں تھا اجالا!“

”مجھے کوئی راستہ کیوں نہیں دکھائی دیتا؟“

”راستہ سب کے پاس ہوتا ہے اجالا! بند غاروں میں بھی راستے ہوتے ہیں۔ مجھے بتاؤ میں تمہاری مدد کروں۔“

”میں شہریار کو چھوڑنا چاہتی ہوں اور طلاق بھی نہیں لینا چاہتی۔ میں بچے بھی چاہتی ہوں اور تنہا بھی نہیں رہنا چاہتی۔ سارہ! میں گاؤں میں بانجھ مشہور ہو چکی ہوں۔ تم نہیں جانتیں ایک عورت کے لیے بانجھ بہت تکلیف دہ لفظ ہوتا ہے۔ کچھ اس لیے بھی ایک خاندان ایک گھر کی خواہش بہت شدید ہے۔ عابدہ کا گھر ہے، حریم کا گھر ہے، گاؤں کی ہر لڑکی کا گھر ہے، میں بھی گھر چاہتی ہوں۔“

”تم عابدہ حریم اور گاؤں کی ہر لڑکی کے ساتھ موازنے کی دوڑ سے نکل آؤ۔ تم ان کے مقابلے پر

digest.library.com

تبھی دامن نہیں ہونا چاہتی۔ تم سہیلیوں نے مل کر کچھ خواب دیکھے ہوں گے۔ تمہیں صرف اپنے خواب ادھورے رہ جانے کا قلق ہے۔ ایسا نہ کرو۔ تم نصیب کی بات کرتی ہو، چلو اسے نصیب مان لو۔"

"میں جب تک فیصلہ نہیں کروں گی میرے نصیب میں طلاق نہیں ہوگی۔"

"طلاق نہیں ہوگی تو کچھ اور ہو جائے گا۔ فیصلے کی مدت گزر جائے تو نتائج کا عہد آجاتا ہے اجالا! پھر وہ بھگتنا پڑتا ہے۔"

☆☆☆

فیصلے کی مدت......

نتائج کا عہد......

وہ کچن میں کرسی پر بیٹھی تھی۔ کتنی بھاری رات تھی یہ۔ زینی گھر واپس جا چکی تھی۔ اسے ہر طرح کی تسلی دے گئی تھی کہ بہت جلد اجالا کی خیر خبر مل جائے گی۔ آنٹی اپنے کمرے میں تھیں۔ سو چکی ہوں گی۔ گھر کی ہر شے اجالا کی غیر موجودگی کی اداسی میں گھری تھی، سوائے اس گھر کے مکینوں کے۔ ان کا سونا جاگنا، کھانا پینا معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ یہ اس کا گھر نہ تھا، یہ ایک سرائے تھی جس میں اجالا کو ستانے تک نہ دیا گیا۔ وہ گھر کی کھڑکیوں کی گرد صاف کرتی رہی، لیکن گھر کے مکینوں کے دل صاف نہ کر سکی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنی ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھول کر لائٹ آن کر دی۔ وہ ماں کے بیڈ کے کنارے جا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بستر پر لیٹی عورت کے منہ پر سے کمبل کھینچ دیا۔ اندر جس عورت کا چہرہ دکھائی دیا، اسے وہ عورت پہچاننے میں وقت لگا۔ وہ جاگ رہی تھیں۔ آنکھیں متورم تھیں۔ کمبل کھنچا تو جیسے اپنی سوچوں سے چونک گئیں۔ دونوں ماں بیٹی کی نظر ملی۔

"ممی؟"

سوال میں اداسی اور حیرانی ہمہ گیر تھی۔

وہ اپنی جگہ اسی حالت میں پڑی رہیں۔ البتہ آنکھ کی پتلیوں نے کچھ حرکت کی۔

"ممی......اجالا زندہ ہے؟"

سوال کی سفاکیت نے کمرے کی فضا کو بوجھل کر دیا۔ آنٹی نے ہاتھ بڑھا کر کمبل واپس منہ پر گھسیٹ لیا۔

"وہ پاکستان جا چکی ہے......بات کا بتنگڑ نہ بناؤ سارہ......جینے دو مجھے......"

ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنی ماں کے چہرے سے ایک بار پھر نقاب اتارا۔

"ممی! خدا کے لیے بتائیں......اجالا زندہ ہے......؟"

"ہاں......خدا زندگی رکھے......"

اور واپس اپنا نقاب اوڑھ لیا۔ اس عورت کو لحظہ بھر احتسابی نظر سے دیکھنے کے بعد وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل آئی۔

کتنی لمبی رات ہے۔ کتنی چھوٹی زندگی ہے۔

ابھی ملی، ابھی چھپ گئی۔

ابھی صبح تھی، ابھی رات میں ڈھل آئی۔

اجالا ہی نگل گئی......

آج کی رات سے پہلے اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اجالا سے اتنی محبت کرتی ہے۔ اتنی محبت کہ انہونیوں کے خوف سے اس کے وجود میں درد دوڑ دوڑ جاتا تھا۔ وہ اوپر اس کے کمرے میں گئی۔ اس کا سامان غائب تھا۔ تھوڑا بہت موجود تھا۔ وارڈروب میں ہر چیز سلیقے سے رکھی تھی۔ اگر وہ جلدی میں نکلی تھی تو وارڈروب کی یہ حالت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ پھر چیزیں بے ترتیب ہونی چاہیے تھیں۔ وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

☆☆☆

اس دن وہ دونوں آگے پیچھے نکلی تھیں۔

اس کی فرینڈز گاڑی میں بیٹھی ہارن دے رہی تھیں۔ وہ جلدی سے گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ اجالا دروازے میں کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ بس یہی وہ آخری منظر تھا جو اس نے دیکھا۔ اجالا کے پیچھے

شہریار دکھائی دیا تھا۔ وہ تیار ہو کر نیچے آیا تھا، انگلی میں کی چین گھما رہا تھا۔ اجالا نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

''چلیں......؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

وہ سر ہلاتی ہوئی دروازے سے باہر نکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھی۔ آج اس کا شوہر جتنا خوش تھا اتنا ہی بدلا ہوا۔ وہ اسے اس کی پسندیدہ جگہ ڈنر کے لیے لے کر گیا۔ وہ سہانے مستقبل کی باتیں کر رہا تھا۔ پھر وہ گاؤں والوں تک آ گیا۔ یہ وہ موضوع تھا جس میں اجالا اپنا آپ بھول جاتی تھی۔ وہ سنتا رہا، سر ہلاتا رہا، اور مسکرایا بھی۔ زندگی کے کنارے پر ٹھہری ہوئی شام سہانی ہو گئی۔ بڑی مدت بعد اجالا کو لگا کہ خوشیاں اس کی گرفت میں آ رہی ہیں۔

ڈنر کے بعد دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی شہر کی حدود سے باہر جا رہی تھی۔ اتنا تو وہ شہر کو پہچان چکی تھی۔ اس نے سوالیہ شہریار کی طرف دیکھا۔

''ایسے ہی ایک دوست سے ہائے ہیلو ہو جائے گی۔''

شہریار نے عام سے انداز سے کہا۔ میوزک رن کر دیا۔ لانگ ڈرائیو کے دوران اجالا بولتی رہی، وہ سر ہلاتا رہا۔ اس کا ہاتھ پکڑا اسے چوما۔ شہریار گاڑی میں دو تین مختلف طرح کے ایئر فریشنر کرتا تھا۔ آج بھی کیا تھا، لیکن یہ اتفاق تھا یا کچھ اور کہ اس وقت گاڑی میں اسی فریشنر کی خوشبو تھی جو اس وقت بھی تھی جب وہ اسے شراب خانے لے جا رہا تھا۔ محسوس اس نے پہلے ہی کر لیا تھا لیکن اس لمبی ڈرائیو کے دوران اسے وہم ہونے لگا۔ اس نے ڈیش بورڈ کھول کر فریشنر نکالا اور کھڑکی کھول کر اسے باہر پھینک دیا۔

''عجیب سی خوشبو ہے اس کی۔''

شہریار نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ ڈرائیونگ کرتا رہا۔ گاڑی ایک مینشن کے آگے رک گئی۔ الماس کے دو کلائنٹس ایسے تھے جو اتنے امیر تھے کہ ان کے گھر اتنے بڑے تھے۔ وہ ان سے صرف پول کی صفائی کرواتے تھے، گھر میں گھسنے تک کی اجازت نہیں تھی۔ الماس کو خود بھی ڈر لگتا تھا، کوئی چیز ٹوٹ گئی تو۔ زیادہ پیسہ نازک مزاج بنا دیتا ہے۔ یہ مزاج اعلیٰ معیار سے نایاب معیار تک پہنچ جاتا ہے۔

وہ اندر صوفے پر بیٹھی تھی، شہریار کے فرینڈ سے ہائے ہیلو ہو چکی تھی۔ وہ اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر باتیں کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اجالا گھر کی آرائش سے متاثر ہوئی تھی، لیکن اسے یہ فکر تھی کہ وہ اتنی دور نکل آئے ہیں، واپسی پر اچھی خاصی رات ہو جائے گی۔ وہ ڈش واشر میں برتن لگا کر آئی تھی۔ آنٹی کل رات سے اپنی ایک کزن کے گھر تھیں، جب سے عینی کی شادی ہوئی تھی خاندان والوں سے میل جول شروع ہو چکا تھا۔ وہ ہر ویک اینڈ کہیں نہ کہیں نکل جاتی تھیں۔ خاندان میں سب کے گھر صبیحہ خالہ کی طرح بڑے بڑے تھے۔ آنٹی کو اور کیا چاہیے تھا۔ بڑا اسائی دی، لمبا صوفہ اور طرح طرح کے کھانے۔

واپسی پر شہریار کا دوست اکیلا آیا تھا۔

''شہریار کہاں ہے؟'' جھجک کر پوچھا۔ اسے اچھا نہیں لگا کہ وہ اکیلی یہاں بیٹھی ہے شوہر غائب ہے۔

''کون......وہ لڑکا......وہ جا چکا ہے......''

وہ کچھ فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھ لی۔ اس کی پشت پر پھیلی دیوار پر ایک مہنگی پینٹنگ لگی تھی۔ گھر کی ہر ادا سے امارت جھلک رہی تھی۔

''جا چکا ہے......کہاں......؟''

وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ کیسی عجیب بات تھی، بیوی کو شوہر کے بارے میں کوئی اور بتا رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ......'' کرسی پر بیٹھے انسان نے تحکم سے کہا۔

اجالا نے اچنبھے سے اس انسان اور اس کے انداز کی سختی کی طرف دیکھا۔ اجالا کو ایسے سوالیہ دیکھتا پا کر وہ خود بھی الجھ گیا۔

''تمہارا انداز مجھے کنفیوز کر رہا ہے...... لیٹ می آسک یو...... تم نہیں جانتیں تم یہاں کیوں آئی ہو؟''

بیک وقت حیران اور سراسیمہ، اجالا کو کچھ سمجھ

digest library.com

نہیں آیا۔

"بیٹھ جاؤ......" اس نے پھر پہلی سی سختی لیے کہا۔

وہ بڑی دقت سے بیٹھ گئی۔ اس لمحے اس کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔ شکاگو کی سائرن بجاتی ساری گاڑیوں کے سائرن اس کے اندر گونجنے لگے۔ ساڑھی کا پلو اس کی لاج رکھنے میں ہلکان رہا۔ شراب خانے کی نوکری کرتے ہوئے بھی وہ اس احساس سے نہیں گزری تھی، جس احساس سے وہ اس وقت اتنے بڑے گھر کی وسیع چھت کے نیچے ایک مرد کے سامنے بیٹھ کر گزر رہی تھی۔ وہ خوف کی ایسی کیفیت سے روشناس ہوئی کہ اس کی بینائی دھندلا گئی۔ شراب کی بوتلوں کا پہاڑ اس پر آ گرا۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

وہ کمرے کی کسی چیز پر نظریں ٹکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے شہریار سے متعلق سوال پوچھنا ترک کیا۔ آواز بھی کہ بھرم کی دنیا تہہ و بالا کرتی تھی۔ سارے پردے چاک کر رہی تھی۔

"ہوں......"

اس کے بعد خاموشی رہی ... خاموشی رہی۔

"تم یقیناً حسین ہو..."

اجالا ... لڑکیوں کو مردوں سے اپنی تعریف سننے کی بھی تمنا نہیں ہوتی۔ انہیں اس مرد سے ہی نفرت ہو جاتی ہے جو ان کے حسن کے گن گاتے ہیں۔ جس چیز پر اس کی نظر ٹکی تھی، اس نے اس سے نظر نہیں بدلی۔ کمرے کی ہر قیمتی چیز گہرے رنگ کی تھی۔ اور گہرے ہی اس نے ساڑھی پہنی تھی۔

"وہ تمہارا شوہر ہے؟"

"ہاں......" بمشکل کہا۔

"تم نہیں جانتیں تم یہاں کیوں آئی ہو؟" اس نے سوال دہرایا۔

اس نے سختی سے انکار میں سر ہلایا۔ لفظ اس کی زبان پر قفل بند ہوئے۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی، ہر شے سرخ دکھائی دینے لگی۔

"ہوں......"

"اس لڑکے کی بیوی خوب صورت عورت ہے اور معصوم بھی...... جیسا کہ اس نے بتایا تھا۔"

☆☆☆

یہ خوب صورت عورت ایک بار ماں کو پسند آ گئی اور وہ اسے بیٹے کے نکاح میں لے آئی۔ یہ خوب صورت عورت بیٹے کو پسند آ گئی جسے جا کر اس نے شراب خانے کھڑا کر دیا۔ وہ ناکارہ جاہل دیہاتن دونوں کے کام کی چیز تھی۔ دل بھر جاتا تو کونے میں پھینک دی جاتی۔ دل میں خیال آ جاتا تو سجا بنا کر نئے سفر کی طرف ہانک دی جاتی۔

☆☆☆

ماں باپ کہتے رہتے ہیں کہ اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو چین کی نیند سوئیں گے۔ اپنا گھر؟ کون سا اپنا گھر؟ گاؤں کی دیہاتن کی گمشدگی پر اس کے "اپنے گھر" نے ٹھینگا دکھا دیا تھا۔ ایسے ہوتے ہیں اپنے گھر؟ جو سالوں جان مارنے پر بھی اپنے نہ بنتے۔ ایسے ہوتے ہیں اپنے لوگ؟ سالوں ساتھ رہنے پر بھی اپنے نہیں بنتے۔

رات گزر گئی...... صبح ہو گئی۔

وہ الماس سے ملی پھر بلبل سے۔ لیکن کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ وہی باتیں جو وہ پہلے کرتی رہی تھی۔ وہ ڈیون کی ٹریول ایجنسی بھی ہو کر آ چکی تھی جہاں سے پاکستانی ٹکٹ لیتے تھے۔ ٹریول ایجنٹ، پاکستانی لڑکے نے سارا ڈیٹا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ لیکن اس ایک ہفتے کیا، کسی بھی دن اجالا کے پاسپورٹ سے کوئی ٹکٹ لینے کی معلومات موجود نہیں تھی۔ ایسا ممکن تھا کہ اس نے ایئر پورٹ سے ٹکٹ لی ہو، لیکن ایئر لائن اپنی معلومات کسی کو نہیں دیتی۔ وہ صرف پولیس کو تفصیلات دے گی۔

"ہو سکتا ہے وہ واقعی پاکستان جا چکی ہو۔" بلبل اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

"میری عقل یہ سب ماننے سے انکار کر رہی ہے۔" گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے سارہ انکار

digest library.com

میں سر ہلاتی رہی۔

وہ گھر واپس آگئی۔ بلبل بھی ساتھ تھی۔ دونوں کو اجالا کے فون کا انتظار تھا۔

"اجالا کا کوئی فون آیا؟" سلطان کو فون کر کے پوچھا۔

"نہیں...... میں تمہارے انتظار میں تھا کہ تم کچھ بتاؤ گی۔"

"تمہارے پاس اجالا کے پیپرز ہیں جن سے تم معلومات لے سکو کہ وہ امریکا سے کس فلائٹ سے آئی ہے۔"

"شاید گاؤں سے اس کے پاسپورٹ کی کاپی مل جائے۔ لیکن اگر وہ امریکا میں ہی ہوئی؟" سلطان نے اُمید لیے پوچھا۔

"یہ میں نے بھی سوچا ہے لیکن میں اپنی تسلی کر لینا چاہتی ہوں، پھر پولیس کو انوالو کر لوں گی۔"

ممی اپنی جاب سے واپس آچکی تھیں۔ ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اس عورت نے اجالا کو کھانا پکانے کی مشین بنا دیا تھا۔ وہ اس عورت کی خدمت میں پیش پیش رہی اور اس نے کوئی دن نہ جانے دیا جب اسے نیچا نہ دکھایا ہو۔ کچن میں سامان رکھ کر آنٹی نے پلٹ کر سارہ کی طرف دیکھا۔

"کچھ کھاؤ گی؟"

پوچھا سارہ سے، دیکھا بلبل کی طرف بھی۔ سارہ نے سرد مہری سے اپنی ماں کی طرف دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

"سارہ میں چلتی ہوں...... کوئی خبر ملے تو مجھے بتا دینا۔" بلبل اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

سارہ نے سر ہلا دیا۔ آنٹی بلبل کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ بلبل بھی آنٹی سے نفرت کرتی تھی۔ پہلا تھپڑ اسی عورت نے اجالا کے گال پر مارا تھا۔ ایسی عورتوں کے خلاف کوئی قانون کیوں نہیں بنتا؟ اپنا کوٹ اور بیگ اٹھا کر بلبل خاموشی سے باہر نکل گئی۔ کچن ٹیبل پر بیٹھ کر آنٹی نے کھانا کھایا۔ پھر کافی بنا کر پینے لگیں۔

"اگر کل صبح تک اجالا کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی تو میں پولیس کو کال کر دوں گی۔"

اس نے دیکھا اس کی ماں لمحہ بھر کے لیے ساکت ہوئی مگ اٹھا کر کافی کا گھونٹ بھرا۔

"تمہارا جو دل چاہتا کرو۔ تم کمیونٹی میں اپنی اور میری بدنامی کے سوا کچھ نہیں کرواؤ گی۔"

"آپ کو بدنامی کی فکر ہے اجالا کی نہیں؟"

"وہ شہریار اور مجھ سے بدلہ لینا چاہتی تھی اس لیے یہ حرکت کی۔"

"آپ کو وہ بدلہ لینے والی لڑکی لگتی ہے؟"

"سلطان کو فون کر کے تم نے اجالا اور اس کے افیئر کی بات کنفرم کر لی ہو گی۔ ہے نا؟ تم پولیس کو شامل کر کے میری زندگی تنگ کرنے کے سوا کچھ نہیں کرو گی۔ سلطان اور اس نے مل کر پلان بنایا ہو گا۔ وہ اتنی سیدھی نہیں تھی۔ تم ان گاؤں دیہات کی لڑکیوں کو نہیں جانتیں۔"

"گھروں سے بھاگی ہوئی سب لڑکیاں بد کردار ہیں، لیکن جن سے بچ کر وہ بھاگتی ہیں وہ کردار والے ہیں۔"

"کچھ ہفتے دیکھ لو...... دیکھنا سب کچھ نکل کر سامنے آجائے گا۔ تم شہریار کو جانتی ہو، وہ چار دن اندر رہ آئے گا۔ اسے فرق نہیں پڑے گا لیکن زندگی میری برباد ہو جائے گی۔ کمیونٹی مجھے کھا جائے گی۔ نیا نیا خاندان سے ملنا شروع کیا ہے۔ مجھے جینے دو سارہ! تنہا عورت ہوں، میرے ساتھی نہ چھینو۔ پائی پائی جمع کر کے اس گھر کا مورگیج دیا ہے۔ میری عمر دیکھو، میری صحت دیکھو۔ دو بار گھٹنے کی سرجری ہو چکی ہے، اگلی بار وہیل چیئر پر ہوں گی۔ پچپن سال کی ہو چکی ہوں۔ انیس سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی۔ چھتیس سالوں سے مشقت کی زندگی جی رہی ہوں۔ تمہیں اجالا کی فکر ہے، تمہیں اپنی ماں سے کوئی غرض نہیں؟"

کہتے کہتے ان کی آواز بھرا گئی۔

"آپ اپنی مشقتوں کا حساب اجالا سے برابر کروا رہی ہیں؟"

"حالات نے مجھے تلخ بنا دیا تھا، میں بری عورت

نہیں ہوں خود غرض عورت ہوں۔ تم چار کتابیں پڑھ کر اپنی ماں کی ساری قربانیوں کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کر کے اسے سزا سنانا چاہتی ہو؟"

"آپ نے جھوٹ بول کر اجالا اور شہریار کی شادی کروائی۔"

"کیونکہ یہ ساری دنیا جھوٹ پر چلتی ہے۔ جھوٹی تو اجالا بھی تھی۔ مگر تو اس کے گھر والوں نے بھی دکھایا۔ سلطان کو اچھی نوکری نہیں ملی تو انہوں نے اجالا کو شہریار کے حق میں دے دیا۔ امریکا اور گرین کارڈ کا لالچ رکھا۔"

"یہ لالچ نہیں بیٹی کے اچھے مستقبل کی کوشش تھی ممی!"

"اجالا میں وہ خوبیاں تھیں کہ وہ گھر کو جنت بنا دیتی۔"

"اور شہریار میں وہ خرابیاں تھیں جس سے وہ اس کی زندگی جہنم بنا دیتا۔"

"کیا کرتی پھر...... مار دیتی اسے...... تنہا چھوڑ دیتی...... کیا قصور ہے میرے شہریار کا؟ جو کچھ اپنے باپ کو کرتے ہوئے دیکھا ویسا ہی خود بن گیا۔ گھر چھوٹا تھا میں اس بچے کو باپ جیسا بننے سے بچا نہیں سکی۔ خون کا اثر کیسے زائل کرتی؟ تمہاری کتابوں میں ہر چیز کا حل ہے، بتاؤ ایک ماں اپنی ممتا کیسے ختم کرے؟ اس کا حل بتاؤ؟ حقوق نسواں کی علم بردار بنی پھرتی ہو اور اپنے خونی رشتوں کو کچل کر رکھ دیتی ہو۔ تم ماں نہیں ہو سارہ! تم دنیا کی ٹھیکے دار ہو...... تم اجالا کی خیر خواہ ہو...... تم مشعل کی طرف دار ہو...... تم صرف ماں نہیں ہو......"

وہ چلتی ہوئی ماں کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ کی بہو پر تشدد ہوتا رہا پھر بھی اس ماں نے صرف اپنی ممتا یاد رکھی؟"

"بند کمرے میں اسے کئی بار پھٹکارا، سمجھایا، اس کی منت کی۔ تم نے کبھی اپنے بھائی سے محبت نہیں کی۔ تم نے باپ کی نفرت بھی اس کے حصے میں ڈال دی۔"

"میں نے اور عینی نے شہریار کو ہر طرح سے ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔" سارہ نے کمزوری سے کہا۔

"تم نے اس سے محبت نہیں کی۔" انہوں نے لفظ محبت پر زور دیا۔

"خون کی کشش سے کوئی نہیں بچ سکا۔ میں اجالا کے گھر فون کر کے کچھ نہیں بتا سکی، مجھے میرا ضمیر کچوکے لگاتا ہے۔"

"تمہارا ضمیر تمہیں پریشان کرتا ہے لیکن میرا سوچو۔ اپنی قانون کی کتابیں پڑھ کر تمہارے لیے رشتے توڑنا آسان ہے لیکن ساری دنیا کے قانون پڑھ کر بھی میرے لیے اولاد سے تعلق توڑنا مشکل ہے۔ وہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ میری گود میں آیا تھا تو میں نے خود کو محفوظ محسوس کیا تھا۔ ایسا لگا مجھے سائبان مل گیا۔"

"اجالا بھی اپنی ماں کے دل کا ٹکڑا ہے۔" سارہ کے پورے وجود میں نقاہت در آئی۔

"تمہیں اپنی ماں کی فکر نہیں اور دوسری ماں کے لیے تڑپ رہی ہو۔ تمہیں کیا لگتا ہے سارہ! تم میری بد دعا سے بچ جاؤ گی۔"

سارہ ٹھٹک رہ گئی۔ اس کی اپنی ماں سے بہت بار تکرار ہوئی تھی، لڑائی ہوئی تھی، لیکن بد دعا کا لفظ ماں نے پہلی بار استعمال کیا تھا۔

"کس ماں کی بد دعا کسے لگے گی؟ مجھے آپ کی لگے گی، اور اجالا کی ماں کی بد دعا کسے لگے گی؟"

آنٹی نے کافی ختم کی، اپنی جگہ سے اٹھیں اور اندر چلی گئیں۔ اس کے دل پر آخری جملوں کا بوجھ بڑھ گیا۔ وہ صوفے پر لیٹ گئی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے خواب میں ایک جھیل دکھائی دیتی رہی۔ ڈوبتا ہوا چاند، ٹھہرا ہوا پانی، اور اس پر چھایا گہرا سناٹا۔

☆☆☆

گاؤں کی اجالا بڑی بے مول ہو چکی تھی۔

زندگی کے کچھ لمحے اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ وقت بھی اپنی کامل قوت کے ساتھ انہیں اپنے ساتھ گھسیٹنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ وہ لمحے

نہیں صدیاں ہوتی ہیں۔ اس آدمی کے ساتھ، اس کی چھت تلے بیٹھے وہ ان صدیوں سے گزر رہی تھی۔

اجالا کو ذرا سی روشنی درکار تھی......

اسے ذرا سی زندگی بھی درکار تھی......

digest library.com

☆☆☆

اگلے دن سارہ نے پولیس کو کال کر دی۔ وہ پاکستان فون کر چکی تھی اجالا پاکستان نہیں پہنچی تھی۔ ممی جاب سے گھر آئیں تو پولیس کو گھر میں موجود پایا۔ وہ سارہ کا بیان لے رہی تھی۔ وہ خاموشی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ شہریار کو فون کر کے واپسی کے لیے بلا لیا گیا۔

''میں آ رہا ہوں......'' پولیس کی کال پر شہریار نے کہا تھا۔

اس کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے، وہ ملک چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ اگر وہ بے قصور تھا اور سمجھ دار تھا تو وہ بھاگنے یا چھپنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ واپسی پر وہ پولیس کو اپنا بیان دے رہا تھا۔

وہ دونوں ڈنر کے لیے گئے، واپسی پر ان میں تکرار ہو گئی، وہ گھر آئے، تکرار بڑھ گئی، اس نے اپنا سامان لیا اور اسی وقت گھر چھوڑ دیا۔ وہ غصے میں تھا اسے روکا نہیں۔ یہ تک نہیں دیکھا کہ اتنی رات کو وہ کہاں جا رہی ہے۔ جس ریسٹورنٹ میں دونوں نے ڈنر کیا تھا، اس جگہ کے مطابق وہ دونوں وہاں آئے تھے۔ صرف دونوں ہی تھے۔ اس کے بعد کسی نے اجالا اور شہریار کو نہیں دیکھا تھا۔ کسی نے دونوں کو گھر واپس آتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک دوسرے ہمسائے کا کہنا تھا کہ اس نے شہریار کی گاڑی آتے ہوئے دیکھی تھی۔ یہ وہی وقت تھا جو شہریار بتا رہا تھا کہ وہ گھر لوٹ آئے تھے۔

گھر کی تلاشی ہوئی، سرچ آپریشن ہوا لیکن کوئی قابل ذکر چیز ہاتھ نہیں آئی۔ اس کی گاڑی کی تلاشی لی گئی۔ اسے ایک بار گیس اسٹیشن سے واش کروایا گیا تھا، اس کے علاوہ کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔ شہریار کا [illegible] دونوں کی گاڑی میں بیٹھنا، کوئی

چیز کچھ ثابت نہیں کر سکی۔ وہ مسلسل یہ کہتا رہا کہ وہ یہاں سے جا چکی ہے، وہ کہاں گئی ہے وہ نہیں جانتا۔

مقامی ریڈیو چینل نے اجالا کی گمشدگی کو رپورٹ کیا۔ مشعل کی طرح وہ بھی مسنگ پرسن میں آ گئی۔ [illegible] کی شادی میں اجالا اور شہریار کے ڈانس کی ویڈیو شہریار کے حق میں گئی۔ تین دن کی کسٹڈی اور طویل تفتیش کے بعد کچھ ثابت نہیں ہو سکا۔ کمیونٹی میں گردش کرنے والی یہ خبریں کہ وہ اس پر تشدد کرتا تھا پولیس کے علم میں آ چکی تھیں لیکن جس پر تشدد ہوتا رہا تھا اس نے کچھ رپورٹ ہی نہیں کیا تھا۔ اب وہ ایک غیر حاضر شخص کے بارے میں گردش کرنے والی افواہوں پر کیا کرتے؟ انصاف کا پورا نظام ٹھوس ثبوت مانگتا ہے، یہ مفروضوں پر نہیں چلتا۔ جج ہر مفروضے پر یقین رکھتے ہوئے بھی فیصلہ ثبوت کی بنا پر کرنے کا پابند ہے چاہے ہر ثبوت جھوٹا اور غیر حقیقی ہو۔ اگر ثبوت عدالت میں ثابت ہو گیا تو فیصلہ ثبوت ثابت کرنے والے کے حق میں ہو گا۔

اجالا کی شادی رجسٹرڈ نہیں ہوئی تھی۔ اجالا کی حیثیت ایک فیانسی، گرل فرینڈ سے زیادہ نہیں تھی۔ شہریار کے بیان کے مطابق وہ ایک عرصہ پہلے اسے چھوڑ چکا تھا۔ اس کا ایکسٹرا میریٹل افیئر تھا۔ لیکن پھر اجالا نے معافی مانگ لی اور انہوں نے اپنا رشتہ ٹھیک کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

''آپ نے اسے جانے کے لیے کہا تھا؟''

''اس کا افیئر میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ چلی جائے۔''

''ڈنر پر آپ ٹھیک تھے [illegible] گئے، ایسا کیا ہو گیا اب اس کا افیئر پھر سے زیر بحث آ گیا؟''

''ہماری کچھ بحث راستے سے ہی شروع تھی۔ گھر واپسی پر میں اپنے [illegible] میں گیا تو اس نے پیچھے اپنے بوائے فرینڈ کو فون کیا، میں نے سن لیا۔ ہمارے درمیان [illegible] ہو گئی میں نے اسے گھر سے چلے جانے کے لیے کہا۔''

''اسی وقت؟''

"نہیں...... جانے کا مطلب تھا کہ میرا اس کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔"

"آپ نے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں...... میں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی دوست کے گھر ہو گی۔ اس کے گھر سے فون آیا، میں نے اٹھایا تو اس کے گھر والے پوچھ رہے تھے کہ اس کی فلائٹ کب ہے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ پاکستان جا رہی ہے، اپنے گھر والوں کو فون کر کے نکلی ہے۔ مجھے مزید معلومات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اسے چھوڑ چکا تھا اس کے باوجود وہ امریکا رہتی رہی۔ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ مل کر پلاننگ کر رہی تھی۔"

اس کے کھیل کا ساتھی، پھوپھو کا بیٹا، اس کی سگی سہیلی...... اس کا بوائے فرینڈ بن چکا تھا۔

وہ کسلاڈی سے باہر آیا تو سارہ نے اس کی شکل دیکھتے ہی اس کا گریبان نوچ لیا۔

"اپنی پاک باز بیوی کو حرافہ ثابت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟"

بے شرم انسان نے اطمینان سے سارہ کے ہاتھوں سے اپنا گریبان آزاد کروایا۔

"جواری انسان...... اسے کس جوئے میں ہارا ہے...... جواب دو؟"

آنٹی نے لپک کر سارہ کو شہریار سے الگ کیا۔

"جو بات شوہر جانتا ہے وہ تم نہیں جان سکتیں...... اب اپنی بکواس بند کرلو۔"

پندرہ دن کی کارروائی کے بعد کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ آنٹی کی ایک ہی تکرار تھی کہ سب ملے ہوئے ہیں۔ شہریار کے جواری دوستوں تک سے تفتیش ہوئی لیکن بے فائدہ رہی۔ یا وہ لوگ بہت منظم تھے یا پھر ابھی نیا نیا کام شروع کیا تھا، کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

"آپ کے بیٹے نے اسکورٹ کمپنی رجسٹر کروائی ہے، پہلے وہ حرام پیتا تھا، حرام کھیلتا تھا، اب باقاعدہ حرام کمائے گا۔"

آنٹی نے نخوت سے منہ موڑ لیا۔

"امریکا میں یہ کام لیگل ہے۔ اب بولو تمہارا قانون کیا کہتا ہے۔ یونی ورسٹی کالج کی لڑکیاں اس سروس کے لیے اپنا نام رجسٹر کرواتی ہیں۔ پارٹیز میں جاتی ہیں، کمپنی دیتی ہیں۔ کیا برائی ہے اس میں؟"

سارہ کو ذرا حیرت نہیں ہوئی۔ جس عورت کا اجالا کے شراب خانے جانے پر یہ فلسفہ تھا کہ پینے والے پیتے ہیں، بیچنے والے بیچتے ہیں، ہمیں کیا لینا دینا۔ اسے اپنے بیٹے کے ایسے کام پر اعتراض کیوں ہوتا۔ ساری دنیا لیگل کی آڑ میں ال لیگل کام کر رہی ہے۔ اتنی شراب یہاں والے نہیں پیتے جتنی تارکین وطن پی جاتے ہیں۔ پھر کہاں کون سا ایمان؟ مارکیٹ میں چیزیں مہیا کرنے والے برے نہیں ہیں، انہیں استعمال کرنے والے برے ہیں۔ ورنہ سیب کاٹنے کی چھری سے اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو کیا چھریاں بننا بند ہو جائیں؟ روسی، یوکرینی، امریکی اور چوتھے نمبر پر عزت و ناموس کے بلند بانگ دعوے کرنے والے انڈین پاکستانی یہ کام کر رہے ہیں۔ لڑکیاں اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں اور اس کام میں لگا دیتے ہیں۔

اگر اپنی تنہائی کے لیے کوئی کسی کا وقت خریدنا چاہتا تو اس میں برائی کیا ہے؟

دنیا کی ہر شے بکنے کے لیے ہی بنی ہے...... وہ انسان ہی کیوں نہ ہو......

بلکہ انسان ہی تو......

☆☆☆

گاؤں میں صفِ ماتم بچھ چکی تھی۔ اجالا کے فون یا اجالا کے نشان کے انتظار میں سارا گاؤں ڈوب چکا تھا۔ ہر دن اجالا کے انتظار سے شروع ہو کر اجالا کے انتظار پر تمام ہوتا۔ منڈیروں پر روز کوے بولتے لیکن ان کا شور ہنگامہ بھی کوئی سکھ سندیس نہ لا سکا۔ گاؤں، ہر آہٹ پر کان ہو گیا۔ تایا جی کی کمر دنوں میں پورا جھک آئی۔ قمر بوکھلایا پھرتا۔ آستین سے آنسو صاف کرتا۔ اماں نے کوئی ورد کوئی نفل نہ

چھوڑا۔ عابدہ، حریم اپنے سسرال سے گاؤں آ گئیں۔ سلطان، ماں اور نرگس کو گاؤں چھوڑ گیا کہ مامی کو سنبھالو۔ یہ پندرہ دن گاؤں کے اس بڑے گھر نے قیامت کے قہر میں گزارے تھے۔ فون کو سامنے رکھے وہ اس لمحے میں جینے کے لیے تڑپنے لگتے جس میں اجالا کی آواز سنائی دے گی۔

ایک آواز......صرف اجالا کی آواز......

''اماں...... میں آ رہی ہوں...... قمر کو اڈے بھیج دو......''

اڈے پر کھڑے تانگوں نے اس سے لمبا انتظار کسی مسافر کا نہیں کیا تھا۔ گاؤں سے ایسی کوئی بیٹی بیاہ کر نہیں گئی تھی جس کی اتنے سال کسی نے شکل نہ دیکھی تھی۔ دیس کا اجالا، پردیس کا چاند ہوا تھا۔ پھر یہ چاند واپس دیس میں دکھائی نہیں دیا۔ کوہلو کے بیلوں کی گھنٹیاں گاؤں کا شور ہو گئیں۔ اس ایک گھر کے سناٹے نے پورے گاؤں کو سوگوار کر دیا۔ ایک دوسرے کو تسلی دلاسے دیتے، لیکن اندر ہی اندر ہولتے رہتے۔ تدبیر کا زمانہ گزر جائے تو بے بسی کا عہد آ جاتا ہے۔ پھر سوائے دعاؤں کے کوئی اختیار نہیں بچتا۔

سلطان مسلسل سارہ سے رابطے میں تھا۔ وہ امریکا کی ایک ایک خبر سے باخبر تھا لیکن گھر والوں کو نہیں بتا رہا تھا۔ کیا بتاتا؟ وہ امریکا میں اجالا کا بوائے فرینڈ مشہور ہو چکا ہے۔ شہریار اجالا کو بدچلن ثابت کر چکا ہے۔ قمر کو تھوڑا بہت بتا چکا تھا۔ وہ بھائی تھا، اتنا سن کر ہی اپنا جہاں لٹا بیٹھا۔

''وہ ٹھیک ہو گی سلطان؟'' وہ سلطان سے یقین چاہتا تھا۔

''سیانی بیانی ہے اجالا، اللہ خیر رکھے گا......''

اللہ خیر رکھے گا کہنے والا اس لمحے کو واپس لانا چاہتا تھا جب اس نے اجالا سے کہا۔

''چھوڑ دو شہریار کو...... میں تم سے شادی کروں گا۔''

وہ سدا کا بزدل۔ یہاں بھی اجالا کو شہریار کا ہونے سے نہ بچا سکا۔ وہاں سے بھی بچا کر نہ لا سکا۔ تھوڑی ہمت دکھاتا اس کا ہاتھ پکڑتا اور ساتھ لے آتا۔ وہ گناہ کے ایسے احساس میں گھر گیا جس کا وہ گناہ گار نہیں تھا۔ ایک محبت تھی جو پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ اسے آفس سے جب بھی آدھی ٹکٹ ملتی، باقی پیسے ڈال کر وہ امریکا پہنچ جاتا۔ اجالا سے ملتا ایک دن تھا لیکن اس کی خبر گئی دنوں تک رکھتا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ شراب خانے کام کرتی رہی ہے۔ جس الیاس کلیننگ کی شرٹ کو وہ شرمندگی سے چھپا رہی تھی، وہ اسے بہت پہلے دیکھ چکا تھا۔ وہ شہریار کی شہرت بھی جان چکا تھا۔ کمیونٹی کے اسٹور میں کام کرنے والے لڑکے کے ذریعے اسے اجالا پر تشدد کی خبریں بھی مل چکی تھیں۔ لیکن یہ خبریں اسے بہت دیر سے ملیں۔ اس کے دل کو یہ الہام تاخیر سے ہوا کہ اس کی اجالا شکاگو میں ٹھیک نہیں ہے۔

digest library.com

زندگی کے الہاموں کی کہانی عجیب ہے، جب تک دل کو ان پر یقین آتا ہے تب تک بڑی دیر ہو چکی ہوتی۔

کرسی پر بیٹھا شخص کم سے کم پچاس سال کا ہو گا۔ سگار پی رہا تھا۔ اطمینان سے بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم جانتی ہو کہ تمہارا شوہر اسکورٹ سروسز...... مہیا کرتا ہے؟''

وہ جان اور سمجھ بہت کچھ چکی تھی لیکن اب اس کا فائدہ نہیں تھا۔ اس نے ناں اور ہاں دونوں میں سر ہلا دیا۔

''میں جب جب امریکا آتا ہوں اسے کال کرتا ہوں۔ تمہارے شوہر نے مجھے اپنا ریگولر کلائنٹ بنانے کے لیے بہت محنت کی ہے۔''

وہ چاہتی تھی وہ اس شخص سے کہے کہ خاموش ہو جاؤ۔ اور بس پھر خاموش ہی رہو۔

''مجھے اس لڑکے نے کچھ ویڈیوز اور تصویریں دکھائی تھیں......''

وہ یہ کہنے سے باز رہا کہ اس میں سے تمہاری سلیکشن کی۔

''میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں...... یہ میرا مزاج نہیں ہے...... مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں

ہے۔"

اجالا کو کچھ نہیں جاننا تھا۔ ہر چیز، ہر تمنا، ہر تجسس تمام ہو چکا تھا۔

"تم واپس جانا چاہتی ہو؟"

اس میں ہاں تک کہنے کی سکت نہیں تھی۔ زندگی کے سارے کرب گلے میں رندھ گئے۔ آنکھ سے ایک آنسو نکلا، سرخ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ کے کنارے پر آکر پھنس گیا۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک بڑا بزنس مین تھا، بڑے بڑے سودے کر چکا تھا، جو سودا اس کے سامنے بیٹھا تھا، ایسے کاروبار ہوتے بہت بار دیکھا تھا۔ تجارت کی دنیا میں کوئی چیز حیران نہیں کرتی۔

"میں تمہیں تمہارے فیصلے پر نظر ثانی کا مشورہ دوں گا۔"

اس نے اپنی طرف اشارہ کیا اور نرمی سے کہا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس نے دوبارہ کمرے میں کسی چیز کو تلاش کرنا چاہا جس کی آڑ میں خود کو چھپا سکتی۔ وہ زندگی سے وابستہ ساری خوش گوار یادیں اکٹھی کر لے گی، تب بھی اس رات کی ذلت سے خود کو نکال نہیں پائے گی۔ وہ دنیا کے ہر شخص سے اپنا چہرہ چھپا کر رکھے گی، جب تک اس رات کی پامالی پچ قرار نہ پائے گی۔ وہ خود سے کہتی رہی کہ اب کوئی چیز اسے پاکستان جانے سے نہیں روک سکتی۔

جو پردیسی ہوا وہ مڑ نہ آیا

"تمہیں یہاں سے ٹیکسی نہیں ملے گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"جہاں سے ٹیکسی مل سکتی ہے میں تمہیں وہاں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

وہ گھر کے سامنے ٹیکسی سے بہت خاموشی سے اتری تھی۔ اس کی چال میں سالوں کی شکستگی تھی۔ پتھر کی سلوں پر اس کی ہیل کی ٹک ٹک کرب آمیز ساز تھی۔ اسے لگا گاؤں کی جس مائی کی عمر سو سال سے اوپر ہو چکی ہے، وہ اس مائی کی کھال میں سمٹ آئی ہے۔ اس کی کھال سے جھریاں لٹکنے لگیں۔ اس کے اندر زندگی کی تمام قوت مدھم لو میں بدل گئی۔ ٹمٹماتی لو۔ آندھی کی زد پر لو۔ اس وقت دنیا میں کوئی ایک بھی چیز ایسی نہیں تھی جو اسے اپنی طرف متوجہ کر سکتی۔

سفر رائیگاں گیا......

اس نے اپنی ہر آرزو کو تمام پایا۔ اس دیوہیکل مینشن کے ڈرائنگ میں بیٹھ آنے کے بعد وہ اپنی ماں تک سے یہ رسوائی چھپا کر رکھے گی۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نکل رہی تھی تو اس نے ایک بات کہی تھی۔

"جاتے ہوئے وہ لڑکا مجھے ایک بات کہہ گیا تھا میں چاہوں تو تمہارے......"

وہ جلدی سے گاڑی سے دور ہو کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کیا کہہ گیا تھا وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ایک ہی رات میں اتنی تکلیف نہیں سہہ سکتی تھی۔ جھک کر گملے کے نیچے سے اس نے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اندر سناٹا تھا۔ سارہ جا چکی تھی۔ سینڈلز اتارے بغیر وہ چلتی ہوئی کچن کی میز کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

جس پہلی رات وہ اس گھر میں آئی تھی تب سب سے پہلے اسی کچن میں لا کر کھڑی کی گئی تھی۔ ایک طویل مشقت کاٹنے کے بعد بھی وہ وہیں کھڑی تھی۔ کرسی نکال کر وہ اس پر بیٹھ گئی۔ کلائی میں پہنی ریسٹ واچ کی ٹک ٹک اس کی دل کی دھڑکن سے زیادہ پر شور تھی۔ اس نے اسے اتار کر میز پر رکھا۔ انگلیوں سے انگوٹھیاں اتار کر رکھیں۔ ٹشو کھینچ کر ہونٹ رگڑے۔ ٹشو سرخ ہو گیا۔

اسے اس رنگ سے نفرت تھی۔

نڈھال وجود کی آہ چھپائے وہ اپنی حیثیت پر افسردہ تھی۔ دونوں ہتھیلیوں پر ٹھوڑی ٹکا کر خاموشی سے اپنے سائبان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گاؤں کی رہنے والی کو ایسا بند گھر اچھا نہیں لگا تھا، لیکن گھر اپنا ہو تو اس سے انسیت ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ ٹھنڈے ملک کے گرم گھر سے اسے محبت ہو گئی۔ گھر کی زمین عورت کے نام نہیں ہوتی، لیکن گھر کی اینٹ اینٹ

عورت کا خون چوس کر جوان ہوتی ہے۔ کسی بھی وقت ہاتھ پکڑ کر نکال دی جانے والی عورت نے گھر کے کونے کونے میں اپنی جان ماری ہے۔ اس کی "نی" میں اس کے ارمانوں کی کئی لاشیں دفن ہوتی ہیں۔ وہ اپنا آپ مارتی ہے تب "نی" مضبوط ہوتی ہے۔ پھر وہ دیواریں کھڑی کرتی ہے، چھت بنا کر رکھتی ہے۔ عورت خاندان جوڑ کر رکھتی ہے لیکن خود ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اس گھر میں سب کے حصے نکل آتے ہیں ایک اسی کا حصہ غصب ہو جاتا ہے۔ ایک اسی کے حصے پر سوال کھڑے ہو جاتے ہیں۔

رات کے سناٹے کا یہ گھر وہ آخری بار دیکھ رہی تھی۔

رات کے سناٹے میں بیٹھی اجالا! وہ ان جھینگروں کی آوازیں بھی سن رہی تھی جو پہلی بار اس کی آمد پر شور مچا رہے تھے۔ جیسے شکاگو کی گاڑیاں ہنگامہ برپا رکھتی تھیں، ویسے ہی یہ جھینگر۔ اسے سردی گرمی ہر موسم ان کی آواز سنائی دیتی۔ سارہ ہنستی کہ تمہارے کان بجتے ہیں لیکن وہ اسے سمجھا نہیں سکی کہ وہ پہلی رات ایسی رات تھی جو اس کی روح میں سرایت کر گئی۔ آج بھی مائیکرو کی ٹوں ٹوں گھوں گھوں اسے، اسی رات کے احساس میں کھینچ لے جاتی تھی۔

کتنی ہی دیر تک وہ خاموشی سے کرسی پہ بیٹھی رہی۔

اس کی ہتھیلیاں سرد پڑنے لگیں۔ وہ ایک آنسو بہا دینے کے لائق نہ رہی۔ بڑی کمزوری سے اٹھ کر فون کی طرف بڑھی۔ فون جو ٹی وی کے قریب رکھا تھا۔ یہ ہنستا کھیلتا شور مچاتا ٹی وی آج گونگا تھا۔ اس کے ہر دکھ میں اس ٹی وی نے گیت گائے تھے۔ اس کی ہر سسکی پر اس ٹی وی نے ناچ کر دکھایا تھا۔ آنٹی کے بعد یہ گھر کی سب سے منحوس چیز تھی۔

اس نے گھر کا نمبر ملایا۔

"اجالا......"

گاؤں کے اس گھر میں فون کسی کا بھی آتا تھا لیکن ہیلو کے بجائے صرف اجالا کہا جاتا تھا۔ یہ فون اسی کے لیے لگوایا تھا۔

"اماں...... میں واپس آ رہی ہوں......"

اس کی آواز اتنی بے جان تھی کہ بہت دور گاؤں میں تہجد کے وقت سے جاگی ماں کے دل پر ہاتھ پڑا۔ خاموشی کے چند لمحے طویل ہوئے۔ بڑی برکت رہی ان میں۔

"آ جا پتر...... ماں صدقے......"

"میں واپس نہیں جاؤں گی...... مجھے واپسی کے لیے نہ کہنا......"

خاموشی کے چند اور بابرکت لمحے ٹھہر گئے جس میں ماں نے ساری بات جان لی۔ جس لڑکی نے اتنے سال اپنی واپسی پر بہانے بنائے تھے، کہانیاں سنائی تھیں، آج وہ کہہ رہی تھی وہ آئے گی تو واپس نہیں جائے گی۔

"نہیں کہوں گی...... واپس آ جا......"

"میری اڈیک رکھنا......"

اس نے فون بند کر دیا۔ اماں بہت کچھ پوچھ رہی تھیں لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ فون پر پھوٹ پھوٹ کر رونے سے دور رہنا چاہتی تھی۔ وہ اتنی لمبی داستان سات سمندروں کے فاصلے سے بیان کرنے سے قاصر تھی۔ کہنے کو ایک شادی، پردیس، اور پھر گھر واپسی، لیکن کتنی کٹھن کہانی تھی۔ لمحہ لمحہ زندگی آزمائشوں سے سج سنور کر کھیلی تھی۔ کہنے کو ایک طلاق لیکن کرب کی ان گنت طنابیں تھیں۔ کیسی مکار چال تھی زندگی کی۔

شہریار کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھلنے سے اندر چلتی فلم کے کرداروں کی آوازیں واضح ہو گئیں۔ وہ سیڑھیاں اترتا نیچے آ رہا تھا۔

☆☆☆

digest library.com

سلطان امریکا آ چکا تھا۔

پولیس کو اجالا کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اپنی ساری جمع پونجی نکال کر سارہ نے اجالا کی تلاش میں لگا دی تھی۔ اس نے چند بڑے نیوز پیپرز میں اجالا کی

تصویر کے ساتھ اشتہار دیا کہ کسی نے اسے دیکھا ہو تو رابطہ کرے۔ اس نے انعام کی رقم بھی مقرر کی تھی۔ اشتہار آنے کے دو دن بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور نے رابطہ کیا تھا، اس نے کہا کہ اس نے اس لڑکی کو ایک گھر کے باہر ڈراپ کیا تھا۔

پولیس نے شہریار کو دوبارہ تفتیش کے لیے بلا لیا تھا۔ شہریار گڑبڑا گیا تھا لیکن اس نے مان لیا کہ دراصل اجالا اس کے ساتھ نہیں آئی تھی، وہ غصے سے راستے میں ہی اتر گئی تھی۔ جس جگہ سے ٹیکسی نے اسے پک کیا تھا پولیس وہاں بھی گئی۔ وہ شہر کی حدود تھی لیکن پھر بھی ریسٹورنٹ کے راستے میں نہیں تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ شہر کے بالکل ہی مخالف سمت چلی گئی ہو۔ پولیس نے دباؤ ڈالا، ہر طریقہ آزمایا لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ وہ نہیں جانتا وہ وہاں تک کیسے پہنچی۔ اس نے اپنے بوائے فرینڈ کو فون کر کے بلا لیا ہوگا، وہ اسے لے گیا ہوگا۔

یہ بوائے فرینڈ والی چیز ہر شک کو زائل کر دیتی تھی۔ یہ بوائے فرینڈ پاکستان سے ہے۔ وہ یہاں آتا ہے، چھپ کر ملتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ سلطان کو بڑی شرمندگی ہوئی اجالا کے بوائے فرینڈ کی حیثیت سے پولیس سے ملتے ہوئے۔ اس نے اپنا پاسپورٹ دکھا کر امریکا میں اپنی آمد کے سارے ثبوت دے دیے کہ وہ کب کب یہاں آیا تھا۔ سلطان کا شک نکلا تو کوئی اور بوائے فرینڈ نکل آیا، کوئی کلائنٹ، کوئی تنہا مرد، پیسہ والا آدمی۔

جہاں سے اجالا کو پک کیا گیا تھا سارہ بلبل کے ساتھ وہ جگہ دیکھ آئی تھی۔ جس طرف وہ سڑک جا رہی تھی، وہاں دولت مندوں کے فارم ہاؤس اور بڑے بڑے گھر تھے۔

”تم نے اسے کسی مرد کے پاس بھیجا تھا؟“

گھر آتے ہی شہریار سے پوچھا۔ وہ اور آنٹی بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ کوئی فلم لگی تھی۔ شہریار کے ہاتھ میں کھانے کا بڑا سا باؤل تھا۔ آنٹی نے بڑی ناپسندیدگی سے سارہ کو گھورا تھا۔

”پولیس کچھ ثابت نہیں کر سکی تو تم اجالا کی ماں لگتی ہو۔ اپنے ہی بھائی کو پھنسانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”تم نے اسے اپنے کلائنٹ کے پاس چھوڑا تھا؟“

اس نے چلا کر پوچھا۔ شہریار نے ٹی وی کا والیوم بڑھا دیا۔

”میں یہ کیسے بھول گئی کہ تم کتنے کمینے انسان ہو..... میں چوک سکتی ہوں تو اجالا کیوں نہیں۔“

نفرت سے کہتی وہ عینی کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے گھر سے پولیس کو کال کی، انہیں اپنا خدشہ بتایا۔ لیکن بات پھر وہیں آ کر ٹھہر گئی کہ ٹیکسی والے نے اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔ شہریار بھی یہی کہہ رہا ہے کہ وہ گھر آئی، سامان لیا اور چلی گئی۔ گھر کا ایک بار پھر سرچ آپریشن ہوا۔ لان کی کھدائی ہوئی۔ نتیجہ صفر رہا۔ وہ امریکا میں ہی کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ غائب ہو چکی ہے۔ اپنے عاشق کے ساتھ۔ خوب صورت لڑکی تھی، جن گھروں میں کام کرتی تھی، ان میں سے کسی کے ساتھ پلاننگ کر لی، اور شہریار کو پھنسا گئی۔ چالباز عورت، فراڈ کر گئی۔

☆☆☆

بے وقوف، مکار، فراڈ عورت......

وہ نیچے آیا اور اسے فون کے پاس دیکھا۔ اس کے چہرے کے عضلات میں پہلے آنکھیں بدہیت ہوئیں۔

”تم......“

اجالا نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ ساڑھی کا پلو کھینچ کر اپنے گرد درست کیا اور اطمینان سے بیٹھی رہی۔

”تم واپس کیوں آئیں؟“

واپس آنے کے بعد یہ سوال اجالا نے خود سے بھی پوچھا تھا۔ کوئی بھی ہوتا اس سے یہ سوال پوچھتا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں......“ گھوم کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

digest library.com

"تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔"

وہ اس سے زیادہ مہذب فقرہ اپنی ذات کے لیے نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ اس سے زیادہ، اس کی گری ہوئی حرکت کو ظرف کا لبادہ نہیں پہنا سکتی تھی۔ اس کا شوہر اسے ایک غیر مرد کے پاس چھوڑ آیا اور اب پوچھ رہا ہے وہ واپس کیوں آ گئی۔ اس مرد کے سامنے بیٹھ آنے کی تکلیف، شوہر کے اس سوال کی حیثیت پر گھٹ کر رہ گئی۔

بے شناخت رات میں خاموشی کا معمولی دورانیہ اس گھر کی چھت تلے حاوی رہا۔ دو قدم بڑھا کر وہ اس کے عین سامنے بیٹھ گیا۔ جس دن وہ شراب خانے کی بوتلوں کا پہاڑ گرا کر آئی تھی، اس دن بھی وہ ایسے ہی بیٹھا تھا۔ اس کا جسم آرام دہ حالت میں سٹ گیا۔ اس کے چہرے پر تناؤ اور سیاہی بڑھ گئی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کام کو صرف کام سمجھو۔" اس نے اسی اطمینان سے کہا، جیسے اس دن کہا تھا۔

"تم اسٹور پر جاب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔"

"ہاں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں......"

"تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

وہ اب بھی وہی پوچھ رہا تھا، تم نے یہ سب کیوں کیا؟ تم واپس کیوں آئی؟

"تم نے کہا میں نے سن لیا...... اور میں واپس آ گئی۔"

اس دن وہ ڈری ہوئی تھی، آج بے خوف تھی۔ وہ ہر فیصلہ کر چکی تھی۔ اگر گھر کی زنجیروں سے آزاد ہو چکی تھی۔

"تم نے کہا تھا تم میرا ساتھ دو گی۔"

شہریار کو اس کم ظرف عورت سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ اس کے مسام حکم عدولی کی اذیت سے جھنجھنا اٹھے۔

"تب یہ نہیں جانتی تھی کہ تم کس کیچڑ میں اترنے کو ساتھ دینا کہہ رہے ہو۔"

"تمہیں میں کبھی اچھا نہیں لگا...... تمہارا دعوا تھا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔"

"محبت...... ہاں اسی کے دھوکے میں یہاں تک آ گئی۔"

شہریار نے شدت سے سر ہلایا اور اپنی پشت صوفے کے ساتھ جوڑ دی۔ ہتھیلیاں آپس میں پیوست کیں۔

"جو تمہارے ساتھ تمہاری مرضی کی زندگی گزار سکے تم اسے ساتھی بناؤ۔ میں دیہاتن ہوں میں ایسی زندگی نہیں جی سکتی۔"

اس کی طرف دیکھتے ہوئے، سائیڈ پر رکھا فون اٹھا کر شہریار نے نمبر ملایا، انگلش میں چند جملوں کا تبادلہ کیا۔ وہ اسی اٹالین سے بات کر رہا تھا جس کے پاس اجالا کو چھوڑ آیا تھا۔ شہریار نے دو بار سوری کا لفظ یوز کیا۔ آج سے پہلے یہ شخص کبھی اتنا پروفیشنل نہیں ہوا تھا۔ وہ اس آدمی کی پسند کے کلر میں اپنی بیوی کو سجا کر لے گیا تھا۔ پراڈکٹ ڈلیوری اس نے خود کی تھی۔ اور اب فون پر معذرت کر رہا تھا۔

"تم جانتی ہو یہ شخص بزنس کا کتنا بڑا ٹائیکون ہے۔ یہ تمہیں اپنے ساتھ اٹلی لے جائے گا، اپنی فیلڈ کا کنگ ہے، تمہیں یورپ ٹور کروائے گا۔"

وہ چھ سال کی تھی جب ایک بار گندے نالے میں گر گئی تھی۔ آنے والے کتنے ہی دن وہ غلاظت میں گرنے کے احساس سے روتی رہی۔ ایک مدت تک اس بدبو کو اپنے اندر سے زائل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی، جس سے شناسا ہوئی تھی۔ شہریار کی اس بات سے غلاظت کا وہ احساس جاگ اٹھا۔ بدبو سے اس کا وجود پھٹنے لگا۔ اس انسان کو ایسی بات کا جواب دینا اپنی توہین لگا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور سارہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"اجالا...... یہ نہ کرنا...... واپس بیٹھ جاؤ......" وہ غرایا۔

وہ کچھ ڈر گئی اور واپس بیٹھ گئی۔ سینے کا تنفس تیز

ہوا لیکن اس نے خود پر قابو رکھا۔ اب اس نے خود کو الزام دیا کہ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس کا دماغ اتنا ماؤف کیوں ہوا کہ واپسی کے لیے اس نے یہی گھر چنا۔

"میں یہ سب نہیں کروں گی......" اس نے جواب دیا۔

وہ دو پیگ چڑھا چکا تھا۔ گاؤں کی اس دیہاتن کی جرات نے اس کا سر گرم کر دیا۔

"اسے صرف بزنس سمجھو۔ میں تمہیں ان کپل سے ملوا سکتا ہوں جو یہ بزنس کرتے ہیں اور ہنسی خوشی ساتھ رہتے ہیں۔"

"تم اسے صرف اپنا بزنس سمجھو۔" اس نے اپنا پرزور دیا۔

یہ رات اسے روندتی ہوئی گزر رہی تھی۔ اس سے کہیں بہتر تھا اس نے کبھی گھر بسانے کی تمنا نہ کی ہوتی۔ پھر زندگی آسان تھی۔ وہ یہ سمجھا تھا کہ گھر بچے اور محبت کے چارے پر وہ یہ کام کر لے گی۔ وہ اٹھ کر سارہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ دروازہ بند کرتی اس سے پہلے شہریار نے اس میں اپنا پاؤں پھنسا دیا۔ اس کی کلائی پر دباؤ ڈالا اور اسے واپس پیچھے کھینچ لیا۔

اسے ہر عورت سے نفرت تھی، اس عورت سے زیادہ تھی۔ جس نے اسے آسمان پر چڑھا کر پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ اس کی زندگی جہنم بنا دی تھی۔ اس کی گنجائش چھین لی تھی۔ اس کا سوشل سرکل ختم ہو گیا۔ پھر عینی سارہ اور اب یہ اجالا۔ اور صرف واحد اجالا ایسی عورت تھی جو پوری طرح سے اس کی دسترس میں تھی۔

☆☆☆

ایک مہینہ دس دن گزر گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور کے علاوہ کہیں سے کسی طرح کا نشان نہ ملا۔ سلطان مارا مارا پھرتا رہا۔ امریکا میں اس کی پہنچ ہی کیا تھی۔ جن چند لوگوں کو وہ جانتا تھا ان سے مل کر اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ دنیا سے ایک گیا، لاکھوں لوگ بھی غائب ہو جائیں تو دنیا کو فرق نہیں پڑتا۔ فرق پڑتا ہے، گاؤں بیٹھی ماں کو...... باقی سب کے فرق آہستہ آہستہ معدوم ہو جاتے ہیں۔

یارڈ کی کھدائی سے پہلے پولیس نے گھر کی تصویریں لی تھیں۔ ان تصویروں کی ایک کاپی سارہ کے پاس بھی تھی۔ وہ ان تصویروں کو کئی بار دیکھ چکی تھی۔ بلبل عینی اور وہ ہر ممکنہ امکان پر غور کر چکے تھے۔ گھر کے ڈرائیو وے سے شروع ہو کر یارڈ کی طرف ایک لمبی کیاری بنی تھی۔ کیاری کے کنارے چھوٹے بڑے سائز کے پتھروں سے حد بندی کی گئی تھی۔ اس میں نمایاں طور پر تین بڑے پتھر غائب تھے۔

وہ کمرے سے نکل کر بھاگتی ہوئی یارڈ میں آئی۔ پھر یارڈ کے کیبن میں گھس گئی۔ یہاں اوپر نیچے گھاس کاٹنے کی مشین، اوزار، اور دوسرا ضروری سامان رکھا تھا۔ اس نے ہاتھ مار مار کر سارا سامان گرانا شروع کر دیا۔ وہ ایک چیز ڈھونڈ رہی تھی۔ اسے وہ چیز نہیں ملی۔ اس نے اپنی گاڑی نکالی، ٹیکسی سے سلطان اترتا ہوا دکھائی دیا، اسے ساتھ بٹھا کر وہ پولیس اسٹیشن آ گئی۔

☆☆☆

"تمہیں ایسا کیوں لگا کہ تم اپنی مرضی کر سکتی ہو؟" اس نے اسے دھکا دے کر صوفے پر پھینکا۔

"میری ماں کا اتنا پیسہ لگا ہے تمہیں یہاں لانے میں۔ تمہارا باپ دے گا وہ پیسے۔ تم نے لیکر اسٹور پر جو گل کھلائے اسے تم معمولی سمجھتی ہو۔ بڑی شریف پاک باز بنتی ہو۔ کیا میں جانتا نہیں کہ تم کہاں کیا کرتی پھرتی ہو۔ میرے کہنے پر تم کسی کے ساتھ وقت نہیں گزار سکیں۔ میری محنت پر تم نے پانی پھیر دیا۔"

وہ گالیاں دے رہا تھا ہذیان بک رہا تھا۔ اب یہ باتیں اجالا کے لیے معمولی تھیں۔ گالیاں بھی بے معنی تھیں۔

"مجھ جیسی عورت کو اپنے ساتھ نہ رکھو......"

"تم ابھی اسی وقت میرے ساتھ واپس جاؤ

Digest Novels .com

گی۔"

جھک کر اسے بازو سے کھینچ کر کھڑا کیا۔ اجالا نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ تمام شب و روز اس کے آس پاس آ کھڑے ہوئے جس میں اس نے اس شخص سے محبت کی تھی۔ جن لمحات میں اس نے امید کی تھی کہ وہ اسے بال دے گی۔

"ٹھیک ہے...... چلو۔"

اسے بازو سے دبوچے دبوچے وہ میز سے گاڑی کی چابی اٹھا کر بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلی، خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروا کر بھاگ گئی۔

digest library.com

سارہ پولیس اسٹیشن کے اندر گئی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد واپس آ گئی تھی۔

"تم ڈرائیو کر لو گے؟"

اس کی آواز پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ سلطان سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"یہاں سے رائٹ لینا...... اور...... آگے طویل سڑک ہے...... بہت طویل...... جہاں ختم ہو گی وہاں سے لیفٹ......"

فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہکلاتے ہوئے کہا۔ اور کمر کو جھکا کر کھڑکی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ اجالا کی فون والی ڈائری اس کی جیب میں تھی۔ اس میں فون نمبرز کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا۔ بچوں کی طرح ہاتھ سے بنائی گاؤں اور کھیتوں کی تصویریں، گھر کا صحن، لمبی پگڈنڈی اور کچھ دل کی باتیں۔ جب کہنے سننے کے لیے کوئی نہیں ہو گا تب لکھا ہو گا۔ شاید میٹرو میں بیٹھے ہوئے۔ یا رات کے کسی پہر نیند سے جاگ کر۔ یا کسی تکلیف دہ یاد کے زیر اثر آ کر۔

"مشعل! تم نے فیصلے کی زندگی جینی چاہی لیکن تمہیں جینے نہیں دیا گیا۔ اور میں فیصلے کی زندگی جینے سے ڈرتی ہوں۔ مجھے سب کہتے ہیں کہ میں کوئی قدم اٹھاؤں۔ میرے اندر سے بھی اسی طرح کی آواز آتی ہے لیکن مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ لڑکیاں فیصلے کی زندگی جی نہیں سکتیں۔ دونوں صورتوں میں تنہائی اور موت ان کا مقدر بنتی ہے۔ فیصلے کی صورت میں تمہیں موت ملی۔ فیصلے کی صورت میں مجھے لاتعلقی ملے گی۔ یا پھر مجھے میری ذات ہی زدوکوب کرنا شروع کر دے گی۔ مجھے سوال ملیں گے۔ الزام بھی ملیں گے۔ میرے اندر اتنا ڈر کیوں ہے؟ یہ ڈر زندگی نے پیدا کیا، دنیا نے، لوگوں نے یا پھر میرے گھر والوں نے؟"

سلطان کی گاڑی رائٹ ٹرن لے چکی تھی......
اب وہ طویل سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"بلبلاتی ہوئی آہوں کو دل میں دبائے، میں نے اپنی تذلیل کا منظر بہت بار دیکھا۔ بہت کچھ سہا۔ میں نے یہ جانا کہ عزت ایک ایسی نعمت ہے جو ہم عورتوں کو مکمل طور پر نصیب نہیں ہوتی۔ یہ ٹکڑوں میں بھی نصیب سے ہی ملتی ہے۔ ہماری خواہش کو، ہماری تمنا اور طلب کو قدر کی نگاہ شاید ہی کبھی میسر آتی ہو۔ میری جھجکی ہوئی، شرمسار ادھوری کہانی پر میری ماں نے مجھے واپسی کا عندیہ نہیں دیا اور اس چیز نے میرا دل توڑ دیا۔ جس پر میں نے جان لیا کہ بعد از میں ہر لمحہ ان فیصلوں پر پچھتاؤں گی جو کیے اور جو نہیں کیے۔ اور میں نے جانا کہ میرے اور تمہارے پاس فیصلوں کی فصل بونے کے لیے زمین ہی بہت تھوڑی ہے۔ جن کے پاس پیر جمانے کی جگہ نہ ہو، ان کے پاس خواب سجانے کی گنجائش کہاں ہو گی۔"

طویل سڑک پر دوڑتی گاڑی کی رفتار تیز تھی۔ سلطان نے دو تین بار سارہ کو مخاطب کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"پور پور میں دکھ سموئے مصالحت کی چادر اوڑھے اوڑھے میں تھک چکی ہوں۔ یہ سب عذاب عورت کے لیے کیوں؟ میرے رات دن کچھ ایسے ہیں کہ نیند سے جاگ جانے پر بھی میں دوبارہ سونا چاہتی ہوں۔ کوئی انسان بیداری سے زیادہ نیند کو پسند کرنے لگے تو اس کا کیا مطلب ہے...... میں سونا

چاہتی ہوں...... یہ کیسی تمنا ہے؟"

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ سلطان بڑی تیزی سے گاڑی سے اتر کر باہر کی طرف لپکا۔ گاڑی کا دروازہ تک بند نہ کیا۔ سارہ نے سر اٹھایا، لیکن وہ دوسری طرف کا منظر دیکھنے سے ڈرتی رہی۔ اسے بہت ہمت درکار تھی۔

☆☆☆

وہ تیزی سے بھاگ کر اس پر پورا جھپٹ پڑا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر واپس گھر کے اندر گھسیٹ لیا۔ وہ بھاگ نہیں سکی۔ تکلیف کی کوکھ چیرتی خود کو محفوظ نہیں کر سکی۔ وہ بچ نہیں سکی۔ دروازے کے ساتھ اس کی پشت جوڑے وہ اس کے منہ میں اپنا پورا پنجہ ڈال کر اس کا جبڑا توڑ چکا تھا۔ غضب نے اسے دیوانہ کر دیا کہ وہ اسے کے ساتھ کھیلنے لگی۔ دوسرے ہاتھ سے اس کے حلق پر ہاتھ کا دباؤ ڈال دیا۔

سلطان لمبے درختوں کی بکھری شاخوں، ٹوٹے تنوں سے ٹکراتا ہوا جھیل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پیچھے سارہ کے جوتوں کی چاپ تھی۔ جھیل کے آس پاس پولیس کھڑی تھی۔ پیلی پٹیوں کا جال تنا تھا۔ جھیل کے کنارے کرین کھڑی تھی۔ اندیشوں کا ضعف اپنی انتہا کو پہنچا، سارہ بڑی دقت سے، درختوں کا سہارا لیتی، ہاتھ ٹکاتی، سانس بحال کرتی، آگے بڑھ رہی تھی۔

اس کی ساڑھی کا پلو کھینچ کر، اس کے گلے میں پھندے کی طرح ڈال کر اس نے حیوانی قوت سے شکنجہ کس دیا۔

دیس کا اجالا...... پردیس میں غروب ہوا......

☆☆☆

درخت کا سہارا لے کر کھڑی سارہ اسی درخت کے سہارے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس نے ہر درخت کو اپنے اوپر گرتے پایا۔

"اجالا......" اس نے سسکی بھری۔

☆☆☆

عورت جو محض عورت تھی اس کی حیثیت ہی کیا تھی؟

عورت جو محض اس کی بیوی تھی، اس کی اتنی جرات کیوں ہوئی؟

یہ وہ سودا تھا جس میں اسے ہر طرح سے گھاٹا نصیب ہوا تھا۔ پرانی گاڑیاں بیچ دو، خالی بوتلیں پھینک دو، آدھ پھونکی سگریٹ جوتوں تلے مسل دو، دو پیسے کی عورت کچل دو۔

کرین کا ہک جھیل کے پیندے میں پڑی، پتھروں سے بندھی اجالا کو باہر نکال لایا تھا۔ یہ ہک پانی کی سطح سے بلند ہو رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ کو تیزی سے پھلانگتے سلطان کے قدم وہیں تھم گئے۔ اس کے پاؤں کے نیچے کچھ آیا تھا، اس کا وجود لڑکھڑایا تھا۔ بے رحمی نے سینے میں ہاتھ ڈال کر دل چیر ڈالا تھا۔ پیچھے سڑک پر ٹیکسی کی گاڑی رکی تھی، بلبل اندھادھند بھاگتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔ وہ سارہ کو پکار رہی تھی، اور پھر گرتی ہوئی سارہ کو دیکھ کر وہ اجالا اجالا چلاتی ہوئی جھیل کی طرف لپکی۔

لیکن سلطان وہیں کھڑا رہا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے کوئی سہارا ڈھونڈنا چاہا۔ چند قدم اور لڑکھڑایا۔ ایک درخت تک پہنچ کر جلدی سے اس کی اوٹ میں ہو گیا اور پھر اس کے پیچھے پورا چھپ گیا۔ کرین کے ہک نے اس کی اجالا کو جھیل کے کنارے پر رکھ دیا تھا۔ لہک لہک ڈھولک بجاتی، گیت گاتی اجالا کو وہ اس حال میں دیکھ نہ سکا۔ دلخراش ہچکی حلق میں اٹک گئی۔ اس نے اپنی پیشانی درخت کے ساتھ جوڑ دی۔ آنسو تواتر سے بہنے لگے۔

"تم سے کہا تھا لوٹ آنا...... دیر نہ کرنا......"

☆☆☆

سارہ کے کیمپنگ ٹینٹ میں لپٹی، پتھروں سے باندھی اجالا جھیل کے کنارے رکھی ہے۔ شام کا آسمان کھلا اور صاف تھا۔ چاند کی بجھی بجھی افسردہ کرنوں کے سائے میں جھیل خاموش اور ساکت تھی۔ جیسے حیران آنکھ میں آیا آنسو گوشہ چشم میں ٹھہر

گیا ہو۔ جھیل کے کنارے شور اور ہنگامہ تھا۔ دور شہر میں سائرن پیٹتی گاڑیاں ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھیں، اور پھر بھی اجالا خاموش پڑی تھی۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہو گا شب سست موج کا ساحل

گاؤں میں اس کے انتظار کی شام ٹھہری تھی۔ ہر دعا میں اس کی آمد کی التجا تھی۔ پھر بھی اجالا خاموش تھی۔

ابھی چراغ سر رہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

☆☆☆

چولہے پھٹتے ہیں...... دوپٹے جلتے ہیں...... ہاتھ پھندہ بن جاتے ہیں......

بیٹیوں سے ڈر نہیں لگتا ان کے ایسے نصیب سے لگتا ہے۔

دل کے ٹکڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا ان حقیقتوں سے ڈر لگتا ہے۔

بیٹیوں سے ڈر نہیں لگتا......

ناقدروں سے لگتا ہے......

☆☆☆

فون بوتھ میں کھڑا سلطان اپنی دنیا لٹا چکا تھا، اس دکھ میں وہ پردیس میں اکیلا تھا۔ اس کی نم پلکوں پر لرزہ تھا۔

"ماموں میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا...... مم...... میں اجالا کو ساتھ لے کر آؤں گا۔"

"مل گئی اجالا...... کہاں ہے میری اجالا......"

تایا جی کی آواز کا جوش گھر کے احاطے میں جمع گاؤں والوں تک پہنچا۔ ہر فکر مند دل لپک کر فون کے قریب آیا۔

"جی ماموں مل گئی...... مل گئی ہماری اجالا...... میں اسے اپنے ساتھ لا رہا ہوں......"

"اجالا پتر واپس آ رہی ہے......"

خوشی سے معمور تایا جی کی آواز نے پورے احاطے میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ آوازوں کا شور بلند ہوا۔

"آ جا پتر...... جلدی کر...... ہم اجالا کی اڈیک میں ہیں......"

"میں اسے گاؤں ضرور لاؤں گا ماموں! وہ کملی اب انکار نہیں کرے گی۔"

کہتے سلطان پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ فون تایا جی کے ہاتھوں میں لرز گیا۔ چند لمحوں کا خوش کن شور، دل دہلا دینے والی دہائیوں میں بدل گیا۔ سارا گاؤں اس غم کے کرب سے دہل گیا جو ایک پردیسن کی ایسی دیس واپسی پر انہیں ملا۔

digest library.com

☆☆☆

قتل مقتول کا نصیب نہیں، قاتل کی جبلت ہے۔

وقتی بدلاؤ جبلت کی تبدیلی کا باعث نہیں بنتا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ ہونا ہی تھا، ایسا تھا کہ اسے یہ کرنا ہی تھا۔ دنیا میں قتل کے لمحے سے بڑھ کر مکمل اور کامل کوئی لمحہ نہیں۔ ہر چیز مکمل سانچے میں ڈھل جاتی ہے تب ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کی موت آتی ہے۔ اس کی خوب صورت بیوی دروازے کے پاس زندگی سے عاری گری پڑی تھی۔ وہ کچن تک گیا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے لگے ہر چیز طے کرنے میں۔ وہ یارڈ کی طرف بنے دروازے سے نکل کر کیبن میں چلا گیا۔ کبھی سارہ کو کیمپنگ کا شوق رہا تھا۔ اس کا موٹے کپڑے کا کیمپ کیبن میں پڑا تھا، اسے نکالا۔ اسے زیادہ وقت نہیں لگا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اسے ڈال کر کیاری سے تین وزنی پتھر اٹھا لیے۔

ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ گھر واپس آ چکا تھا۔

صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ پی رہا تھا۔ پہلی دوسری اور تیسری...... پھر وہ اٹھا اور کمرے میں جا کر وارڈ روب سے اس کا سامان نکال کر بیگ میں بھرنے لگا۔ اسے جلدی نہیں تھی، وہ یہ سامان صبح ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ وہ نیچے صوفے پر ہی سو گیا۔ بقایا رات اس کی آنکھ بار بار کھلتی رہی۔ اسے محسوس ہوتا رہا کہ کوئی اس کے آس پاس چل رہا ہے۔ اسے کچن میں کسی کے کام کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر مائیکرو کی گھوں گھوں سنائی دیتی رہی۔

صبح ہو گئی۔ دنیا ویسی کی ویسی ہی رہی۔ بیرونی دنیا کا ہر منظر اپنی جگہ پر قائم و دائم تھا۔ دروازہ کھول کر وہ باہر نکل گیا۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا، وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا اعتماد لوٹ آیا۔ ایک کیا کئی انسانوں کے مرنے سے بھی دنیا میں فرق نہیں پڑتا۔ کافی پی کر وہ اس کا سامان شہر سے دور، درختوں کے جھنڈ میں زمین کھود کر دبا آیا۔ پاسپورٹ اس نے کچن میں جلا دیا تھا۔

مرنے والا اپنوں کے ہاتھوں کیسے قتل ہو جاتا ہے۔

وہ اپنوں پر اعتبار کر لیتا ہے۔

مقتول پر سوال اٹھتے ہیں۔ اس نے ایسا کیوں نہیں کر لیا، ویسے کیوں نہیں بچ گیا، لیکن سوال صرف ایک اٹھنا چاہیے اور مارنے والے پر اٹھنا چاہیے۔

''تم نے یہ ظلم کیوں کیا؟''

پولیس کو ایک اطلاع ملی تھی کہ جس رات وہ لڑکی لاپتا ہوئی ہے، اس رات اطلاع دینے والے نے ایک گاڑی کو جھیل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر اسے جھیل میں کچھ گرنے کی آواز آئی تھی۔ جب تک وہ نکل کر جھیل تک پہنچا، تب تک وہاں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ اسے دوبارہ گاڑی بھی دکھائی نہیں دی، شاید وہ مخالف راستے سے واپس گئی تھی۔ اطلاع دینے والے کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اور وہ سڑک کے کنارے اندھیرے میں کھڑا اپنی سی کوشش کر کے اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سارہ پولیس میں ٹینٹ اور کیاری کے وزنی پتھروں کا بتانے کے لیے گئی تو اسے پولیس کے جھیل پر سرچ آپریشن کے بارے میں معلوم ہوا۔

آنٹی اگلے دن شام کو واپس آئی تھیں۔ گھر کے سناٹے نے ان کا دل ہولا دیا تھا۔ گھر میں کوئی نہیں ہوتا تھا تب بھی ایسا سناٹا نہیں ہوتا تھا۔ اس گھر کو کیا ہوا۔ شہریار گھر سے باہر تھا۔ ایک گھنٹے بعد واپس آیا۔

''اجالا کہاں ہے؟''

وہ سارہ کے بارے میں جانتی تھیں، لیکن اجالا کو گھر ہونا چاہیے تھا۔

''وہ پاکستان جا چکی ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے، ایسے کیسے وہ منہ اٹھا کر چلی گئی۔ کیا ہوا، تم نے کچھ کہا تھا۔''

''بکواس کر رہی تھی، مجھ سے طلاق مانگ رہی تھی، بدچلن بدکردار عورت۔''

آنٹی دنگ اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ پھر بڑھ کر انہوں نے اس کے گال پر زوردار طمانچہ مارا۔

''اجالا کہاں ہے شہریار......''

وہ حلق کے بل چلائیں۔ شہریار کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اس نے پوری قوت سے اس نیم پاگل عورت کو دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گریں۔ تکلیف کی شدت سے کراہ اٹھیں۔

''میں نے کہا وہ پاکستان جا چکی ہے۔'' وہ غرایا، انگلی دکھائی، اور چلا گیا۔

زمین پر گری عورت کو اٹھنے میں وقت لگا۔ کتنی ہی دیر تک وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھی رہیں۔ پھر وہ سارہ کے کمرے میں گئیں۔ اس کی وارڈ روب کھولی، کمرا دیکھا، کچن میں آئیں۔ کچن ٹیبل سے اجالا کی ریسٹ واچ اور انگوٹھیاں اٹھا کر اپنی الماری میں رکھ لیں۔ سرخ ٹشو پھینک دیا۔ پھر شہریار کے کمرے میں جا کر ایک ایک چیز دیکھی۔ بکھری ہوئی چیزوں کو سلیقے سے رکھا۔ نیچے آ کر پورے گھر کا کونا کونا دیکھا۔ فارغ ہو کر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں اور سر پر

ہاتھ گرا کر سسکنے لگیں۔ وہ صرف ایک ہی بار اجالا کے لیے رو سکتی تھیں، اس کے بعد انہیں صرف مضبوط بننا تھا۔

☆☆☆

سارہ...... اس نے اپنا پورا دل مردہ پایا...... زندگی سے اس کی چاہت پر کاری ضرب پڑی۔ ہر خواب بے معنی لگا۔ ہر چیز سے نفرت محسوس ہوئی۔

سامنے میز پر اخبار رکھا تھا۔ مشعل کے باپ کی سزا کی خبر ہیڈ لائن میں شائع ہوئی تھی۔ جج نے بختیار کو دہرے قتل کی سزا سنائی تھی۔ مشعل اور کل دونوں کے قتل کی۔ دونوں کو پندرہ سال کے پرول پر موت کی سزا ہوئی تھی۔ پندرہ سال تک وہ قید تنہائی کاٹیں گے اور پھر موت کی سزا بھگتیں گے۔ جج نے غیرت کے نام پر قتل پر تاریخی بیان دیا تھا جسے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ اس کی نظر لفظ، لائف سین تیتس پر ٹھہری تھی۔ انصاف مل جاتا ہے، زندگی دوبارہ نہیں ملتی۔ اس کے سامنے شہریار کی ماں بیٹھی تھی۔ وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ وہ سارہ کی منت کر رہی تھی کہ وہ اس کیس میں کوئی گواہی، کوئی بیان نہ دے۔

"وہ ذہنی مریض ہے، علاج کروا رہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھا، وکیل سب ثابت کر دے گا، اس کی سزا میں تخفیف ہو جائے گی۔ اس کا ابیوزڈ یو ماضی اسے کم سے کم سزا دلوائے گا۔ وکیل کا کہنا ہے وہ جج کی ہمدردی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ سارہ! تم نے بھی اپنی ماں پر رحم نہیں کھایا...... تم نے کبھی اس ماں، اس تھکی ہوئی عورت کے بارے میں نہیں سوچا۔ مجھے مرنے کے لیے ایسی زندگی نہ دو...... سارہ......"

انہوں نے چپ بیٹھی سارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اسے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"مجھ پر زندگی کی قیامت خیزیاں ختم ہونے میں نہیں آئیں...... تمہاری ماں تڑپ تڑپ کر جیئے گی...... میری بیٹی ہو تم...... تمہارا بھائی ہے وہ......"

اس نے روتی بلکتی عورت کو نظر اٹھا کر دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، دونوں کے گال بھیگے تھے۔

"اپنی ماں پر یہ احسان کر دو...... صرف ایک یہ احسان...... وکیل سب سنبھال لے گا تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اُجالا تمہاری بہت کچھ لگتی ہو لیکن میں تمہاری ماں ہوں، تمہیں پال پوس کر بڑا کیا۔"

اس کے دونو ں ہاتھوں کو وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں لے کر بار بار چوم رہی تھیں۔ سارہ کا چور چور دل، بلک بلک گیا۔ اس نے بڑھ کر اپنی ماں کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ شہریار کی ماں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اجالا کی سارہ بھی......

☆☆☆

سارہ عدالت کے باکس میں کرسی پر بیٹھی تھی۔ آنٹی اپنا بیان دے چکی تھیں، وہی کہ اس کا افیئر تھا، شہریار کو پسند نہیں تھا، شہریار ذہنی طور پر بیمار ہے، اسے کئی بار کہہ چکا تھا واپس لوٹ جاؤ، لیکن وہ امریکا کے لالچ میں جانی نہیں تھی۔ ڈاکٹر کہا رہی تھی، ضدی تھی، شہریار کو یوز کر رہی تھی۔ اکیلی تھی، دکھی تھی، کیا کچھ نہیں تھی۔

گہرا سانس بھر کر سارہ نے لوگوں میں بیٹھی اپنی ماں کی طرف دیکھا تھا اور پھر جج کی طرف......

"شہریار نے اجالا کو اپنے ایک کلائنٹ کے پاس بھیجا، وہ چاہتا تھا وہ اس کے ساتھ اس کام میں شامل ہو، اس کے انکار پر بھڑک اٹھا وہ ہمیشہ اس کی مرضی کے خلاف اس سے کام لیتا تھا۔ پہلے دن سے اسے جسمانی تشدد اور ذہنی تکلیف سے دوچار کر رہا تھا، اس نے سر کے بال صاف کر چکا ہے، اس نے ......" اس کی جانب گھوم گئی ......

سارہ بولتی رہی ...... بولتی رہی ......

اور اپنی ماں آنکھیں صاف کرتی رہی

☆☆☆

اجالا نے کہا تھا بلبل میرے ساتھ گاؤں چلنا۔

وہ اس کے ساتھ گاؤں آگئی تھی......

میری ماں سے ملنا......

وہ اس کی ماں کے گلے لگ کر رو رہی تھی......

عابدہ کو دیکھنا......

وہ روتی بلکتی عابدہ کو دیکھ رہی تھی......

دیکھنا کہ ہمارے گھر کا احاطہ کتنا بڑا ہے......

وہ دیکھ رہی تھی...... اس بڑے احاطے میں پورا گاؤں امڈ آیا تھا......

دیکھنا برآمدے کی دیوار سے قطار در قطار کتنی چارپائی کھڑی ہوں گی، رنگین پایوں کی چارپائیوں کی بارات سجی ہوگی۔

رنگین پائے کی چارپائی پر اس کا تابوت رکھا تھا۔

شام ڈھلے چھت پر چلیں گے...... دور بہت دور...... بڑی سڑک چھت سے دکھائی دیتی ہے، گاؤں آنے والے مہمان اڈے سے ہی دکھائی دے جاتے ہیں۔

دور بہت دور سے اس کا تابوت سفر کرتا ہوا آیا تھا، سارے گاؤں نے نکل کر اسے دیکھا تھا۔ گاؤں کی مٹی، گاؤں کی شام، ہنستے کھیلتے چاند اجالا کو کفن میں لپٹا دیکھا تھا۔

گاؤں میں میری شادی کی دھوم تھی......

گاؤں میں اس کے جنازے کی دہائی [illegible]

رہی......

ہر آنکھ روئی...... ہر جان تڑپی......

دو پردیسی واپس لوٹ آئے تھے، شفیق بھائی اور اجالا، لیکن ایک کی واپسی کے لیے بانہیں نہیں پھیلائی گئیں۔ جنازے کو کندھا دینے کے لیے بانہیں اٹھانی پڑی۔ ہر پردیسی کے پیروں کو پردیس کی مٹی نصیب نہیں ہوتی، کچھ کو صرف قبر کی مٹی ہی نصیب ہوتی ہے۔

☆☆☆

سلطان کے ہاتھ میں اجالا کی چھوٹی سی فون ڈائری تھی۔ آتے ہوئے سارہ نے دی تھی۔ کچھ صفحات پر الجھے سلجھے جملے لکھے تھے۔ اس کی قبر کے پاس بیٹھا وہ کملی اجالا کی باتیں پڑھ رہا تھا۔

"میں سونا چاہتی ہوں...... یہ کیسی تمنا ہے؟ مشعل نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ کیا تمہیں یہ منظور ہوگا کہ تم زخموں سے نڈھال اور اپنی ذات میں پوری طرح سے پامال ہو جاؤ اور پھر بھی ایسے سفر کو جاری رکھنے پر بضد رہو جس نے تمہیں یہ پامالی اور زخم دیے ہوں۔ میں کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ لیکن رات کے اس پہر نیند سے جاگی میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کیا منزل کی قیمت پامالی ہے؟ ایسی منزل کیا منزل کہلائے گی؟ مجھ میں سچائی کے اظہار کا حوصلہ ہے لیکن اسے قبول کرنے کا نہیں۔ میری ذات کی اس خرابی کو کیا نام دینا چاہیے۔ گناہ یا نقص؟ مجھے یہ ادھورا پن کس نے دیا؟ صرف میرا قصور ہے یا کئی اور لوگ بھی شریک ہیں۔

مشعل کہتی تھی کہ اسے زندگی سے بہت محبت ہے۔ وہ کہتی تھی وہ زندگی کی قیمت جانتی ہے۔ اس نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ بتاؤ کون سا دن قیمتی دن ہوتا ہے؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی تو انگلی لہرا کر اس نے کہا۔ "وہ دن جس دن انسان اپنی جان کی قیمت جان جاتا ہے۔" وہ ہنسنے لگی تھی جیسے وہ کوئی راز جان چکی تھی۔ جب وہ مر گئی تو میں نے سوچا کہ جو یہ قیمت جان جاتا ہے، وہ اسی جان سے گزر کر قیمت چکاتا ہے۔ یہ جان سے جانے والے کی پسپائی ہے یا اسے اس دہانے پر پہنچانے والوں کی فطرت؟ میں سوچتی ہوں جینے کے لیے کچھ آسان راستے اور نئی سمتیں بھی تو ہوں گی۔ ہماری ان تک رسائی کیوں نہیں؟ زندگی کے اجالوں پر پوری دسترس حاصل کیوں نہیں؟"
(اجالا)

☆☆☆

نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

☆☆.

digest library.com

آنمول دعا عقیل

گھمنڈ

digest library.com

پہاڑ کی اونچائی سیدھ سے مل رہی تھی، جس پر پاؤں رکھتے ہوئے حسنی کے پاؤں لڑکھڑانے لگے تھے۔ اس کے سر پر تین وزنی لحافوں کا بوجھ تھا جو حجم میں کچھ زیادہ پھیلے ہوئے تھے۔ ڈھلوان پر چلتے ہوئے سر کے ساتھ ساتھ حسنی کا جسم بھی ڈولنے لگا تھا۔ اسے لگتا کہ سر پر رکھے لحافوں سمیت وہ بھی بس اب گرا کے...... مختصر راستے کو اپنانے کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔

اُسے اس راستے سے نہیں آنا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے صرف اتنا سوچا تھا کہ اس طرح وہ لحاف بیگم کو جلدی پہنچا کر واپس جلدی گھر پہنچ جائے گا اور پھر شام کی خنکی بڑھنے سے پہلے پہلے نہا لے گا۔ موسم دن بدن بدل رہا تھا۔ شام سے پہلے ہی ہوا میں خنکی بڑھ جایا کرتی تھی۔

پہاڑ کی چڑھائی چڑھتے ہوئے حسنی نے ایک زوردار چھینک ماری، جس سے اس کے سارے جسم نے اور لحافوں نے ایک ہچکولا سا کھایا۔ اس کے جسم پر جا بجا روئی کے ریشے لگے ہوئے تھے۔ وہی ریشے جب اس کی ناک سے ٹکراتے تھے تو اسے چھینک آجاتی تھی۔ سارا دن روئی کی فیکٹری میں کام کرنے کے بعد وہ گھر آتے ہی سب سے پہلے نہایا کرتا تھا۔ پھر کھانا کھاتا تھا۔ حسنی کے والد کو کتنی ہی بھوک کیوں نہ لگ رہی ہوتی...... انہیں حسنی کے نہانے تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اتنی دیر تک وہ توے پر روٹی ڈال دیتے تھے اور سالن کو ایک بار پھر سے گرم کر لیتے تھے۔

حسنی کی پیدائش کے وقت اس کی ماں کے گزر جانے کے بعد سے وہ یہ سب کام خود ہی کر رہے تھے۔

پھر رفتہ رفتہ بیماری اور مجبوری کے تحت انہوں نے گھر سنبھال لیا اور حسنی نے پڑھائی کو خیرآباد کہہ کر فیکٹری...... جہاں لحاف اور گدے بنتے تھے۔ دونوں باپ بیٹا کو اس رد و بدل سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ دونوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ہنسی خوشی قبول کر لیا تھا۔

لیکن آج ایک عرصے کے بعد حسنی کو اُلجھن اور تھکن کا احساس ہوا تھا۔ پتا نہیں کیوں اس نے چند پیسے بچانے کی خاطر یہ کام ملازم سے کروانے کے بجائے خود کرنے کو ترجیح دی۔ اسے ایسی بچت نہیں کرنا چاہیے تھی جس نے اسے اس کے آبائی کام سے متنفر کیا تھا۔

خیر اب راستہ تھوڑا سا ہی رہ گیا تھا۔ اسے آڑو کا بڑا سا درخت نظر آ گیا تھا۔ جیسا کہ اس کے بارے میں بیگم کی ملازمہ نے کہا تھا کہ پہاڑ کے آخری موڑ پر پہنچتے ہی وہ اسے نظر آجائے گا۔ حسنی گھر کے قریب ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہاں آڑو کا ایک درخت نہیں تھا بلکہ وہ تو پورا گھر ہی آڑو کے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

دستک دینے پر دروازہ اسی ملازمہ نے کھولا تھا، جو لحافوں کے کام کے حوالے سے ہدایات دے کر گئی تھی۔ حسنی کے تھکن زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے، اس نے اگلے ہی پل حسنی سے تینوں لحاف لے کر ایک طرف رکھ دیے تھے۔

''اندر آجاؤ......'' ملازمہ نے شائستگی سے کہا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہوئے حسنی کو سامنے بچھے

Best Novels .com

قالین کو دیکھتے ہوئے اپنے گندے جوتوں کا خیال آیا اور اس کے قدم رک گئے۔ اندر جاتی ملازمہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"کوئی بات نہیں ...... اپنے جوتوں کی پروا مت کرو...... یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

حسنی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہاں بیگم داخل ہوئی تھی۔

"یہ گن لو......" بیگم نے لحافوں کے روپے حسنی کی طرف بڑھائے تھے۔ بیگم کے چہرے کی نفاست اور لہجے کی حلاوت سے چونک کر حسنی نے روپے پکڑ لیے تھے۔ حسنی کی ماں اس کی پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گئی تھی، لیکن جب بھی وہ سوچتا کہ اس کی ماں کیسی ہوگی تو اس کے ذہن نے جو نقشہ کھینچا تھا وہ ہو بہو اس بیگم جیسا تھا۔

حسنی نے بنا گنے ہی پیسوں کو جیب میں ڈال لیا۔ ملازمہ ایک گلاس میں کچھ پیلے رنگ کا مشروب لے آئی۔ جسے پینے پر حسنی کو احساس ہوا کہ وہ آڑو کا شربت ہے۔ حسنی نے آڑو کا اتنا ذائقہ دار شربت آج تک نہیں پیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ مشروب کی تعریف کر پاتا اسے ایک چھینک آئی تھی۔ چھینک کو روکنے کے لیے اس نے اپنا ہاتھ آگے رکھا تو روئی کے ریشے مزید ناک میں گھس گئے اور یکے بعد دیگرے تین چھینکیں مزید آئیں۔

"تمہیں زکام ہے؟" بیگم نے اپنائیت سے پوچھا تھا۔

"نہیں ...... یہ روئی کے ریشوں کی وجہ سے......"

"اوہ...... سمجھ گئی۔"

"میں گھر جا کر نہا لوں گا تو یہ جسم سے اتر جائیں

گے۔" اس نے بات بڑھانے کے لیے کہا تھا۔

"اتنی سردی میں نہانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بھی شام کو...... دیکھو ذرا موسم ایک دم سے سرد ہو گیا جبکہ ابھی ستمبر کی شروعات ہے۔ ایسے موسم میں نہا کر تم بیمار پڑ سکتے ہو۔"

"مجھے عادت ہے۔ پھر ریشوں سے الجھن ہوتی ہے۔"

"ایک منٹ ٹھہرو! میں تمہیں اس کا حل بتاتی ہوں۔"

بیگم نے ملازمہ کو آواز دی تھی۔ ملازمہ اگلے ہی پل وہاں آ رہی تھی۔

"ایسے ذرا...... آڑو کے درختوں پر کچھ گوند ہو تو تھوڑا سا لے آئیں۔"

ملازمہ نے قدرے حیرانی اور اچنبھے سے بیگم کو دیکھا تھا۔ اس کے دیکھنے میں ایسا تاثر تھا جیسے اسے بیگم کی یہ بات بری لگی ہے۔

"جائیے ذرا! دیکھیے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ملازمہ آڑو کی بہت سی گوند لے آئی تھی۔ بیگم اسے پکڑ کر ہاتھوں سے مسلنے لگی اور ایک گولا سا بنانے لگی۔

"ادھر آؤ...... میرے پاس بیٹھو...... اور اپنی قمیص اتار دو۔"

بیگم کے لہجے میں اس قدر رعب تھا کہ انکار کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ حسنی نے ویسا ہی کیا جیسا بیگم نے اسے کرنے کو کہا تھا۔ ایک چھوٹے بچے کی طرح حسنی نے کچھ شرماتے ہوئے اپنی قمیص اور نیچے پہنا ہوا سوئیٹر اتار دیا تھا۔ آڑو کی گوند کا گولا بیگم نے حسنی کے جسم پر پھیرنا شروع کیا تھا۔

"سارے ریشے گوند سے چپک جائیں گے اور تمہیں اتنی سردی میں نہانا نہیں پڑے گا۔ فکر مت کرو...... گوند جسم سے نہیں چپکے گی۔"

☆☆☆

"سارے ریشے گوند سے چپک جائیں گے اور تمہیں اتنی سردی میں نہانا نہیں پڑے گا۔ فکر مت کرو...... گوند جسم سے نہیں چپکے گی۔"

"اچھا جی! ایسی بات ہے۔"

حبیب اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اور اپنے اوپر جھکی درخشاں کے بالوں کی لٹ سے کھیلنے لگا تھا۔ درخشاں کچھ شرما سی گئی تھی۔ آڑو کی گوند کی گول گیند حبیب اللہ کے کندھے سے گھماتے اس کے سینے پر آتے درخشاں کے ہاتھ کچھ کپکپانے لگے تھے۔ حبیب اللہ کی سنہری مونچھیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ ویسا ہی سنہری رواں اس کے پورے سینے پر پھیلا ہوا تھا۔

"کہاں سے سیکھا ہے یہ؟"

"جن سے محبت ہو ان کی آسانی کے لیے انسان نئی نئی چیزیں سیکھتا رہتا ہے۔"

"محبت......" حبیب اللہ نے اس کے لفظ کو دہرایا تھا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟"

"میں اس خواب کو بھی سنبھال کر رکھ لیتی ہوں جس میں تم نظر آ جاتے ہو۔"

"اب اس آڑو کی گوند کو نہ سنبھال لینا۔"

"پینگوں کی بھی نہیں......" درخشاں نے کہا تھا۔

حبیب اللہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں جگنو جگمگا رہے تھے۔ صنوبر کے درخت کے سوئی طرز پتے ان دونوں پر گرے تھے۔ چند لمحوں بعد گھاس پر لیٹی درخشاں نے صنوبر کی شاخوں کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا کہ ان کا رشتہ بھی اسی صنوبر کی طرح کا ہے۔ مضبوط اور تناور...... کبھی نہ ٹوٹنے والا...... کبھی نہ کٹنے والا......

لیکن کتنی غلط تھی وہ...... کتنی زیادہ...... بھول گئی تھی کہ اونچے درخت آندھیوں میں زیادہ کمزور ثابت ہوتے ہیں اور تنے صرف آری سے ہی تو نہیں کٹتے۔ سیرابی میں غفلت کی جائے تو تنے خود بخود ہی کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔ محبت کے نام کا امرت پینے والے حبیب اللہ نے نجانے کیوں طمع کا پیالہ چن لیا۔ جس کارخانے میں وہ کام کرتا تھا اسی کے مالک کی

Digest Novels .com

بنی سے شادی کر کے وہ کارخانے کا مالک بن گیا۔اور درخشاں کے پاس آڑو کی وہ گوند بچی جو آخری بار حبیب اللہ کے جسم سے مس ہو چکی تھی۔یہ واحد خزانہ اور حبیب اللہ کے نام کی بدنامی لے کر وہ ساری زندگی اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہی۔

☆☆☆

''گوند کو درخت کا زخم بھی کہا جاتا ہے لیکن دیکھو قدرت کے کام...... زخم کسی اور کے حصے میں آتے ہیں اور راحت کسی اور کے حصے میں......''

ایک آنسو حسنی کی پشت پر گرا تھا اور اس کی پشت جلنے لگی تھی۔

''اس گوند کو گھر لے جاؤ...... ایک ہفتے تک استعمال ہو سکتی ہے۔قمیض اور سویٹر جھٹک کر پہن لینا۔''

بیگم نجانے کیوں آنسو صاف کرتی ہوئی اندر کو بھاگ گئی تھی۔

حسنی ایک فرحت بخش احساس سے اُچھل کر چونکا تھا۔اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی سگی ماں اس کے جسم سے روئی کے ریشے صاف کر رہی ہو۔ اپنائیت سے، محبت سے۔ یہ لمحے مختصر ہونے کے باوجود بھی بہت طویل تھے۔بیگم کے کہے کے مطابق قمیض اور سویٹر جھٹک کر پہن کر وہ گھر سے باہر نکلا تھا۔

حسنی واپس اپنے گھر پہنچا تو شام ڈھل رہی تھی۔اس کا باپ کمرے میں کھانس رہا تھا۔حسنی کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر اس نے اپنی کھانسی ضبط کر لی۔حسنی اس کی جان لیوا کھانسی سے بہت پریشان ہو جایا کرتا تھا۔

''نہانے کے لیے پانی گرم کر دوں؟''

''نہیں! اس کی ضرورت نہیں ...... بیگم نے مسئلہ حل کر دیا۔انہوں نے آڑو کی گوند سے سارے ریشے صاف کر دیے۔''

حسنی نے کہہ کر آڑو کی گوند باپ کی طرف بڑھائی تھی۔باپ نے گوند کو پکڑا جیسے ڈوبتا ہوا پکڑ لیا۔کھانا گرم کرتے ہوئے حسنی گنگنانے لگا تھا۔زندگی میں پہلی بار اس نے ایک ماں کے ہاتھوں کا لمس محسوس کیا تھا۔آڑو کی گوند ہاتھ میں پکڑے حبیب اللہ اتنی بری طرح سے کھانسنے لگا تھا جیسے آج اس کھانسی کے ذریعے مر جانا چاہتا ہو۔

دور پہاڑ کی اونچائی پر، آڑو کے درختوں سے گھرے بڑے سے گھر کی کھڑکی میں کھڑی درخشاں آنکھوں میں آنسو لیے ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی تھی۔

''مالی سے کہو کہ درختوں کا کچھ علاج سوچے۔آخر یہ زخم جاتے کیوں نہیں ہیں۔''

درخشاں کی آنکھیں چپچپی ہونے لگی تھیں۔جیسے ان میں گوند اُگ آئی ہو۔

☆☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناول

ملالِ زیست	آمنہ ریاض
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی
فصلِ غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل
دل اک گلشن	رضیہ جمیل
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل
دنا	ادارہ خاتون
چلمن	ادارہ خاتون

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون 32216361

Digest Novels Lovers Group

ہاجرہ ریحان

گماں برابر

’’میں جانتی ہوں کہ ولید نے چند ہی ماہ پہلے شہر کے پوش علاقے میں بہت ہی خوب صورت سا ون یونٹ بنگلہ خریدا ہے۔ لہٰذا پھوپھو، میری خواہش ہے کہ میں رخصت ہو کر سسرال یعنی آپ کے گھر جانے کے بجائے اپنے گھر جاؤں......

آپ پریشان نہ ہوں، ایسا نہیں کہ آپ سب کو وہاں آنے کی اجازت نہیں ہو گی مگر میل ملاپ کے اصول طے کر لینا زیادہ بہتر ہے۔ کہیں بعد میں آپ سب کو مجھ سے شکایت نہ ہو۔ جیسے یہی کہ ہر وقت اور بغیر بتائے آنے کی اجازت میں کسی کو بھی نہیں دے سکتی۔ مطلب کسی کو بھی نہیں...... میں کیونکہ نوکری کرتی ہوں اس لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ گھر آپ سب کو صاف ستھرا ملے۔

کوشش کروں گی کہ مہمانوں کے اکرام کا خیال کروں مگر یہ ضروری نہیں کہ جو اہتمام میں کروں وہ مہمانوں کی مرضی کا ہو۔

چھوٹے بچوں والے مہمان جیسے کہ ولید کی دونوں بہنوں کو اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ ان کے بچے میرے گھر میں کسی بھی قسم کی گندگی نہ پھیلائیں، جتنی دیر گھر میں رہیں تمیز و تہذیب سے بیٹھیں اور بلا ضرورت اور شوقیہ گھر کی سجاوٹ کی چیزوں کو چھیڑنے سے ان کو باز رکھنا، ان کی ماؤں کا اولین کام ہے اگر وہ اس ایک کام سے بھی چوک جاتی ہیں تو معذرت، مستقبل میں ان کو میرے گھر آنے کی اجازت شاید ہی مل سکے گی۔

ولید کو اس بات پر سمجھوتا کرنا ہو گا کہ مانا میں کماتی ہوں مگر ان کی کمائی پر حق میرا بھی ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ ولید ساری تنخواہ لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں مگر ان کو مجھے شادی سے پہلے ہی اپنی تنخواہ کا باقاعدہ حساب بنا کر دینا ہے جیسے وہ اپنی تنخواہ سے اپنے والدین پر کتنا خرچ کریں گے؟ اور کیا یہ خرچ لینے کے بعد ولید کے والدین، ولید کی بہنوں یا اپنی بیٹیوں کے آنے اور سسرال واپس جانے پر ہونے والے خرچے، چھوٹے بھائی کی تعلیم و سیر و سیاحت یا دوستوں یاروں کے ساتھ پروگرام، یا گھر کے دیگر اضافی اخراجات بھی ولید سے ہی لیں گے؟ اور اگر ایسا ہے ہی تو اس کی حد کیا ہو گی؟ مطلب کہاں اور کتنا خرچہ کر لینے کے بعد ولید سے اور روپے نہیں مانگے جائیں گے؟

اس کے علاوہ اگر بہنوں میں سے کسی کے سسرال میں سے کوئی فرمائش آتی ہے تو کیا ولید کو ہی پوری کرنی ہو گی؟ اور مختلف تہواروں میں کیا صرف ولید پر فرض ہو گا کہ وہ بہنوں ان کے شوہروں، بچوں اور چھوٹے بھائی کی جیب بھریں؟ اس کے علاوہ خدانخواستہ پھوپھا یا پھوپھی کی طبیعت ناساز ہونے کی صورت میں ولید کا کردار......‘‘

میں جس قدر اس کے نپے تلے بے باک انداز میں اپنے مطالبات بیان کرنے پر حیران ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ مجھے امی پر تعجب ہو رہا تھا۔ مجھے تو لگا تھا کہ اس کے پہلے ہی جملے کو سن کر امی طیش میں آ کر پورا گھر سر پر اٹھا لیں گی اور ہمیشہ کی طرح ممانی جان کی شامت آ جائے گی مگر وہ تو بڑے ہی حلیم انداز میں مسکرائے چلی جا رہی تھیں۔

حالانکہ اس سے پہلے، میں نے امی کو اپنی اس بھتیجی کی باتوں پر اس طرح مسکراتے نہیں دیکھا تھا

بلکہ امی کو تو ماموں جان کی یہ سب سے چھوٹی بیٹی ہمیشہ سے بڑی سرکش اور خودسر لگتی تھی، اس بات پر میری حیرت ابھی تک قائم تھی کہ امی نے میرے یعنی اپنے سب سے بڑے اور کماؤ پوت کے لیے اسی خودسر اور سرکش لڑکی کو کیسے پسند کرلیا؟

اگر ان کو ماموں جان کے ہاں ہی میرا رشتہ کرنا تھا تو پھر ماموں جان کی بڑی بیٹی بھی تھی جو اپنی چھوٹی بہن کے برعکس، بہت ہی سیدھی اور معصوم تھی، جس کی ابھی چند ہی ماہ پہلے شادی ہوئی اور جیسے امی اس کی شادی کے انتظار میں تھیں کہ ادھر وہ شادی کر کے رخصت ہوئی ادھر امی، ماموں جان کے ہاں ان کی چھوٹی بیٹی کے لیے میری بات ڈال بیٹھیں۔

پھر یہ بھی تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ امی کو ماموں جان اور ممانی جان سے بے تحاشہ گلے تھے۔ بقول امی کے ماموں جان، اس قدر نا اہل تھے کہ اگر نانا جان کی سرکاری نوکری پر سن کوٹا کے تحت ان کو یہ بڑی سرکاری نوکری نہ ملتی تو شاید وہ ساری عمر بے روزگار ہی رہتے۔ یہ تو نانا جان کی مہربانی تھی کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے چاروں بچوں میں سے سب سے بڑے بیٹے کو اپنی جگہ لگانے پر کامیاب ہو گئے۔

نانا جان نے تو بیٹے کی محبت میں یہ نیکی کی، مگر امی کو ماموں جان پر یہ ایک بہت بڑا احسان لگتا تھا۔ وہ ہر دو چار دن کے بعد ماموں جان یا ممانی جان کو اپنے والد کا ان پر احسان جتانا نہ بھولتی تھیں۔ اس احسان کے عوض ماموں جان کے تینوں چھوٹے بھائی بہنوں یعنی امی، خالہ اور چھوٹے ماموں نے ہمیشہ ماموں جان کی کمائی پر ان کی بیوی بچوں سے زیادہ اپنا حق سمجھا ہے۔ اور جھوٹ کیوں بولوں، امی نے کچھ اس طرح گھر میں ماموں جان اور ممانی جان کا خاص کہ ہم بچوں کے دلوں میں نقش کر دیا تھا کہ اکثر ہی ہم چاروں بھائی بہن میں سے کوئی نہ کوئی ماموں جان سے بڑی سی فرمائش کرتا رہتا۔

مجھے یاد ہے ماموں جان شروع میں ہم بچوں سے بڑی باتیں کیا کرتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ جیسے وہ ہم بچوں سے باقاعدہ چھپنے لگے تھے۔ مگر ہم کہاں باز آتے تھے۔

ہم چاروں میں تو باقاعدہ باریاں لگتی تھیں کہ اب کی بار چھوٹے بھائی نے نئی اسپورٹس سائیکل مانگی ہے تو اگلی بار منجھلی بہن کو سائنٹفک کیلکولیٹر لینا ہے، میں بھی خوب سوچ سوچ کر مانگیں رکھتا تھا۔ مجھے روبوٹ اور ماڈل گاڑیوں کا بڑا چسکا تھا جو اس زمانے میں بیرون ملک سے ہی پاکستان میں درآمد کیے جاتے تھے اور ظاہر ہے کافی مہنگے بھی ہوتے تھے میں اپنی باری پر ماموں جان کو بڑے آرام سے کہہ دیتا۔

اور یہ سلسلہ میرے تینوں چھوٹے بھائی بہنوں نے ابھی تک جاری رکھا ہوا ہے۔

ہاں میں نے سمجھ دار ہوتے ہی کئی سال ہوئے ماموں جان سے اس طرح فرمائش کرنی چھوڑ دی ہے۔ ماموں جان کے گھر تو تقریباً ہر ہفتے امی کا چکر لگتا ہی ہے۔ ایسے میں کوئی ایسا ہفتہ نہ گزرتا کہ جب امی نے ممانی جان کو ان کے کھانے کھلانے یا چائے ناشتہ کرانے پر کھری کھری نہ سنائی ہوں اور ساتھ میں امی یہ بھی کہتی جاتیں کہ بڑی بھابی، ماں برابر ہوتی ہے تو کیا ایسی ہوتی ہیں مائیں کہ بیٹی سسرال سے آئے تو ڈھنگ سے اس کی خاطر داری بھی نہ کریں؟

ہماری ممانی جان بھی خوب ہیں یعنی ایک دم اللہ میاں کی گائے، امی اور خالہ کے طعنے سنتیں اور احتجاج میں صرف آنسو بہاتی رہتیں کیونکہ ممانی جان پیدائشی گونگی تھیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اگر وہ زبان رکھتی بھی ہوتیں تو بھی بھلا امی یا خالہ کے آگے کیا بولتیں۔

بقول امی کے انہوں نے ممانی جان کو اپنے کماؤ بھائی کے لیے ڈھونڈا تھا اور ظاہر ہے امی کو سب سے پہلے ممانی جان کا گونگا پن ہی پسند آیا ہوگا۔

ممانی جان اپنے گھر میں چھ بھائی بہنوں کی سب سے چھوٹی بہن تھیں اور ان کے والد، ماموں جان کے ہی آفس میں چپڑاسی تھے لہٰذا غریب تھے۔ اب سوچتا ہوں تو ذرا کیا کافی حیران ہوتا ہوں کہ ماموں جان جیسے پڑھے لکھے اور لمبے اونچے قد والے سرکاری آفیسر نے اپنے ہی چپڑاسی کی واجبی سی شکل والی گونگی بیٹی سے شادی پر کوئی ہنگامہ کیوں نہ مچایا؟

مجھے اب پتا چلا ہے کہ ماموں جان کی ہی طرح ممانی جان کے والد بھی اوپر کی آمدنی نہیں لیتے تھے۔ ان دونوں کی جوڑی کچھ ہی دنوں میں ہر اونچے حکومتی ادارے میں مشہور ہو گئی تھی۔

ہر دفتر میں ماموں جان کی سخت گیری اور رشوت خوری نہ کرنے پر جہاں ان کے ماتحت کام کرنے والے پریشان رہتے تو دوسرے طرف، آفیسر کے سامنے فائل آگے پیچھے یا فائلوں کو غائب حاضر کرنے جیسے تمام کام سے ممانی جان کے والد کے انکار پر دفتر میں آنے والے سائل ناراض رہتے۔ یوں آئے دن جب ماموں جان کا ٹرانسفر ہوتا تو ساتھ ہی ان کے چپڑاسی کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا جاتا۔ مگر پھر بھی اس کا مطلب یہ تو نہیں۔

خیر ممانی جان ویسے کوئی اتنی بھی بری نہ تھیں سب سے بڑی بات وہ کافی بردبار اور سنجیدہ طبیعت تھیں۔ میں نے ان کو ہمیشہ گھر کے کام میں مصروف ہی پایا۔ اس کے علاوہ وہ ماموں جان کا خیال رکھتی تھیں اور اپنے تینوں بچوں کو تو انہوں نے جس طرح

تربیت دی اور جیسی تعلیم دلوائی اس سے پورا ہی خاندان ان کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے۔

جب سے میں خود کمانے لگا ہوں اندازہ ہونے لگا ہے کہ مرد کی کمائی جتنی زیادہ بھی ہو، برکت اس میں صرف گھر کی عورتوں کی نیک نیتی سے ہی ہوتی ہے۔

امی، خالہ اور چھوٹے ماموں اور پھر ان سب کے بچوں کے ہر وقت کے فرمائشی پروگرام کے بعد مجھے تو نہیں لگتا کہ ممانی جان کے پاس گھر یا ان کے بچوں کے لیے کچھ بچتا بھی ہوگا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہم سب کے برعکس ہر تہوار یا محفل میں ممانی جان اور ان کے تینوں بچے بڑے ہی معمولی سے کپڑے پہنتے تھے بلکہ مجھے تو یاد ہے، میں اکثر امی سے پوچھ بیٹھتا کہ ماموں جان نے اپنے بچوں کو ہماری طرح پرائیوٹ اسکول میں کیوں نہیں ڈالا ہے؟ جس پر امی آگ بگولہ ہو جاتیں اور ممانی جان کے پھوہڑ پنے پر خوب لمبا سا سیشن چل پڑتا۔

مگر اسی پھوہڑ عورت کے تینوں بچے سرکاری اسکول میں پڑھ کر بھی ہم پرائیوٹ اسکول والوں سے کافی سے زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ ماموں جان کا سب سے بڑا بیٹا اپنی کمپیوٹر فرم چلاتا ہے اور اس کا کاروبار کافی ترقی کر رہا ہے اور یہ کاروبار چھوٹے ماموں کے کاروبار جیسا نہیں جو آئے دن ٹھپ رہتا اور چھوٹے ماموں کئی کئی مہینے بڑے ماموں کے ہاں پڑے رہتے اور ایسے میں امی اور خالہ کو گھر کا بھیدی بھی مل جاتا جہاں ذرا سا بھی بڑے ماموں جان نے ممانی جان یا اپنے بچوں پر مہربانی کی وہیں یہ تینوں مل کر حملہ آور ہو جاتے۔

ماموں جان کی بڑی بیٹی جو ڈاکٹر تھی اس کی چند ماہ ہوئے شادی ہوئی۔ امی اور خالہ نے ماموں جان اور ممانی جان کو اس موقع پر کافی زچ کیا، کبھی ناراض ہو جاتیں اور تب تک نہ مانتیں جب تک ماموں جان سے کوئی بڑی فرمائش نہ پوری کروا لیتیں۔

کبھی ماموں کے سمدھیانے والوں سے ماموں جان اور ممانی جان کی شکایتیں کرتی رہتیں اور یہی کہتیں کہ جس گھر کی ماں ایسی ہو اس نے بھلا اپنی لڑکیوں کو کیا تربیت دی ہوگی۔ بہرحال شادی تو ہو ہی گئی اور اب اچانک امی کا یوں ماموں جان کی چھوٹی بیٹی کے لیے میرے رشتے کی بات کر لینے سے میں کیا سارے ہی حیران ہو گئے تھے۔

زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ بڑی بیٹی کے برعکس، ماموں جان کی یہ چھوٹی بیٹی تو اچھی خاصی باغی طبیعت کی تھی۔ بچپن میں بھی کافی لڑاکا تھی اکثر ہی چھوٹی ہونے کے باوجود میری بہنوں کی خوب دھنائی کرتی تھی۔ اکثر ہی میل ملاقات میں امی اور خالہ اور چھوٹے ماموں، جہاں ممانی جان کو سنا رہے ہوتے تو اس کی بھی برائی کر رہے ہوتے۔ اور جہاں تک میری نظر کا تعلق ہے تو میں تو یہی کہوں گا کہ کچھ لوگوں پر غصہ تو جیسے جچ سا جاتا ہے۔ جیسے ان کا ہار سنگھار ہو۔ جتنا زیادہ کریں اتنے ہی دلکش لگیں۔

یقین کریں جب وہ اپنی بڑی بڑی کالی کالی پلکوں کو اٹھا کر گھورتی تو مجھے تو مزہ ہی آ جاتا تھا۔ میرا اس کے غصے پر مسکرانا اسے اور طیش میں لاتا۔

مجھے اس کو غصے میں دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا۔ پہلے

میں سمجھتا تھا کہ شاید مجھے ہی غصے میں اچھی لگتی ہے مگر آج جس طرح امی کو اس کو آگے ایسے سرنگوں دیکھا تو میں بے حد حیران ہو گیا۔

شکر ہے کہ میری ایک شادی شدہ بہن بھی آج اس محفل میں شامل تھی اور میں جانتا ہوں کہ اس کو آج ماموں جان کے ہاں، میرے رشتے کی بات کرنا کس قدر برا لگا تھا مگر آخر کار امی کی ضد پر وہ آ ہی گئی تھی۔

ماموں جان خلاف توقع، اپنی بیٹی کے تڑاتڑ بولنے پر آج بالکل ایسے خاموش تھے، جیسے امی یا خالہ کے بولنے پر رہتے تھے۔ جبکہ ممانی جان نے اپنی بیٹی کو ہاتھ کے اشاروں میں کافی بار ٹوکا تھا۔ مگر اس بار زندگی میں پہلی دفعہ امی صرف مسکراتی رہی تھیں۔

ہمیشہ کی طرح، صرف چائے کا کہہ کر ہم سب رات کا کھانا بھی کھا کر ہی ماموں جان کے گھر سے نکلے۔ مجھے پہلے اپنی بہن کو اس کے سسرال میں چھوڑنا تھا اور اس پورے راستے میری بہن مسلسل امی سے امی کی پسند پر ناراض سی بات کرتی رہی۔

اس کا خیال تھا کہ امی کو شاید بھول گیا ہے کہ اس لڑکی کو ہم سب، بچپن سے ہی ناپسند کرتے رہے ہیں اور یہ لڑکی بالکل بھی درست دماغ کی نہیں۔ گھمنڈی ہے بدتمیز ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارے خاندان میں تفرقہ ڈال دے گی۔ امی سے ان کا بڑا کماؤ پوت اور بہن بھائی سے ان کا مہربان باپ برابر بڑا بھائی چھین لے گی۔ اس نے اپنی سسرال کی گئی ایک خوب صورت، اور امیر لڑکیوں کے بارے میں بھی معلومات فراہم کیں۔

اپنے گھر کے آگے، گاڑی رکنے پر بھی اس نے تقریباً دس منٹ تک امی کو اس رشتے کے بارے میں بھول جانے کی تلقین کی۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی یاد دلا دیا کہ اسے کل ہی کسی طرح بھی مائیکرو ویو اوون دلوا دیا جائے کہ اس کے جہیز کا خراب ہو گیا ہے اور اب اسے اپنے بچے کے لیے دودھ نیم گرم کرنے میں کافی پریشانی ہوتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کے لیے پر اعتماد کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کے ایک عورت بھی دوسری عورت کو گھمنڈی، زبان دراز، بدتمیز کہہ دے گی مگر کبھی بھول کر بھی پر اعتماد نہیں کہے گی۔

امی نے بہن کے اترنے اور پھر گاڑی کے دوبارہ چلنے پر جیسے اپنے آپ سے اونچی آواز میں کہا۔

”تم گھر جا کر سکون سے رات بھر میں ہی سارا حساب کتاب کر لینا۔ دیگر جو مطالبات تھے ان کو بھی ایک پرچے پر لکھ کر باقاعدہ اس پر اپنے دستخط کر کے رکھ لینا۔ ظاہر ہے میری مدد بھی چاہیے ہو گی تو بلا جھجک میرے کمرے میں آ جانا۔ میں بھی آج جاگتی رہوں گی۔ میں چاہ رہی ہوں، کل ہی جا کر رشتے کی بات پکی کر دوں، تم ساتھ چلنا اور تنہائی میں اسے پرچا تھما دینا، باقی میں سنبھال لوں گی۔“

امی کی یہ بات سن کر میرا ہاتھ اسٹیرنگ پر کانپ گیا۔

”امی! کیا آپ نے واقعی سنجیدگی سے ماموں جان کے ہاں ہی میری شادی کا فیصلہ کر لیا ہے؟“ میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

”تو اور کیا؟ تمہارے ابو بھی میرے اس فیصلے سے خوش ہیں اور جہاں تک مجھے تمہارا اندازہ ہے تم بھی کچھ خاص ناراض نہیں ہو۔ کیوں؟ اچھی لگتی ہے ناں تم کو؟“ امی نے اب کی بار مسکرا کر سوال کیا۔

میں اپنی خوشی سے زیادہ ابھی اپنی حیرانی کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”مگر امی وہ تو شادی کے دن سے ہی آپ کو مطلب سب کو حد میں رکھنے کا مطالبہ کر رہی ہے؟ کیسے ہو گا یہ سب؟“

اب کی بار امی میری طرف منہ کر کے بیٹھ گئیں۔

”دیکھو ولید! انسان جو بھی جیسا بھی کرتا ہے ناں وہ اپنی اس کرنی کو خوب جانتا ہے۔ چاہے دوسروں کے سامنے بھی اقرار نہ کرے۔ میں اور میرے دونوں چھوٹے بھائی بہن نے اپنے معصوم اور سب سے بڑے بھائی کے ساتھ جو ناانصافیاں کی ہیں اور خاص طور سے جو اس کی ازدواجی زندگی میں ابتری اور بے رونقی پھیلائی ہے اس کا سوچ کر اب میرا دل

دھلنے لگا ہے۔ کیونکہ ان بے انصافیوں کے دوران مجھے یہ تو یاد ہی نہیں رہا کہ میرے اپنے بچے، مجھ سے کیا کچھ سیکھ رہے ہیں۔

کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ تمہاری دونوں بہنوں کا مزاج بالکل مجھ سے اور تمہاری خالہ سے ملنے لگا ہے؟ ان دونوں کو بھی لگتا ہے کہ تمہاری ساری کمائی پر ان دونوں کا حق زیادہ ہے۔ طرح طرح کے بہانے بنا کر تم سے ہر ماہ اچھی بڑی رقم نکلوا لیتی ہیں۔

تمہارا چھوٹا بھائی تم سے کچھ زیادہ چھوٹا بھی نہیں ہے مگر اس سے کوئی بھی کام ڈھنگ سے اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کے ہر بے ڈھنگے پن کو سنبھالنے کے لیے تم ہر دم حاضر رہتے ہو۔ والدین کا حق صرف بڑے بیٹے پر نہیں ہوتا، سب اولادوں پر برابر ہوتا ہے لڑکیوں کو صرف اس لیے تھوڑی چھوٹ مل جاتی ہے کہ وہ سسرال میں رہتی ہیں، ورنہ ماں باپ نے ان کو بھی وہی کھلایا یا پہنایا جو اپنے بیٹوں کو...... پھر لڑکیاں اگر اچھے سمجھ دار سسرال میں گئی ہیں تو پھر ان کے لیے تو حرج نہیں کہ ماں باپ کا ضرورت کے وقت ساتھ دے سکیں۔ پھر میں سمجھتی ہوں کہ تم......"

"مگر امی آپ سمجھ نہیں رہیں۔" مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے بیچ میں امی کی بات کاٹ دی۔

"وہ مطالبہ کر رہی ہے کہ ماں باپ کی بیماری کے دنوں میں بھی اخراجات کی حد بنائی جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کا سایہ مجھ پر قائم رکھے مگر ایسے کیسے میں کسی کو لکھ کر دے سکتا ہوں۔ میری ماں یا باپ بیمار ہو اور میں حساب کروں کہ بس اس سے زیادہ میں خرچا نہیں کر سکتا کہ میرا، میری بیوی کے ساتھ یہاں تک کے خرچے کا ہی معاہدہ ہو چکا ہے؟"

میری جذباتی بات پر امی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"بے وقوف ہو تم ...... میں تو اس لڑکی کے منہ سے نکلنے والے پہلے لفظ کو سن کر ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ ہر ممکن کوشش کرے گی کہ ہماری بہو نہ بنے۔ یہ تمہارے بڑے ماموں جان جو اس طرح اپنی بیٹی کو بولنے دے رہے تھے۔ ان کا بھی ارادہ ایسا ہی ہے۔ اسی لیے تو میں نے کہا کہ وہ اگر باقاعدہ لکھ کر معاہدہ کرنا چاہتی ہے تو اس کو لکھ کر دو تا کہ اس کے پاس پھر انکار کی کوئی وجہ نہ رہے۔ اس میں اس کا بھی قصور نہیں جو کچھ میں ایک بہن ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ کرتی رہی ہوں، ساس بن کر پتا نہیں بھائی کی بیٹی کے ساتھ کیا کیا کروں گی؟ مگر میں نے اسے تمہارے لیے چنا ہی اسی لیے ہے کہ وہی ہے، جو تم کو تمہارے بھائی بہنوں سے بچا کر با حفاظت زندگی میں آگے بڑھنے میں مدد دے سکتی ہے۔ وہ ہم سب سے بخوبی واقف ہے۔ اور اس میں وہ طنطنہ بھی موجود ہے جو بڑے بھائی کی بیوی میں ہونا ضروری ہے۔ تم دیکھنا تم بہت خوش اور مطمئن رہو گے۔"

"اور...... اور اپنے گھر والوں کو چھوڑ دوں؟ وہ ہم سب کو الگ کر دے گی امی۔" میں نے ایک بار پھر امی کو احساس دلانے کی کوشش کی۔

"اوہ ہو...... کیا تم ابھی تک اپنی بہن ہی کی طرح سوچ رہے ہو ولید...... جو کچھ اس نے کہا اسے الگ کرنا نہیں کہتے، ہر شادی شدہ مرد و عورت کو اس طرح کی آزادی ملنی ہی چاہیے۔ یہ تو ہمارے معاشرے میں ہوتا ہے کہ بہو اور بیٹا اگر دن کے کسی وقت اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں تو جیسے کوئی گناہ کر رہے ہیں۔ دیکھو بیٹا، مجھے اپنی تربیت کا بھی اندازہ ہے اور اب اپنے بچوں کی اخلاقی حالت دیکھ کر اور بھی عقل آ گئی ہے مگر دوسری طرف مجھے اپنی بھابی اور بڑے بھائی کی تربیت پر مکمل بھروسا ہے۔

تمہارے ماموں جان کے بچے خاص طور سے یہ اوپر سے بہت غصہ ور لگنے والی بیٹی، ہماری طرح خود غرض، سنگ دل اور کٹھور نہیں ہو سکتی۔ ذاتی زندگی کی حدود بنا کر بھی یہ ہم سب کو باحیثیت خاندان اکٹھا کر کے ہی چلے گی۔ بس تم کو یہی کہوں گی کہ اگر کبھی وہ تمہارے بھائی بہن کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو بالکل ایسا ہی سمجھنا کہ جیسے ان کی ماں ان پر سختی کر رہی ہے۔

دیکھو ناں میں تو ہمیشہ سے یہی کہتی ہوں کہ بڑی بھابی، ماں برابر ہی تو ہوتی ہے۔"

☆☆

Digest Novels Lovers Group

نمرہ احمد

نمل

پینتالیسویں قسط

فرش پر بہت سا پانی گرا تھا۔ درمیان میں کہیں ایک لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ اس پر بھی چند قطرے تھے۔ باتھ ٹب کے سامنے پردہ گرا تھا اور آواز وہیں سے آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے آیا اور پردہ کھینچ کے ہٹایا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

اندر شاور مدھم سا چل رہا تھا۔ پانی کی دھاریں نیچے گر رہی تھیں۔ ٹب آدھا بھرا ہوا تھا اور اس کے کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے، گھٹنے سینے سے ملائے بیریل بیٹھا رو رہا تھا۔

"بی...!"

وہ شل سا کچھ بول نہ سکا۔ پھر ایک دم واپس پلٹا۔ فرش پر رکھا لیپ ٹاپ اٹھایا۔ اس کی اسکرین روشن تھی۔ بیریل نے اس کی سیٹنگ بدل دی تھی شاید۔ وہ اسٹینڈ بائی موڈ میں نہیں جا رہا تھا۔ ماہر نے تولیے سے لیپ ٹاپ پر گرے پانی کے قطرے پونچھے۔ اسے بیسن کے سلیب پر رکھا۔ پھر شاور بند کیا اور باتھ ٹب کے ساتھ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھا۔

"بیریل، کیا ہوا ہے؟" جبراً اس کے دونوں کندھوں سے اس کو سیدھا کرنا چاہا۔ لیکن وہ گیلا سر گھٹنوں میں دیے روئے جا رہا تھا۔

"بی! اٹس اوکے۔ ریلیکس ...ریلیکس۔" وہ اس کے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتا دوسرے ہاتھ سے کندھا تھپک رہا تھا۔ لیکن بیریل سر نفی میں ہلائے اسی طرح روئے جا رہا تھا۔

"اٹس اوکے۔ اٹس اوکے۔ مجھے بتاؤ۔ اٹھو، میری طرف دیکھو۔ بیریل... بیریل..." اس نے زور سے اسے کندھوں سے جھنجھوڑا۔ بیریل نے چہرہ اٹھایا۔ وہ پانی کے بجائے آنسوؤں سے بھیگا تھا۔ سرخ ناک۔ اور سوجی ہوئی آنکھیں۔ گیلے گھنگریالے بال۔ وہ سویٹ پینٹس اور ہُڈی سمیت باتھ ٹب میں بیٹھا تھا۔ ٹب آدھا بھرا تھا لیکن بیریل کا لباس پورا بھیگا ہوا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ ایسا کرے گی۔"

ماہر نے گہری سانس لی۔ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے پونچھا۔ وہ سر واپس جھکانے لگا لیکن ماہر نے زبردستی اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔

"پہلے مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟ ریلیکس! اٹس اوکے۔ بتاؤ؟"

"وہ مجھے چیٹ کر رہی ہے۔"

ماہر ایک دم سانس نہ لے سکا۔

"کیا؟"

"وہ مجھے چیٹ کر رہی ہے۔" وہ دبا دبا سا چلّایا تھا۔

ماہر نے ایک دم چونک کے پیچھے دیکھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ دروازہ بند کیا۔ پھر واپس اس کے پاس آیا۔ اسی انداز میں گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھا۔

"وہ اس وقت کہاں ہے؟" اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کمرے میں۔ سو رہی ہے۔" وہ نفرت اور

بے بسی سے غرایا تھا۔

"تم نے کیا دیکھا ہے؟"

بیر بل نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر گیلی ہتھیلی سے آنسو پونچھے۔ چند گہرے سانس لیے۔

"بتاؤ، بیر بل؟ تم نے کیا دیکھا ہے؟"

"اس کے فون میں کچھ چیٹس لاک تھیں۔ لیکن میک بک میں لاکڈ چیٹس لاک نہیں ہوتیں بلکہ سامنے نظر آ جاتی ہیں۔ میں نے صرف وہی چیٹ دیکھی ہے۔ وہ براق اور اس کی گفتگو ہے۔"

"براق کون؟" اسے یاد آ گیا۔ "وہ جو ٹینس کھیلتا ہے؟ جو گھوڑوں کی ریس میں بھی اکثر..."

"ہاں ہاں، وہی۔" بیر بل تیزی سے بولا۔ وہ براق کے ملٹی ٹیلنٹس کی فہرست نہیں سن سکتا تھا۔

بیر بل نے سر اثبات میں ہلایا۔ آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگے تھے۔

"وہ بہت عرصے سے ایک ساتھ ہیں۔ وہ سانپ والا بلگاری کا بریسلٹ جو وہ پہنتی ہے، جو اس نے مجھے کہا تھا کہ اس کی ماں نے اسے گفٹ کیا، وہ بھی اس کو براق نے گفٹ کیا تھا۔ میں نے ان کی ساری چیٹ پڑھی ہے۔ وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟"

ماہر اس کو ابھی تک دونوں کندھوں سے تھامے ہوئے تھا۔ بے اختیار ایک نظر لیپ ٹاپ پہ ڈالی۔ اس شے کی توقع اس نے نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا بیر بل سوزی کے فنانشل ریکارڈز نکالے گا۔ روپے پیسوں کا ہیر پھیر۔ کچھ نہ کچھ اسے معلوم ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ کسی گرل گروپ چیٹ میں وہ اپنی دوستوں کو بتا رہی ہوگی کہ اس کا شوہر کتنا بے وقوف ہے اور کیسے وہ اس کو کنگال کر رہی ہے۔ لیکن اس شے کی

مکمل ناول

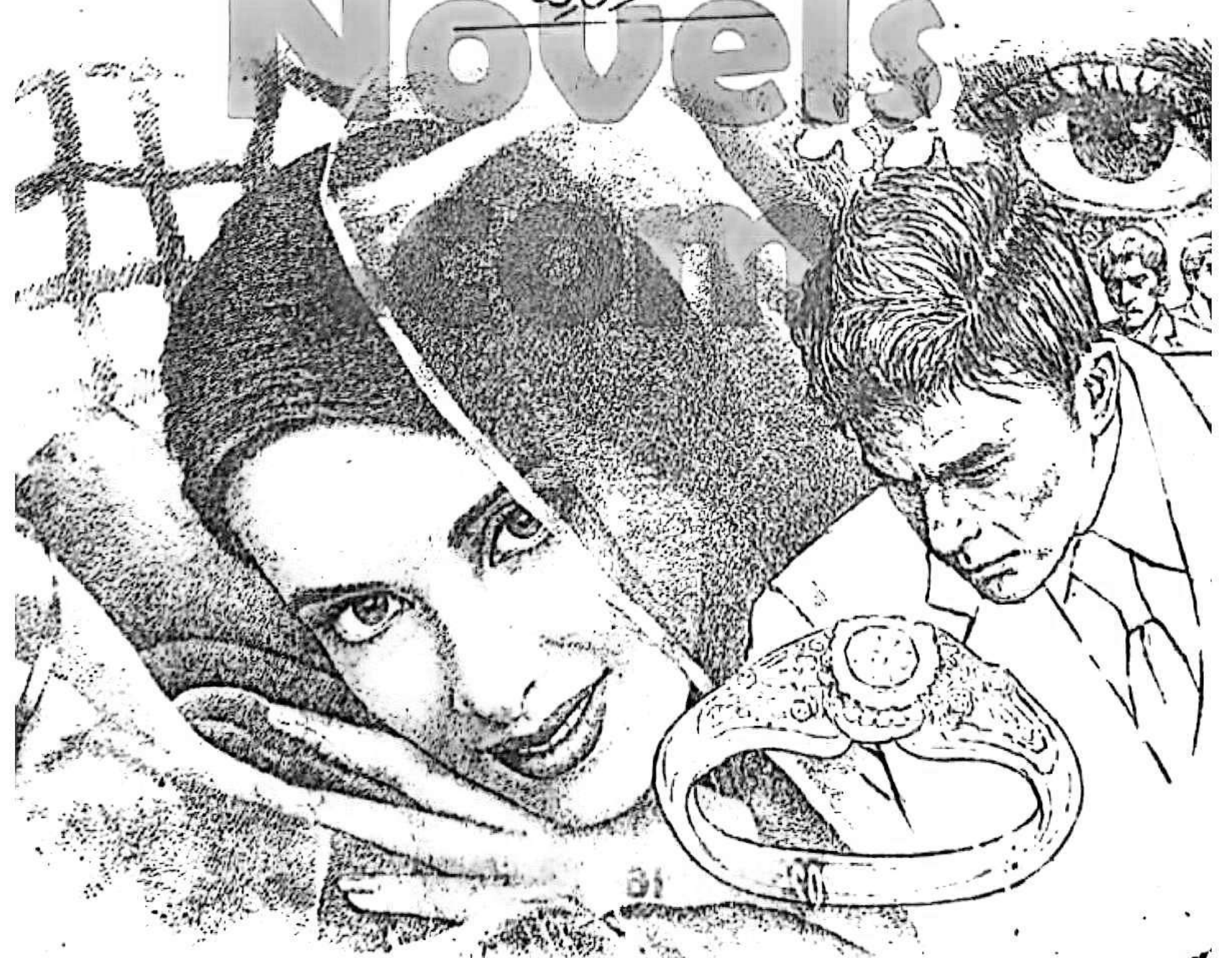

توقع اس نے بھی نہیں کی تھی۔

"میری بات سنو۔ ادھر دیکھو، میری بات سنو۔"

وہ ایک ہاتھ سے اس کا کندھا پکڑے دوسرے سے اس کے گالوں سے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"مجھے دیکھو۔ ادھر دیکھو، بیربل۔"

بیربل نے متورم سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ ماہر کو نہیں سن رہا تھا۔

"میں نے اسے کس چیز کی کمی دی؟ میں نے سب کچھ کیا اس کے لیے۔ اپنی فیملی کے خلاف گیا۔ پھر اس نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟"

"کیونکہ سوزین کے لیے یہ سب کافی نہیں تھا۔ کچھ عورتوں کے لیے یہ سب کافی نہیں ہوتا۔"

بیربل نے ایک جھٹکے سے اپنا کندھا چھڑایا۔ ماہر نے ہاتھ نیچے گرا دیے۔ وہ اب شاور کی سفید دیوار سے ٹیک لگائے چھت کو دیکھتے ہوئے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ اسے احساس ہوا کہ اس کے سوئیٹر کا گریبان اور آستین بھیگ چکے ہیں۔ اور پینٹ گھٹنوں سے گیلی ہو چکی ہے۔

"بالآخر تمہاری جیت ہوگئی، ماہر۔ جیسا تم نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔ تم تو بہت خوش ہو گے یہ سب دیکھ کر۔" وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہاری تکلیف میں، میں خوش کیوں ہوں گا؟"

"یہی تو سارا مسئلہ ہے۔ تم نے پہلے دن سے اس کی مخالفت کی تھی۔ لیکن میں نے کہا تھا مجھے اس پہ اعتبار ہے۔ اور پھر تم نے کیا کیا؟ تم نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ تم نے مجھے دور دھکیلنا شروع کر دیا۔ تم یہی چاہتے تھے کہ تم درست ثابت ہو جاؤ۔ اور دیکھو، آج تمہاری بات صحیح ثابت ہوئی۔ اس نے کاٹیج بھی بیچ دیا۔ وہ ایک دوسرے آدمی کے ساتھ مجھے چیٹ بھی کرتی رہی۔ اور میں تنہا رہ گیا۔ خالی ہاتھ۔ اور اب..."

وہ نمی سے جیسے خود پہ ہنسا اور نگاہیں چھت سے ہٹا کے ماہر کو دیکھا تو ان میں زمانے بھر کے شکوے تھے۔

"اور اب میں تمہارے پاس بھی واپس نہیں آ سکتا۔ میں تم سے بھی مدد نہیں مانگ سکتا۔ کیونکہ تم آگے سے یہی کہو گے کہ میں نے جو کہا تھا وہی ہوا ہے۔ مائی ماہر فرید ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"

ماہر اب مخالف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ یوں کہ وہ ٹب سے باہر تھا اور بیربل اندر۔

"تمہاری تکلیف پہ میں کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔ بیربل۔ دیکھو... ہم دونوں بھیگے ہوئے ہیں۔"

بیربل نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بہت سا پانی ان سے پھر سے ابلنے لگا۔

"لیکن اب میں کیا کروں گا، ماہر؟ میں ایک دفعہ پھر غلط ثابت ہوا۔ بے وقوف بیربل۔ ناکام بیربل۔ فیلیئر بیربل۔ ہمیشہ سے سب میرے بارے میں جو کہتے تھے وہ درست ثابت ہوا۔"

"تم میرے بھائی ہو، بی۔" بیربل کو دیکھتی اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔ "میں اس شادی کے خلاف تھا۔ میں ہمیشہ سے سوزی کے خلاف تھا۔ لیکن تمہارا دل ٹوٹنے پہ خوش میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے میں چاہتا تھا کہ تم یہ شادی نہ کرو، تاکہ تمہارا دل..."

"ہاں اسی لیے تم یہ چاہتے تھے۔ اسی لیے تم یہ کہتے تھے۔ اسی لیے تم درست ثابت ہوئے۔ جانتا ہوں تم سب کیا کہو گے۔ جانتا ہوں اب میں تمہارے پاس مدد کے لیے نہیں آ سکتا۔ اس لیے..." اس نے ہاتھ ٹب کو دونوں کناروں سے پکڑ کے اٹھنا چاہا تو ماہر تیزی سے اٹھ کے آگے بڑھا اور کندھوں سے دبا کے اسے واپس نیچے بٹھایا۔

بیربل نے بے اختیار اس کو دیکھا۔ ماہر کے ماتھے پر لکیریں تھیں۔

"مجھے درست ثابت ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں ہمیشہ ہی درست ہوتا ہوں۔ لیکن تم، بیربل، تم کان کھول کے میری بات سنو۔" وہ اب ٹب کے کنارے پر بیٹھا تھا۔

digest library.com

بیربل کو کہنی سے زبردستی نیچے بٹھانے کی کوشش میں پانی کے چھینٹے اس کے سوئیٹر کو مزید بھگو گئے تھے۔

"جو میں کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنو۔"

بیربل ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جیسے قدرے سہم گیا ہو۔

"ہم ایک فیملی ہیں۔ اور فیملیز میں بہت سی زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جانتا ہوں ہمارے باپ نے تمہارے ساتھ زیادتی کی۔ انہوں نے ایک ہی پیمانے پہ مجھے اور تمہیں تولا۔ حالانکہ ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔ تم مختلف تھے۔ تم پیسہ بنانے کی مشین نہیں تھے۔ لیکن ہمارے باپ نے، مالک نے، سب نے ہمیشہ تمہیں ماہر سے کمپیئر کیا۔ تم ایک شیف تھے۔ تم ان کاموں کے لیے بنے تھے جن کو کر کے تمہیں خوشی ملتی ہو۔ تم خوش رہنے اور خوشی بکھیرنے کے لیے بنے تھے۔ تمہاری زندگی کا عزم کبھی بھی بہت سا پیسہ کمانا نہیں تھا۔ مگر ہمارے باپ نے تمہارے حصے سے تمہیں محروم کر کے واقعی زیادتی کی۔ وہ اپنی محنت سے کمائی دولت بچا رہے تھے۔ لیکن اس سب میں انہوں نے تمہاری پرسنالٹی کو نقصان دیا۔ وہ ٹف لو پہ یقین رکھتے تھے۔ مالک بھی ایسا ہے۔ اور میں بھی ایسا ہوں۔ ہم سب کا طریقہ غلط تھا یا درست، اس بحث سے قطع نظر، ہم سب زبردستی تمہیں وہ بنانا چاہتے تھے جو تم نہیں بن سکتے تھے۔"

وہ کہتا جا رہا تھا اور بیربل کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

"ہم سب نے جو بھی کیا تمہیں اس چوٹ سے بچانے کے لیے کیا جو آج تمہیں لگی ہے۔ لیکن سارا مسئلہ یہی ہے، بیربل، کہ ہر بچے کو اس کے حصے کی چوٹ لگنی ہوتی ہے۔ اس لیے لوگوں کو ان کے حصے کی غلطی کرنے دینی چاہیے۔ اسی لیے میں نے تمہیں سوزی سے الگ کرنے کی کوئی پلاننگ نہیں کی۔ نہ میں چاہتا تھا کہ ایسا کچھ ہو جس سے تمہارا دل ٹوٹے۔ میں نے تمہیں پیچھے نہیں دھکیلا۔ میں تم سے نفرت نہیں کرنے لگا۔ نہ مجھے درست ثابت ہونے کا شوق تھا۔ میں نے صرف تمہیں تمہارے حال پہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ جلد یا بدیر سوزین کا سچ کھل جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کون سا سچ کھلے گا۔ بس یہ جانتا تھا کہ وہ ایک فیک عورت ہے۔ اور فیک چیز بہت دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔"

بیربل نے سر جھکایا اور ہتھیلی کی پشت سے

خواتین ڈائجسٹ میں راحت جبیں کے قسط وار چھپنے والے خوب صورت ناولز

زرد موسم

تتلیاں پھول خوشبو

پاکستان میں کہیں بھی بذریعہ فون منگوائیں

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 021-32216361

آنکھیں رگڑیں۔ اس کا پورا چہرہ رونے کے باعث سرخ ہو چکا تھا۔

"لیکن یہ کبھی مت سوچنا کہ غلط فیصلے کا غلط نتیجہ دیکھنے کے بعد تم اپنی فیملی کے پاس واپس نہیں جاسکتے۔ تم ہمیشہ اپنی فیملی کے پاس واپس آسکتے ہو۔ ہر انسان واپس آسکتا ہے۔ بھلے تم نے غلطی اکیلے کی ہو۔ لیکن اس غلطی کو سدھارنا ایک فیملی نے مل کر ہوتا ہے۔ جو غلطی تم نے کی، اس کو ہم ان ڈو نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم ڈیمج کنٹرول کر سکتے ہیں۔ ادھر دیکھو، میری طرف۔"

بیریل نے گلہ آمیز گیلی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔ تمہیں میرے اوپر بہت سی چیزوں کا بہت سا غصہ ہے۔ لیکن اپنے سارے غصے اور شکوے کے باوجود میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ماہر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"کیا تمہیں میری ججمنٹ پہ بھروسہ ہے؟"

بیریل نے دانت سے لب کاٹے۔ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا تمہیں ماہر فرید پہ اتنا بھروسہ ہے کہ تم وہی کرو جو میں کہنے ہوں؟"

چند لمحے ایسے ہی خاموشی سے گزرے۔

"مجھے معلوم ہے مجھے کیا کرنا ہے، ماہر۔ میں ابھی کمرے میں واپس جاؤں گا۔ میں اسے نیند سے جگاؤں گا۔ اور میں اسے اسی وقت اپنے گھر سے نکال دوں گا۔ اور پھر..." وہ جذبات سے تیز تیز کہہ رہا تھا کہ ماہر نے زور سے اس کا کندھا دبایا۔

"کیا تمہیں میری ججمنٹ پہ بھروسہ ہے؟" اس کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

بیریل رک کے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ ماہر کی آنکھوں میں اتنی سختی تھی کہ اس نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلایا۔

"بھروسہ ہے۔"

"میں تم سے صرف ایک سوال پوچھوں گا۔" وہ ٹب کے کنارے پر بیٹھا ایک کے بعد ایک سوال پوچھ رہا تھا۔

"تم سوزین کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

بیریل کا چہرہ پھر سے سرخ ہونے لگا۔ سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"پھر تم وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔" ماہر نے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ایک ہتھیلی اس کی جانب بڑھائی۔

"اپنا موبائل دو۔"

بیریل نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ پھر دائیں بائیں۔ پھر واش بیسن کے کنارے رکھا موبائل دکھائی دیا۔

"وہ رکھا ہے۔"

ماہر نے موبائل اٹھایا۔ پاور کا بٹن دبایا اور جب اس کی اسکرین بجھ گئی تو اسے جیب میں ڈال لیا۔ پھر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہیں سنک کے کنارے کھڑے کھڑے چند بٹن دبانے لگا۔ پھر اندر جا کے واپس آیا تو ہاتھ میں ایک فلیش تھی۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"بتاتا ہوں۔" بیریل نے دوبارہ نہیں پوچھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ ماہر کیا کر رہا تھا۔

چند ثانیے گزرے۔ پھر ماہر نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا۔ ٹشو سے اسے ایک دفعہ پھر سے پونچھا اور اپنے فون پہ ایک نمبر ملانے لگا۔ بیریل ناسمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنسو رک چکے تھے۔

"عمار، ابھی اسی وقت ہمارے گھر آؤ۔ تم نے بیریل کو کہیں لے کے جانا ہے۔"

بیریل کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے پانی سے بھرے ٹب میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بہت سے چھینٹے دائیں بائیں گرے۔ سویٹ شرٹ گیلی ہو کے نیچے لٹک رہی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں کہاں جا رہا ہوں؟"

ماہر نے فون نیچے کیا اور انہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "کیا تمہیں مجھ پہ بھروسہ ہے؟"

"مجھے ہے۔ لیکن مجھے سوزی سے بات..."

"تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ جب تک

میں نہیں کہوں گا تم اس سے کچھ نہیں کہو گے۔ تم بودرم جا رہے ہو۔ وہاں تمہارے دوست کا ہوٹل ہے۔ تم کچھ دن وہیں رہو گے۔ کسی سے بات نہیں کرو گے سوائے میرے۔ اور اس سب کو پراسیس کرنے کی کوشش کرو گے جو ہوا ہے۔"

"لیکن..." بیر بل نے ہونٹ دانت سے کاٹا۔

پھر سر کو خم دیا۔ "اوکے۔" اس کے اندر جیسے مزید توانائی نہیں تھی۔ سر درد کر رہا تھا اور جسم جیسے نچڑ چکا تھا۔ وہ ننگے پیر باتھ ٹب سے نکلا تو پانی کی دھاریں ٹراؤزر سے گرتی ہر جگہ بہتی گئیں۔

"تم اپنے کمرے میں بھی واپس نہیں جاؤ گے۔ فیضی خانم یہ لیپ ٹاپ واپس رکھ آئیں گی۔ اور تم..." وہ لیپ ٹاپ ہاتھ میں لیے باہر کمرے میں آیا۔ پھر اپنی وارڈروب کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے کپڑے پہنو اور عمار کے آتے ہی تم اس کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ گے۔ تمہارے ڈاکومنٹس فیضی خانم نکال لائیں گی۔"

اب وہ فیضی خانم کو اٹھانے جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد جب وہ لیپ ٹاپ رکھ کے سوئی ہوئی سوزین کے کمرے کا دروازہ بند کر کے واپس کمرے تک آئیں، تو دیکھا... بیر بل سفید چہرے اور گیلے بالوں کے ساتھ صاف پینٹس اور سویٹر پہنے بیٹھا تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور کمرے کے فرش پر جگہ جگہ پانی تھا جو باتھ روم سے یہاں تک آیا تھا۔ عمار باہر پہنچ چکا تھا اور ماہر اب بیر بل کو ساتھ لیے راہداری کی طرف جا رہا تھا۔ وہ بار بار مڑ کے اپنے کمرے کی جانب دیکھتا لیکن ماہر اسے کہنی سے پکڑ کے باہر کی جانب لے گیا۔

"تم نے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔ اب جو بات کروں گا وہ میں کروں گا۔"

بیر بل نے شکست خوردہ انداز میں سر ہلایا۔ فیضی خانم دونوں کو افسوس سے جاتے دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ دروازے کے پار غائب ہو گئے۔ چند لمحوں بعد ماہر اکیلا آتا دکھائی دیا۔ اپنے کمرے کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر اس نے ناپسندیدگی سے اندر گرے پانی کو دیکھا اور پھر ہاتھ کو گھما کے اشارہ کیا۔

"پلیز۔"

فیضی خانم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ جب تک اس کا باتھ روم اور کمرہ مکمل طور پہ خشک نہیں ہوگا، وہ دوبارہ اس میں قدم نہیں رکھے گا۔ وہ چپ چاپ صفائی کا سامان لینے اسٹور کی جانب بڑھ گئیں۔

☆☆☆

اگلی صبح بہت ٹھنڈی سی طلوع ہوئی تھی۔ سورج کہیں بادلوں کے پیچھے تھا اور درجہ حرارت مزید گر چکا تھا۔ استنبول کی مسجدوں کے پیالہ نما گنبدوں کے اوپر سے بگلے پھڑ پھڑا کے اُڑ رہے تھے۔ ایسے ہی چند بگلے اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی کھڑکیوں پہ آ بیٹھے تھے جہاں سے اندر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

قطار در قطار سفید میز پوش والی میزیں بچھی تھیں۔ اونچی مخملیں کرسیاں۔ نفیس کراکری اور چمکتی کٹلری۔ ایسی ہی ایک میز پہ کبیرہ سادان بیٹھی تھیں۔ ریشمی کافتان پہنے۔ کانوں اور انگلیوں میں بہت سے ہیرے زیب تن کیے۔ بوائے کٹ بال اور سموکی آئی شیڈ سے مزین آنکھوں سے مسکراتی ہوئی وہ سامنے بیٹھے نوجوان کو دیکھ رہی تھیں۔

عالیان بفے سے اپنا ناشتا نکال کے ابھی ابھی ان کے سامنے آ کے بیٹھا تھا۔ وہ جینز اور ہڈ والی جیکٹ میں ملبوس تھا۔ سنہرے بال کنگھی کر کے آج سمیٹ رکھے تھے۔ گوری رنگت صبح کی سردی کے باعث گلابی ہو رہی تھی۔ کبیرہ سادان نے مسکرا کے ایک نظر اپنی پلیٹ میں رکھے کروسونٹس اور کوکیز کو دیکھا اور دوسری نگاہ اس کی پلیٹ پہ ڈالی جس میں ابلے ہوئے چند انڈے، اواکاڈو، ملٹی گرین بریڈ اور پھل رکھے تھے۔ ساتھ ہی گلاس میں سبز رنگ کی کوئی سمودی تھی جو وہ اپنے ساتھ فلاسک میں لایا تھا۔ ابلے انڈے کو اب وہ میش کر کے توس پہ لگا رہا تھا۔ بفے میں انواع و اقسام کی اشیاء موجود تھیں۔ اس کے باوجود وہ صرف یہی اٹھا کے لایا تھا۔

کبیرہ سادان کی گردن فخر سے مزید اونچی

digest library.com

ہوئی۔

"مجھے تمہاری صحت کے لیے ویلیوز اچھی لگتی ہیں۔"

عالیان نے دانت سے ٹوسٹ کترتے ہوئے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا اور دوبارہ خاموشی سے کھانے لگا۔ چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ دائیں بائیں میزوں پر چھری کانٹے چلنے کی آواز، قہوے کی خوشبو اور ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی۔ سفید اجلی وردی میں ملبوس ویٹران کے قریب آیا اور نیپکن میں لپٹی کانچ کی بوتل سے ان کے گلاسز میں پانی بھرنے لگا۔ وہ چلا گیا تو وہ کھنکھاریں۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے ملنے آئے۔ تم نے کہا تھا کہ تمہیں کچھ پوچھنا ہے۔"

عالیان نے سمودی کا گھونٹ بھرا اور پھر انہیں دیکھنے لگا جیسے کنفیوزڈ ہو۔ نہ جانے کیوں لیکن بہت دن بعد کبیرہ سادان کو محسوس ہوا تھا کہ جب وہ ان کے قریب ہوتا تھا تو بھلے وہ خفا ہو یا بے زار، اس کی شخصیت بدل جاتی تھی۔ وہ پولیس اسٹیشن میں ملنے والے جادوگر جیسا نہیں تھا جس نے خود کو خول میں بند کر رکھا تھا۔ اور چاہنے کے باوجود وہ اس خول کو توڑ نہیں پائی تھیں۔ اب اس کا خول چٹختا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا، ماہر فرید میرے پاس آئے گا۔ وہ آیا تھا۔" وہ سادہ سے انداز میں بتانے لگا۔ کبیرہ کو لگا کہ وہ جو کہنے آیا تھا وہ نہیں کہہ رہا، بلکہ بات بدل دی ہے۔ وہ کروسونٹ کا ٹکڑا دانتوں سے کترتے ہوئے غور سے اسے دیکھے گئیں۔

ایک توقف کے بعد عالیان پھر سے کھنکھارا۔

"وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ نگینہ بیگم بچوں کا کیا کرتی تھیں۔"

"کیا کرتی تھیں؟"

عالیان نے کندھے اچکائے۔ "میں یہ ڈسکس کرنے یہاں نہیں آیا۔"

"پھر کیا ڈسکس کرنے آئے ہو؟"

اس نے جیسے تھوک نگلا۔ شاید وہ کوشش کر رہا تھا کہ اس کا خول نہ چٹخے۔ لیکن کچھ تھا جو بار بار اس خول میں دراڑ ڈال رہا تھا۔ اور ہر دراڑ کے ساتھ کبیرہ سادان کی مسکراہٹ اور ان کا اعتماد بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جتنا خود کو مضبوط اور بے نیاز ظاہر کر لے، وہ ایک چھوٹا سا لڑکا ہی تھا۔

"بتاؤ عالیان، کیا جاننا چاہتے ہو؟"

عالیان نے آنکھیں اٹھا کے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جب میں نے ہلال کا ذکر کیا تو ماہر فرید کے چہرے پہ ایک تاثر ابھرا۔ اس تاثر نے مجھے یہ یاد کرایا کہ اگر میں کبھی ہلال کے قریب گیا تو وہ واقعی مجھے جان سے مار دے گا۔"

کبیرہ کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"تمہارا ہلال سے کیا لینا دینا؟"

ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہلال کا ذکر ان سے کیوں کر رہا تھا۔

"بات ہلال کی نہیں ہے۔ اس تاثر کی ہے جو میں نے ماہر فرید کی آنکھوں میں دیکھا تھا اپنی بہن کے لیے۔"

ایک لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکیں۔

"میری بھی ایک بہن ہے۔ ہے نا؟"

کبیرہ سادان کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ انہوں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ پاکستان میں ہے۔ گھر پہ۔"

عالیان خاموشی سے بلیک کافی کے گھونٹ بھرنے لگا۔ اور وہ اسی امید سے اسے دیکھے گئیں۔

"کیا تم کبھی اس سے ملنا چاہو گے؟"

"نہیں۔" وہ ایک دم تیزی سے بولا۔ پھر ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "میری کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے آپ کی بیٹی کے ساتھ۔ میں اس سے مل کے کیا کروں گا؟ لیکن..." اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ جیسے ان کے چہرے پہ کچھ کھوج رہا ہو۔

"آپ اس کی شادی زیاد سے کیوں کروانا چاہتی تھیں؟ کیا اس سے بہتر کوئی انسان آپ کو نہیں ملا تھا؟"

عالیان اور ماہر فرید کی ملاقات کے وقت کبیرہ سادان وہاں موجود نہیں تھیں۔ اس کے باوجود وہ جانتی تھیں کہ عالیان کی آنکھوں میں وہی تاثر تھا جو اس نے ماہر کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ پورے دل سے مسکرا دیں۔

"اس وقت مجھے وہی مناسب لگتا تھا۔ اچھا ہی ہو، ایسا نہیں ہوا۔"

"پھر؟ کیا بنا اس کی شادی کا؟" وہ بظاہر سرسری انداز میں بولا تھا۔ کبیرہ بیگم نے شانے اچکا دیے۔

"کوئی اچھا رشتہ ملے گا تو کروں گی۔"

عالیان نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے انہیں دیکھا۔

"آپ جس سوشل کلاس سے تعلق رکھتی ہیں اور جتنی دولت آپ کے پاس ہے، کیا آپ کو بھی اپنی بیٹی کے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں ملا؟" وہ جیسے حیران ہوا تھا۔

کبیرہ سادان نے ایک دفعہ پھر کندھے اچکائے۔

"کوئی اس قابل نہیں تھا۔ سمپل۔ اور ویسے بھی..." انہوں نے جیسے تھوک نگلا۔ "وہ گھر کا خیال کرتی ہے۔ میرا خیال کرتی ہے۔"

کافی کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے عالیان ٹھہرا۔ رک کے ان کا چہرہ دیکھا۔

"آپ کو خیال کی کیا ضرورت ہے؟ آئی مین، آپ بیمار تو نہیں ہیں۔"

کبیرہ سادان نے پھر سے تھوک نگلا۔ "میں کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کرتی۔ نہ ہی میرے کمرے کی صفائی ملازم کر سکتے ہیں۔ اور میرے برتنوں کو کوئی اور ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ یہ سب چیزیں دیکھتی ہے۔ اور اب ویسے بھی میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس کا رشتہ کسی نامعلوم انسان سے کر دیا اور وہ زیاد سلطان جیسا نکلا تو میں کیا کروں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ حفاظت میں۔"

عالیان بہت دھیرے سے پیچھے ہوا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے تعجب سے وہ ابھی تک ان کو دیکھ رہا تھا۔

"لیکن یہاں پہ آپ ریسٹورنٹ کا بنا ہوا کھا رہی ہیں۔"

"ریسٹورنٹ کی بات الگ ہے۔ پاکستان میں ملازموں کو رشوت دینا بہت آسان ہے۔ وہ کسی کے کھانے میں کوئی بھی تعویذ یا پھونکی ہوئی جادو کی شے ملا سکتے ہیں۔ اس لیے کافی عرصے سے میں نے یہ ڈیپارٹمنٹ عنایہ کو دے دیا ہے۔"

عالیان کے ابرو حیرت سے اونچے ہوئے۔

"یعنی آپ اپنی بیٹی کی شادی اسی لیے نہیں کر رہیں کیونکہ وہ آپ کو جادو سے بچاتی ہے اور آپ کو کسی ملازم پہ بھروسہ کر کے خود کو جادو کا شکار نہیں کرنا؟"

کبیرہ سادان نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ وہ میرا خیال کرتی ہے۔ اور میں نے کہا نا، ابھی تک کوئی ایسا رشتہ ملا ہی نہیں جو اس کے قابل ہو۔" پھر وہ آگے کو ہوئیں اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر رکھے۔ غور سے اس کو دیکھا۔

"کیا تم عنایہ سے ملنا چاہو گے؟ میری بہت خواہش ہے کہ ہم تینوں ایک ساتھ ایک میز پہ بیٹھیں۔"

عالیان نے دھیرے سے نیپکن میز پر رکھا۔

"میں اس ملک سے اتنی آسانی سے نہیں نکل سکتا جتنا آپ سمجھتی ہیں۔" وہ بولا تو اس کے لہجے میں تناؤ تھا۔ "ماہر فرید نے نہ جانے آپ کے سامنے میرا کیا امیج بنایا ہے، لیکن حقیقت وہی ہے جو میں نے پولیس کو بتائی ہے۔ میرے بہت سے کلائنٹس بڑھائی کی وجہ سے مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ میں ان کو اتنا ٹائم نہیں دے سکتا۔ اور ابھی تک میرے اوپر وہ قرضے موجود ہیں جو میں نے ان برسوں میں لیے تھے جب نگینہ بیگم نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ یعنی ان کا کام ٹھپ ہو گیا تھا۔ ان کی ساری دولت زیاد سلطان کے پاس چلی گئی اور میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ میں نے خود کو یہاں تک اپنی محنت سے پہنچایا ہے۔ اس لیے جب تک میرے قرضے نہیں اترتے، میں اس ملک سے نہیں نکل سکتا۔"

"کتنے قرضے ہیں؟ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

عالیان کے ابرو تلخی سے اکٹھے ہوئے۔ اس نے بے اختیار مگ پرے دھکیلا۔

"مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہئیں۔ میں صرف اپنی بہن کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ باقی جو بھی کرنا ہے میں خود کرلوں گا۔ میں نے کرپٹو میں انویسٹمنٹ کر رکھی ہے۔ کچھ عرصے میں اس کو بیچ دوں گا۔ پھر اپنے قرضے اتار کے اگر کبھی مجھے موقع ملا تو شاید آپ کے گھر آؤں اور شاید ہم تینوں ایک ساتھ بیٹھ سکیں۔" اس نے نیپکن سے ہونٹ تھپتھپائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

کبیرہ سادان نے گیلی آنکھوں سے مسکرا کے اسے اٹھتے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس سے زیادہ اس کو اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ وہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھل کے دور چلا جائے گا۔ اپنی مرضی سے وہ ان سے جتنا تعلق رکھنا چاہتا تھا ان کے لیے یہی بہت تھا۔

بالآخر وہ تینوں ایک ساتھ ایک میز پہ بیٹھنے کے قریب تھے۔ کبیرہ، عنایہ اور عالیان۔ ان کی ہیپی اینڈنگ کی تکون۔

☆☆☆

سریار کی اپارٹمنٹ بلڈنگ پہ بھی وہ صبح ویسے ہی سرد طلوع ہوئی تھی۔ سوزین جس وقت اپنے کمرے سے نکلی اس کے بال گھنگریالے اور میک اپ مکمل تھا۔ البتہ لونگ روم کا منظر دیکھ کر بہت سے تاثرات ایک ساتھ چہرے پہ آئے۔ بھنویں اکٹھی کر کے کچن کاؤنٹر تک آئی اور ادھر ادھر بھاگتی فیضی خانم کو روکا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

فیضی خانم نے ایک سرسری سی نظر لونگ روم پہ ڈالی جہاں صوفے پر ایک سلیولیس جیکٹ میں ملبوس مونچھوں والا آدمی ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا اور چائے کی پیالی کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ اس کی نگاہ ہلال کے کمرے کے دروازے پہ جمی تھی۔

"مالا کو کہیں جانا ہے۔ وہ اپنا بچہ چھوڑ کے جا رہی ہے۔ اس لیے ایک پولیس اہلکار یہاں رہے گا اور باقی باہر۔"

"گھر نہ ہوا فوسٹر ہوم ہو گیا۔" سوزین نے ناک سکوڑا۔ بے زاری سے سر جھٹکا اور اپنا مگ اٹھایا۔

"ہیر بل کہاں ہے؟"

"معلوم نہیں۔" فیضی خانم کندھے اچکا کے اوون کی طرف بڑھ گئیں تو سوزی نے سوچتی نظروں سے ان کی پشت کو دیکھا۔

"کیا وہ رات بھر گھر نہیں آیا؟"

"اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

جواب فیضی خانم کے بجائے ماہر کی طرف سے آیا تو سوزی بے اختیار اپنی ہیلز پہ گھومی۔ سیڑھیوں سے اتر کے نیچے آتے ماہر کو دیکھ کر اس نے چہرے کے تاثرات درست کیے۔

"اوہ۔ کون سا دوست؟"

"شعیب۔"

"شعیب کون؟"

"جتنی خبر تمہیں اس کی پراپرٹی کی ہے اتنی دوستوں کی بھی ہونی چاہیے تھی۔ بہرحال اسے جلدی میں لندن جانا پڑا ہے۔ کافی دیر وہ تمہیں اٹھاتا رہا۔ لیکن غالباً تم کوئی دوا لے کر سو رہی تھیں۔" ایک ناپسندیدہ نظر سوزین پہ ڈال کے وہ آگے بڑھ گیا۔ رخ ہلال کے کمرے کی جانب تھا۔ سوزی نے مگ رکھا اور اس کے پیچھے آئی۔

ادھ کھلے دروازے سے اندر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہلال بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھی تھی۔ ساتھ ننھا بدر تھا۔ مالا سامنے پنجوں کے بل بیٹھی بدر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی کچھ کہہ رہی تھی۔ سوزی کو یہاں سے مالا کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ ماہر بھی ان کے قریب جا رکا تھا۔

"میں شام تک آ جاؤں گی۔ تب تک تم ہلال کے ساتھ رہو گے۔ اوکے؟" وہ بچہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ مالا نے

گردن موڑ کے لاؤنج میں بیٹھے پولیس اہلکار کی جانب اشارہ کیا۔ (چوکھٹ میں کھڑی سوزی کو سر کے اثبات سے سلام کیا)

"وہ اچھا آدمی ہے۔ اوکے؟" اس نے نرمی سے کہا تھا لیکن بدر نے ایک دم تیزی سے سر اٹھایا اور اس طرف دیکھا پھر واپس مالا کو، پھر اوپر ماہر کو۔ دوبارہ دروازے کی درز سے دکھائی دیتے پولیس آفیسر کو۔

پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے اور سر واپس جھکا لیا۔

ماہر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پولیس اہلکار کو دیکھا اور پھر دوبارہ بدر کو۔ البتہ مالا اسی طرح کہہ گئی۔

"بدر کا ناشتا بنا رکھا ہے۔ اور اورنج جوس بھی۔ بدر ناشتا کرے گا۔ ٹھیک؟" وہ اپنی بے بی لینگویج میں اس کو ہدایات دے رہی تھی۔

ماہر نے ایک دفعہ پھر پولیس اہلکار کو دیکھا اور واپس بچے کو۔ وہ چونکا کیوں تھا؟ کیا اس نے پہلے اس اہلکار کو دیکھ رکھا تھا؟ یا کیا وہ کچھ اور دیکھ رہا تھا؟ لیکن نہیں، مالا کو تو کچھ محسوس نہیں ہوا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ شاید وہ بچہ بار بار ایسے ہی چونکتا تھا۔ اگر اس کی ماں کے لیے یہ غیر معمولی نہیں تھا تو اسے فضول نہیں سوچنا چاہیے۔

وہ ہلکا سا کھنکھارا۔

"میں کوٹ لے کر آ رہا ہوں۔" اس کو اطلاع دی۔ مالا نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے بیٹے کو اسی طرح ہدایات دیتی رہی۔ ماہر چوکھٹ میں سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ سوزی نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر مالا کو۔

جب وہ بالآخر بدر کو فیضی خانم کے حوالے کر کے اور ان کی بہت سی تسلی کے بعد وہاں سے پلٹی تو دیکھا سوزین کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔ مالا رسمی سا مسکرائی اور گزر کے آگے جانے لگی تھی جب...

"تم اپنے بیٹے کا بہت خیال کرتی ہو۔ اس سے بہت پیار کرتی ہو۔ سو سویٹ۔"

مالا نے اسی طرح مسکرا کے سر کو خم کر دیا۔ سوزین کافی مشین میں بینز ڈالتے ہوئے آنکھیں اسی پہ جمائے ہوئے تھی۔

"لیکن سنو، جب بھی شادی کرنا ..... کسی ایسے آدمی سے کرنا جو تمہیں تمہارے بچے کے ساتھ قبول کرے۔"

...جو باہر کی طرف پلٹ رہی تھی، ان الفاظ پہ ٹھہر گئی۔ الٹے قدموں گھومی اور ٹھک ٹھک چلتی اس کے سامنے آئی۔

"اگر میں نے کبھی کسی مرد کو اپنی زندگی میں آنے دیا، تو اس مرد کو میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ میں اپنے بیٹے کے معاملے میں اس پہ بھروسہ کر رہی ہوں۔ میرا بیٹا میری ذات کا حصہ ہے۔ کوئی مجھے میرے بیٹے کے ساتھ کیا قبول کرے گا؟ میں اپنے بیٹے کے لیے کسی مرد کو قبول کروں گی نا، تو اس کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں نے اپنے بیٹے کو اس کی امان میں دیا ہے۔"

"اوکے۔ لیکن اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" سوزین نے ناسمجھی سے کندھے اچکائے۔ مالا نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔

"کوئی مرد کسی بچے کی ماں سے شادی کر کے اس بچے کو قبول کر کے اس پہ احسان نہیں کرتا۔ بلکہ عورت اگر اس مرد کو اپنے بچے کے قریب آنے دیتی ہے تو اس پہ احسان کرتی ہے۔ یاد رکھنا میری بات۔" ضبط سے ایک ایک لفظ چبا کے کہا، ایسے کہ چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

اس گفتگو سے بے خبر ماہر اوپر اپنے کمرے میں کھڑا الماری سے کوٹ نکال رہا تھا۔ ائیر پوڈز کانوں میں لگے تھے۔

"بیربل کو ایک دوسرا نمبر لے کر دیا ہے۔ ابھی اس سے بات ہوئی تھی۔ وہ بودرم پہنچ گیا ہے۔ کچھ دن وہیں رہے گا۔"

"گڈ۔" مالک فرید کی مشینی آواز

digest library.com

ابھری۔ "اس کو سوزی سے بات تو نہیں کرنے دی؟"

"ہرگز نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میک شیور کرنا کہ وہ اس سے بات نہ کرے۔"

"نہیں کرے گا۔"

"چچ چچ..." مالک فرید کے لہجے میں افسوس ابھر آیا۔ "براق اور سوزین؟ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی۔"

وہ جب تک نیچے آیا سوزین اپنا ناشتا کرتی کسی فون کال پہ مصروف تھی۔ یا شاید وہ بار بار ہیر بل کو فون کر رہی تھی۔ پھر کندھے اچکا کے سر جھٹکا اور کسی اور کو فون ملا لیا۔ اس کا لیدر بیگ اس کے ساتھ تھا۔ غالباً وہ کام پہ جانے کے لیے تیار تھی۔ نیچے اترتے ماہر کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اُونی کوٹ بازو پر ڈالے بلیک پینٹس پہ سفید ہائی نیک پہنے ہوئے تھا۔

"ہیو آ نائس ڈے" وہ راہداری کی جانب مڑ رہا تھا جب سوزین نے پیچھے سے مسکرا کے کہا۔ اس نے ڈے کہا تھا یا ڈیٹ، ماہر فیصلہ نہ کر سکا۔ البتہ اس وقت وہ سوزین کے منہ نہیں لگ سکتا تھا۔

جب تک وہ مالا کے دروازے پہ پہنچا وہ باہر نکل رہی تھی۔ اس نے لمبا بھورا جرسی ڈریس اور اوپر سفید رنگ کا ہی تھوڑا بڑا سوئیٹر پہن رکھا تھا جس کے گریبان پہ سیاہ فاختہ جھولتی دکھائی دیتی تھی۔ بال کھلے تھے اور ہاتھ میں ٹوپی تھی۔ چہرے پر دو تین دانے نکلے تھے اور اس نے کوئی خاص میک اپ بھی نہیں کیا تھا۔ ابرو اکٹھے کیے وہ سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

"چلیں؟"

"ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بنا آگے بڑھ گئی۔ کوٹ اور بیگ ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ ماہر نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" وہ اس کے پیچھے لفٹ تک آیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوئی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ بس لب بھینچے ہوئے تھے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ ابھی چند منٹ پہلے بدر کے کمرے میں اس کو تسلی دیتی ہوئی، اس کو مسکرا کے دیکھ کے سر ہلاتی ہوئی مالا کا چہرہ مختلف تھا۔ اور اب جیسے کچھ ہوا تھا۔ لیکن چند منٹ میں ایسا کیا ہو سکتا تھا؟

لفٹ نیچے جا رہی تھی اور اس میں ایک تناؤ بھری خاموشی پھیلی تھی۔

"ویدر فورکاسٹ دیکھ لی تھی؟" اس نے برائے بات پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ تب بھی اس کے پیچھے آیا ویلے اس کی کار پارکنگ کے سامنے لا چکا تھا۔ اس دوران مالا خاموش تھی۔ نہ کوئی مسکراہٹ۔ نہ چہرے پہ نرمی۔ بس کار کی طرف آئی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ بیگ اور کوٹ وہاں رکھا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سیٹ بیلٹ باندھی اور اپنی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" کار سڑک پر ڈالتے ہوئے وہ کھنکھارا تھا۔

"نہیں۔" وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ ٹوپی گود میں رکھے ہوئے تھی۔

آج شہر خزاں آلود اور بے رونق تھا۔ کار میں ہیٹر آن تھا۔ البتہ باہر دسمبر کا سرمئی پن ہر جگہ پھیلا تھا۔ ماہر نے فون ہولڈر میں اپنا موبائل کھڑا کیا، میپ آن کیا اور کار ہائی وے پر ڈال دی۔ اس دوران چند ایک دفعہ اس نے کن اکھیوں سے کشمالہ کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اسی طرح باہر دیکھے جا رہی تھی۔ کار میں صرف خاموشی تھی یا صندل کے کار فریشنر کی خوشبو۔

سڑک پہ نگاہیں جمائے ماہر فرید کے ذہن نے جمع تفریق شروع کی۔ ابھی بدر کو ڈراپ کرنے سے پہلے اس نے ماہر کو ٹیکسٹ کیا تھا کہ وہ کبھی استنبول سے باہر لانگ ڈرائیو پہ نہیں گئی اور وہ ایکسائٹڈ ہے۔ اور پھر جب وہ بدر کو چھوڑنے آئی تو ایکسائٹڈ لگ بھی رہی تھی۔ اسی ایکسائٹمنٹ میں اس نے پوچھا تھا کہ

چونکہ ڈرائیو لمبی ہے، تو کیا وہ راستے کے لیے سینڈوچز رکھ لے؟ اور جواب میں ماہر نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"بالکل رکھ لو، شہر کے سارے ریسٹورنٹس تو ہڑتال پہ ہیں نا۔"

"اچھا؟ کیوں؟" پھر اگلے ہی لمحے سمجھ میں آنے پہ آنکھیں گھما کے آگے بڑھ گئی تھی۔

کیا اس نے اس بات کا برا مانا تھا؟ لیکن نہیں، اس کے بعد وہ ٹھیک تھی۔ پھر وہ اوپر اپنا کوٹ لینے گیا تھا۔ وہ واپس آیا تو وہ جا چکی تھی اور سوزی وہاں کھڑی تھی۔

اچانک سے ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا۔

سوزی۔

"سوزی نے کچھ کہا ہے؟" اس نے چونک کے مالا کو دیکھا۔

"کہا نا، کسی نے کچھ نہیں کہا۔" وہ جیسے چڑ کے بولی۔ لیکن وہ سمجھ چکا تھا۔ ان چند منٹ میں یقیناً سوزی کی طرف سے کچھ ہوا تھا۔ اسٹیئرنگ پر جمے اس کے دونوں ہاتھوں کی رگیں تن گئیں۔

"سوزی کو نظر انداز کرو۔ اس کی مدت اس گھر میں گنی جا چکی ہے۔"

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ "کیا مطلب"

"بیربل اسے ڈائیورس دے رہا ہے۔"

کشمالہ ایک دم اس کی طرف پوری گھوم کے بیٹھی۔ ایسے کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"کیا مطلب؟ یہ کب ہوا؟"

"بیربل کو بالآخر سوزی کی اصلیت معلوم ہو چکی ہے اور اسی لیے وہ یہاں سے دور چلا گیا ہے۔ تب تک میں ڈائیورس پیپرز تیار کروں گا اور..."

"ایک منٹ ...ایک منٹ۔ کیسی حقیقت؟ شروع سے بتاؤ۔" وہ جیسے اپنی ساری ناراضی بھول کے پوری اس کی طرف گھوم چکی تھی۔ ماہر فرید کو سوزی اور بیربل کی ڈائیورس کی خوشی پہلی دفعہ دل سے محسوس ہوئی تھی۔

کار میں پھیلا تناؤ ایک دم سے عنقا ہو چکا تھا۔

"بیربل کو اس پہ شاید شک تھا۔ اس لیے اس نے اس کی میک بک کھولی۔ واٹس ایپ پہ ایک لاک چیٹ تھی جس کو اس نے پڑھ لیا۔ اور اس چیٹ کے مطابق سوزی اس سے بے وفائی کر رہی تھی۔"

"مائی گاڈ!" وہ جیسے ششدر رہ گئی۔ سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر چونکی۔

"لیکن بیربل تو اس کے بہت آگے پیچھے پھرتا تھا۔ پھر اس نے اچانک اپنی بیوی کی جاسوسی کرنے کا کیسے سوچا؟" اسے جیسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

ماہر علی فرید نے سادگی سے کندھے اچکا دیے۔

"پتا نہیں یہ آئیڈیا اسے کیسے آیا۔"

"اور اس نے سوزی کا فون نہیں کھولا بلکہ اس کی میک بک کھولی۔ یقیناً اس کے فنگر پرنٹ سے۔ یہ بھی کوئی اچھی حرکت نہیں تھی۔"

"بالکل۔ کافی غیر اخلاقی حرکت ہے۔" ماہر نے اس کی تائید کی۔

وہ ابھی تک افسوس سے سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔

"لیکن پھر وہ یہاں سے چلا کیوں گیا؟ اس سے بات تو کرتا۔"

"پتہ نہیں۔ اس کی مرضی۔ وہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے کہا کچھ دن میں واپس آ جائے گا۔ تب تک میں پیپرز وغیرہ بنوا لوں۔"

"لیکن بیربل ایسے اس کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ وہ اس کی بیوی ہے۔ اسے ایک دفعہ سوزین سے بات کرنی چاہیے۔ کنفرنٹ کرنا چاہیے۔ یا وضاحت مانگنی چاہیے۔"

"اس چیز کے بعد وہ ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں؟"

"نہیں رہ سکتے۔ مجھے معلوم ہے۔ اور میں بالکل نہیں کہہ رہی کہ بیربل کو اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔ لیکن اس کو ایک دفعہ اپنی بیوی سے بیٹھ کے

بات کرنی چاہیے۔ آخران دونوں نے شادی کی ہے وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ بیوی ہے۔"

"تم جانتی ہو یہ شادی کیسے ہوئی تھی اور کیوں ہوئی تھی۔ بیربل کی ڈیسپریشن اور سوزین کا لالچ۔ اگر یہ شادی ختم ہو رہی ہے تو بیربل کو چاہیے کہ جتنی جلدی ہو اسے ختم کر دے۔ تا کہ وہ اس چیز سے نکلے۔"

"مگر یہ شادی ہے، ماہر۔ جب انسان شادی کرتا ہے تو میاں بیوی مل کے ایک خیمہ لگاتے ہیں۔ پھر اس خیمے کی میخیں زمین میں اتنی مضبوطی سے گاڑتے جاتے ہیں کہ بھلے آندھی آئے یا طوفان، انہیں اپنے خیمے کو اڑنے نہیں دینا ہوتا۔ باہر جو کچھ ہوتا رہے، برف باری آئے یا کوئی جنگ چھڑ جائے، میاں بیوی اپنے خیمے کو تباہ ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک اگر آندھی کے پہلے ہی جھونکے پہ خیمہ چھوڑ کے چلا جائے گا، تو یہ کمٹمنٹ تو نہ ہوئی۔ کم از کم اس سے بات تو کرتا۔ اس کی بات تو سنتا۔"

وہ افسوس سے کہتی باہر دیکھنے لگی۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ ہائی وے پر ایگزیٹ لے رہا تھا۔ مالا کے پوچھے بنا بتایا۔

"فیول ڈلوانا ہے۔"

چند منٹ تک کار فیول اسٹیشن پر رکی رہی۔ وہ باہر نکل گیا۔ پھر فیول بھروا کے وہ مالا کی کھڑکی کی طرف آیا اور انگلی سے اس پر دستک دی۔ وہ جو سر پیچھے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی، چونک کے اٹھی۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔

"کافی پیو گی؟"

"ہاں لیکن میں تمہارے ساتھ آؤں گی۔" وہ سیٹ بیلٹ کھولنے لگی۔ پھر باہر نکل کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو اس کے کوٹ کے ساتھ ماہر کا کوٹ بھی رکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ماہر کے کوٹ کو پکڑ کے ہٹاتی، وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"میں کر دیتا ہوں۔" جلدی سے اپنا کوٹ سائیڈ پہ کیا اور اس کا کوٹ اٹھا کے اسے دیا۔

"میں صرف اپنا بیگ لے رہی تھی۔" وہ اس کے ایک دم سے آگے بڑھنے پہ بے اختیار پیچھے ہوئی۔ ماہر نے جھک کے اس کا بیگ نکالا اور اس کے ہاتھ میں دیا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔ وہ کافی شاپ کی جانب بڑھ گئی۔

البتہ ماہر نے اپنے کوٹ کو دوبارہ سے تہہ کیا اور سیٹ کے دوسرے کنارے پر رکھ دیا تا کہ وہ مالا کے کوٹ سے دور رہے۔ پھر اس کے پیچھے آیا۔

جب تک وہ کافی شاپ کے اندر پہنچا وہ کافی کا آرڈر دے چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ پے منٹ کی۔ اور جب باریستا نے دونوں کپ ان کے سامنے رکھے اور ماہر نے اپنی کافی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مالا نے اس کے کپ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس نے چونک کے مالا کو دیکھا۔ سر پہ سفید ٹوپی پہنے وہ سنجیدہ سبز آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا؟"

"تم یہ کافی پوری ختم کرو گے۔ نہ گراؤ گے، نہ بچاؤ گے۔"

اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یس میم۔"

وہ ابھی گلہ آمیز نظروں سے اس کافی سنوب کو دیکھے گئی۔ ہاتھ ابھی تک کافی کپ کے سامنے رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

"نہیں گراؤں گا۔" ماہر کو پھر سے تسلی دینی پڑی۔ تب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا۔ بنا کوٹ کے چند لمحے کے لیے نکلنے پہ بھی، تھرمل اور سویٹر کی تہیں پہننے کے باوجود اسے شدید سردی لگنے لگی تھی۔ انہیں واپس کار میں بیٹھنا تھا۔

کافی ویسی ہی تھی جیسی کسی فیول اسٹیشن کی کافی مشین کی ہو سکتی تھی۔ ڈرائیو کرتے ماہر کے کپ میں کافی کی سطح تھوڑی ہی نیچے ہوئی تھی جب اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی اترنے لگی۔ البتہ کن انکھیوں سے مالا کا چہرہ دیکھا جو بار بار اس کے کپ کو دیکھتی اور پھر سامنے دیکھتی اپنا گھونٹ بھرتی تھی۔ اسے یہ ختم کرنی

digest library.com

تھی۔ وہ اس کا موڈ دوبارہ خراب ہونے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

بادل نخواستہ اس نے بڑے بڑے چند گھونٹ بھر کے وہ کڑوا سیال مائع اپنے اندر اتارا۔ سفر خاموشی سے جاری تھا۔ اب کار کے ایک طرف پانی دکھائی دینا شروع ہو گیا تھا۔ البتہ آبادی کے ابھی کوئی آثار نہیں تھے۔

"پھر سے بتاؤ، ہم اغوہ کیوں جا رہے ہیں؟" وہ کھڑکی سے باہر پانی کو دیکھتی پوچھنے لگی۔

"وہاں ایک بوڑھا کپل رہتا ہے جو ٹیپسٹری بناتے ہیں۔" مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔

"ٹیپسٹری؟" ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہلال کو بھی انہوں نے سکھائی تھی۔ ہم چھٹیوں میں یہاں آتے تھے۔ وہ شیلے کے کپڑے سے ٹیپسٹری اور پینٹنگز بناتے ہیں۔ یہ اغوہ کا مشہور کپڑا ہے جو ہاتھ سے بُنا ہوتا ہے اور اس میں سے سمندر کی خوشبو آتی ہے۔"

"انٹرسٹنگ۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"ان کے پاس ایک ٹیپسٹری ہے۔ گھوڑوں کی۔ مجھے وہ بہت پسند ہے۔ وہ شیلے کے کپڑے پہ ہاتھ سے بنی ہوئی ہے۔ میں اس کو قرمزی عمارت میں اپنے آفس میں رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہ کسی قیمت پہ مجھے یہ دینے پہ تیار نہیں ہیں۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ میں ان کو کونینس کروں کہ وہ تمہیں یہ ٹیپسٹری دے دیں۔ کیا تم نے پیسے آفر کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

جواب میں ماہر نے جیسے برامان کے اسے دیکھا۔

"ہر چیز پیسے سے نہیں خریدی جا سکتی، کشمالہ خانم۔ اس ٹیپسٹری کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی ہے۔"

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او کے۔ مجھے کچھ بتاؤ ان کے بارے میں۔ وہ دونوں کون ہیں؟"

(وہ اغوہ کا ایک خوبصورت گھر تھا۔

قاسم پتی کے پھولوں سے مزین باغیچہ۔ پتھریلی روش۔ اختتام پہ زینے اور پھر دروازہ۔ چوکھٹ پہ بیلوں کی آرائش تھی۔

اندر جاؤ تو لکڑی کا ایک لونگ روم بنا تھا جس کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور ایک آرام کرسی پر قدرے بھاری سی عورت یوں بیٹھی تھی کہ پیر اوٹومن پر رکھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں اُون کی سلائیاں تھیں اور ناک پہ عینک لگائے وہ انگلیوں کو سست روی سے گھماتی اُون کا سوئیٹر بُن۔ رہی تھی۔ باب کٹ بال سلکی اور سفید تھے اور کانوں میں موٹی موٹی سونے کی بالیاں تھیں۔ وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے نیلی آنکھوں سے گھڑی کو دیکھتی تھیں۔ پھر پیچھے کہیں کسی کو آواز دی۔

"ماہر ابھی تک نہیں پہنچا؟"

پیچھے کچن سے ایک بوڑھا آدمی آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ڈریس پینٹ اور شرٹ پہ سوئیٹر پہنے وہ دھیرے دھیرے چلتا دو کپ اٹھائے ہوئے تھا جن سے بھاپ اُڑ رہی تھی۔ ہاتھوں میں لرزش تھی۔ اس کی گردن عمر رسیدگی کے باعث قدرے جھکی ہوئی تھی اور بال اپنی بیوی کی نسبت اڑے اڑے تھے۔ عام ترکش مردوں کے برعکس وہ بالکل کلین شیو تھا۔ لونگ روم میں آتے ہوئے گھڑی پہ ایک نگاہ ڈالی۔ پھر سر دائیں سے بائیں ہلایا۔

"نہیں۔ ابھی تک نہیں پہنچا۔"

سامنے کھڑکی کے ساتھ ایک چار بٹا پانچ فٹ کا فریم رکھا تھا جس کے اوپر موٹی سفید چادر ڈلی تھی۔)

"آغا اور بانو۔ وہ آرٹسٹ لوگ ہیں۔ بوڑھے ہیں۔ بیمار ہیں۔ اور ایک زمانے میں شیلے کے کپڑے کو ایکسپورٹ کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سے ورکرز رکھے ہیں جو دریا کے کنارے جوق در جوق کھڑے آج بھی ہاتھوں سے شیلے کا کپڑا بنتے ہیں۔

آغا کے ہاتھ میں رعشہ ہے جس کے باعث اسے ایک ٹیپسٹری بنانے میں کئی مہینے لگ جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی ہر ٹیپسٹری ان کے لیے بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"پھر تمہیں ان سے ان کی ٹیپسٹری نہیں لینی چاہیے۔"

ماہر نے مزید برا مان کے اسے دیکھا۔

"تم کس کی سائیڈ پہ ہو؟"

مالا نے شانے اچکا دیے اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

سورج کہیں بادلوں کے اوپر سے چمکنے کی کوشش کر رہا تھا اور سرمئی دن میں ہلکا سا سنہری پن اچھا لگ رہا تھا۔ البتہ مکمل طور پہ دھوپ نہیں نکلی تھی۔

کار اس بل کھاتی سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی جب وہ کھنکھارا۔

"وہ جو تم نے کہا خیمہ لگانے کے بارے میں..."

"خود سے نہیں کہا، کہیں پڑھا تھا۔" وہ گردن پوری موڑے باہر دیکھے گئی۔

"جو بھی تھا۔ کیا تم خود بھی اس پہ یقین رکھتی ہو؟"

"کس پہ؟"

"یہی کہ شادی ایک خیمہ لگانے کے جیسی ہوتی ہے۔ وہ خیمہ جس کو طوفان اور آندھی میں تھام کے بیٹھنا ہوتا ہے۔"

مالا نے چہرہ پورا موڑ کے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟"

اسٹیئرنگ پر جمے ماہر کے ہاتھوں کی رگیں مزید تن گئیں۔

"کیا تم نے کبھی دوبارہ اس خیمے کو لگانے کی کوشش نہیں کی؟"

مالا نے چہرہ ونڈ اسکرین کی جانب موڑ لیا۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ ایسی خاموشی کہ ماہر کو لگا وہ جواب نہیں دے گی۔ اور پھر...

"کی تھی۔"

اس نے چونک کے مالا کو دیکھا۔ وہ عام سے انداز میں سیدھ میں سڑک کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"چند ایک دفعہ مجھے ماہی نے اور کچھ فرینڈز نے ملوایا... کچھ لوگوں سے۔ اچھے، پڑھے لکھے، ہائی اچیونگ مرد۔ اچھی فیملیز کے۔ ان میں سے ایک وین کوور میں انویسٹمنٹ بینکر تھا۔ اور اس نے مجھے..."

"اٹس او کے۔" وہ جلدی سے بولا۔ اس کا جیسے حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔ مالا نے بات وہیں چھوڑ دی۔ چہرہ موڑ کے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

کار کے اندر اب کے جو خاموشی چھائی اس میں شدید تناؤ تھا۔ اس نے غلط سوال پوچھ کے غلط جواب سن لیا تھا۔

پھر تناؤ دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا۔ وہ چھوٹی موٹی باتیں کرتے آئے۔ اس طرف کون سا علاقہ ہے؟ اوہ، دھوپ نکل آئی ہے۔ اس شخص نے ایسا لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ کتنا راستہ رہ گیا ہے؟

یہاں تک کہ آبادی دکھائی دینے لگی۔ وہ دو دریاؤں کے درمیان بنا شہر تھا۔ اغوہ کے معنی بھی دو دریاؤں کے درمیان تھا۔ پانی کے کنارے ماچس کی ڈبیوں جیسے بہت سے اونچے نیچے گھر بنے تھے۔ اس شہر میں تقریباً ہر شے ہی پانی کے کنارے تھی۔

ماہر نے کار روکی تو وہ باہر نکلی۔ اپنا کوٹ نکالا۔ اسے پہنا۔ ٹوپی ٹھیک سے سر پر جمائی اور فرصت سے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ سڑک کنارے ایک ایسی گزرگاہ کے قریب تھے جس کے آگے پانی تھا اور ایک جانب لمبی روش بنی تھی جس پر جگہ جگہ میز کرسیاں رکھی تھیں اور رنگ برنگے لالٹین اوپر سے لٹک رہے تھے۔ اسے یوں ہی بلت یاد آیا۔

"یہاں رہتے ہیں وہ دونوں؟" حیرت سے ماہر کو دیکھا کیونکہ وہ کسی گھر کی توقع کر رہی تھی۔

"نہیں۔ پہلے ہم لنچ کر لیں۔"

مالا نے پوری آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔
"ہم ان سے ملنے آئے ہیں یا لنچ کرنے؟"
"ان سے ملنے آئے ہیں۔ لیکن میں نے ناشتا نہیں کیا تھا۔ صرف وہ کافی پی تھی جو..." بہت مشکل سے فیول اسٹیشن کی کافی کی شان میں کچھ کہنے سے خود کو روکا۔
"اور جو لوگ مجھے پیسٹری دینے پہ تیار نہیں ہیں تمہارے خیال میں وہ کچھ کھلائیں گے؟"
کشمالہ نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا اور میزوں کی جانب بڑھ گئی۔ وہ کار کو لاک کرتا اس کے پیچھے ہولیا۔
"میں نے جو تم سے پوچھا کار میں..."
وہ دونوں آمنے سامنے لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اوپر رنگ برنگے قمقمے لٹک رہے تھے اور سامنے پرسکون پانی بہہ رہا تھا۔ یہاں پانی ندی کی صورت بہتا تھا۔ اس کے دوسرے پار بھی ایسی ہی میزوں کی قطار تھی اور کوئی دوسرا ریسٹوران تھا۔ دونوں کے درمیان پلیٹیں رکھی تھیں جن میں مچھلی اور چند چٹنیوں کی ننھی کٹوریاں تھیں۔ ساتھ بریڈ کے ٹکڑے۔ گرم مچھلی۔ ٹھنڈی بریڈ۔
"اگر تمہیں برا لگا ہو تب بھی میں شرمندہ نہیں ہوں۔" وہ کہنیاں میز پر رکھے لقمہ لیتے ہوئے اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔
وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔
"میں تو بتانے کو تیار تھی۔ تم سننا ہی نہیں چاہتے تھے۔"
"میں ان آدمیوں کی تفصیل نہیں پوچھ رہا تھا جن کو کبھی تم نے اس قابل سمجھا کہ تم ان کو اپنی زندگی میں شامل کرو۔"
سفید ٹوپی اور سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر کے پیچھے ندی کی صورت پانی بہہ رہا تھا۔ دھوپ اس کی پشت پہ تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ دھوپ اور مالا کے درمیان تھا۔ کسی آڑ کی طرح۔
"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا تمہارے اندر دوبارہ اس خیمے کو لگانے کا حوصلہ ہے؟"
مالا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ اس نے بہت سا تھوک نگلا۔ آنکھیں البتہ ماہر پہ جمی تھیں۔
"تم جانتے ہو میں کس تکلیف سے گزری ہوں۔ یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے پہلی شادی کتنی امید سے کی تھی۔ جیسے ہر لڑکی کرتی ہے۔ لیکن وہ نہیں چل سکی۔ اس کے بعد دوبارہ یہ قدم اٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خود کو تیار کرنا۔ لیکن یہی فرق ہوتا ہے مردوں اور عورتوں میں۔"
ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ بریڈ توڑتی انگلیاں تھم گئیں۔
"عورت بھلے کمٹمنٹ کے لیے تیار نہ ہو، لیکن اسے کوئی بھروسے کے قابل مرد ملے تو وہ خود کو تیار کر لیتی ہے۔ لیکن مرد جب تک تیار نہیں ہوتے، وہ کمٹمنٹ نہیں کرتے۔ چاہے سامنے دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب تیار ہو جائیں تو پہلی ہی دستیاب لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں۔ چاہے وہ جیسی بھی ہو۔"
"جیسے بیربل... جب وہ تیار تھا تو اس نے سوزی سے..."
"نہیں، ماہر۔ میں بیربل کی بات نہیں کر رہی۔ میں تمہاری بات کر رہی ہوں۔ تم تیار نہیں تھے جب تم لاہور چھوڑ کے آئے تھے۔"
دریا کنارے رنگین قمقموں کے درمیان ایک لمحے کے لیے بالکل سناٹا چھا گیا۔
"ہر چیز اتنی پیچیدہ نہ ہوتی اگر تم اس وقت کچھ کہے بنا لاہور چھوڑ کے نہ جاتے۔ لیکن تم تیار نہیں تھے۔ تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ تم مجھے اپنا سچ بتا سکو۔ اگر تم مجھے اپنے منہ سے سچ بتا دیتے تو آج ہم ادھر نہ ہوتے۔ یا کم از کم میں نے تمہاری بات سنی ہوتی زیاد کے معاملے میں۔" وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔
"سارا قصور میرا ہے کیا؟"
"نہیں، میرا بھی ہے۔ غلط شخص پہ بھروسہ کیا

جس پہ کرنا چاہیے تھا اس پہ نہیں کر سکی۔" اس نے جھرجھری لے کے سر دائیں بائیں ہلایا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب کر سکتی ہو بھروسہ؟"

مالا نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں لاہور چھوڑ گیا تھا۔ لیکن تم استنبول چھوڑ کے نہیں گئیں۔ حالانکہ تمہارے پاس بدر کا ٹریول ڈاکومنٹ بھی ہے۔"

شاید اس کو لگا تھا کہ اس بات پہ وہ حیران ہو جائے گی۔ یا شاید شرمندہ۔ البتہ وہ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھے گئی۔

"میں کیسے چھوڑ کے جا سکتی تھی؟ جب [illegible] ہماری گفتگو مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ گفتگو جو تم نے پولیس اسٹیشن کے باہر شروع کی تھی۔"

ماہر کا سانس ایک لمحے کے لیے تھم گیا۔ اوہ۔ تو وہ اتنے دن سے اس کے گفتگو مکمل کرنے کی منتظر تھی۔ اور وہ اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔

وہ دھیرے سے پیچھے کو ہوا۔ باکس سے چند ٹشو کھینچ کے نکالے۔ ہاتھوں اور ناخنوں کو خواہ مخواہ رگڑ کے صاف کرنے لگا۔ پھر نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پولیس اسٹیشن کے باہر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس شہر میں ٹھہر سکتی ہو۔ میں جانتا ہوں تمہارے لیے زندگی دوبارہ شروع کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن تم یہ کیوں سوچتی ہو کہ تمہیں ہر چیز اکیلے کرنی پڑے گی؟ ہر مرد اس ایک مرد کی طرح نہیں ہوتا جس کو تم نے اپنی زندگی کا پیمانہ بنا لیا ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ ہر مرد اس جیسا نہیں ہوتا۔"

"تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں نے کبھی تم سے موو آن نہیں کیا۔ کوشش کے باوجود نہیں کر سکا۔ زارا سے شادی کر رہا تھا کسی اور وجہ سے۔ مگر تمہارے بعد زندگی میں کوئی نہیں آیا۔ اور اب مجھے لگتا ہے کہ کوئی آ بھی نہیں سکے گا۔"

وہ کہہ رہا تھا اور وہ بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے سے آتی دھوپ کا راستہ رک گیا تھا۔ صرف وہ تھا، اوپر نیچے لٹکتے قمقمے تھے اور ندی جیسا پانی۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی میں پہلے ہی بہت مسئلے ہیں۔ اور میں یہ بالکل نہیں کہہ رہا کہ اگر تم اس شہر میں رہ جاؤ، میرے لیے .... میرے ساتھ ... تو تمہارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ زیاد کبھی تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔ یا بدر سے جڑے تمام اندیشے دور ہو جائیں گے۔ میں یہ بالکل نہیں کہہ رہا۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ..."

اس نے دونوں مٹھیاں میز پر رکھیں اور آگے کو [illegible] ہوا۔

"میں نے اور تم نے اپنی اپنی اناؤں میں، غصے میں، غلط فہمی میں، بہت سا وقت ضائع کیا ہے۔ لیکن میرے ساتھ تم اکیلی نہیں ہو گی۔ جو خیمہ ہم نے لگانا ہے وہ ہم ایک ساتھ لگائیں گے۔ میں یہ وعدہ نہیں کرتا کہ کبھی کوئی آندھی نہیں آئے گی، یا طوفان ہم سے نہیں ٹکرائے گا۔ لیکن میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ تمہیں اور بدر کو میں ہمیشہ پروٹیکٹ کروں گا۔ میں جانتا ہوں میری بہت سی چیزوں سے تمہیں بہت سے مسئلے ہیں۔ لیکن ایک چیز جس پہ تم کبھی شک نہیں کر سکتیں، وہ میری فیلنگز ہیں۔ یہ پہلے دن سے اب تک نہیں بدلیں۔ حالانکہ درمیان میں تم نے بہت سے موقعوں پہ مجھے بہت غصہ بھی دلایا، بہت ہرٹ بھی کیا اور مایوس بھی۔ بہت دفعہ میں نے کوشش کی کہ میں کشمالہ مبین سے موو آن کر جاؤں۔

میں نے تمہاری ساری بری باتیں یاد کیں۔ اور ہاں، تمہارے اندر بہت سی بری باتیں ہیں، جن میں سے سب سے سر فہرست تمہارا ضدی پن ہے اور دوسروں کو بالکل شٹ آؤٹ کر دینا۔ تم ہمیشہ جگہ چھوڑ کے چلی جاتی ہو۔ تمہیں کنفرنٹ کرنے سے زیادہ فرار بہتر لگتا ہے۔ اور یہی بری باتیں میرے اندر بھی ہیں۔ میں نے بھی بہت دفعہ یہی کیا ہے۔ اس سب

digest library.com

کے باوجود میں یہ جانتا ہوں کہ کوئی مجھے تم سے زیادہ سمجھ نہیں سکتا۔ اور تمہیں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ تمہیں مجھ سے اچھے لوگ بھی مل سکتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے کبھی کسی کے اوپر دوبارہ بھروسہ کرنا ہی ہے، اور تمہیں لگتا ہے کہ تم زندگی دوبارہ شروع کرنا چاہتی ہو، تو کیا تم میرے اوپر بھروسہ کر سکتی ہو؟"

اس کو دیکھتی مالا کی سبز آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اس کے ہونٹ بند تھے۔

"کیا تمہیں میں ایسا انسان لگتا ہوں جس پہ بھروسہ کیا جا سکے؟"

مالا اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ کچھ نہیں بولی۔

"تمہارے خیال میں، میں کون ہوں؟ کیسا انسان ہوں؟" ماہر کی آواز میں اب زخمی پن تھا۔ وہ جیسے تکلیف سے پوچھ رہا تھا۔ وہ کیا کہے گی؟ کلاسک مینوپولیٹر؟ جھوٹ اور سچ کو خلط ملط کرنے والا؟ فریب کار انسان؟ وہ کیا کہے گی اس کے بارے میں؟ وہ کیا رائے رکھتی تھی اس کے لیے؟ اور وہ کچھ کہہ کیوں نہیں رہی تھی؟

مالا نے پلکیں جھپکیں۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"ہمیں واپس بھی پہنچنا ہے، ماہر۔ چلو۔"

وہ بیگ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا جو اس کے اندر ڈوب کے ابھرا۔ پھر اس نے سر ہلا دیا۔ خاموشی سے چابی اٹھائی اور کچھ کہے بنا کار کی طرف چل دیا۔

وہ گفتگو مکمل کرنا چاہتی تھی اور اس دفعہ وہی گفتگو ادھوری چھوڑ رہی تھی۔ اب وہ دوبارہ اس گفتگو کو کیسے شروع کرے گا؟

☆☆☆

قاسم پتی کے پھولوں سے مزین باغیچہ ان کا منتظر تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ البتہ ٹھنڈ اتنی تھی کہ اس باغیچے میں بیٹھنا ناممکن تھا۔ سو وہ دونوں لکڑی کے لونگ روم کے اندر لیدر کے صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے اونچی کرسی پر بیٹھی بھاری بھرکم چھوٹے سفید بالوں والی بانو بیٹھی تھیں۔ ان کو دیکھ کے سلائیاں اور اون گود میں رکھ لیا تھا۔ عینک اتار دی تھی اور ایکس رے کرتی نگاہوں سے پہلے ماہر کو دیکھا پھر مالا کو، سر سے پیر تک، پھر ماہر کو، وہ اسی طرح مسکرائے گیا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"پیسٹری کے لیے آئے ہو؟" ابرو اٹھا کے پوچھتی بوڑھی بانو کا چہرہ سپاٹ تھا۔ نہ مسکراہٹ تھی نہ ہی کوئی خفگی۔ ماہر نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ وہ اپنی کاروباری مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔

"یہ مالا ہے۔" اس نے تعارف کروایا۔ مالا نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلایا۔ بانو رسمی سا مسکرائیں۔ پھر واپس ماہر کو دیکھا تو مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔

"اور اس کو اپنی وکالت کرنے کے لیے ساتھ لائے ہو؟"

"گلٹی ایز چارجڈ" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ مالا نے اپنا کوٹ اتار دیا تھا۔ البتہ ماہر گرم لونگ روم کے باوجود اپنے لمبے کوٹ میں ملبوس تھا۔

"خوش آمدید، مالا۔"

بوڑھا آدمی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا تو ٹرے، ہاتھوں کی کپکپاہٹ کے باعث ہلکی ہلکی ہل رہی تھی اور پیالیاں چھنک رہی تھیں۔ مالا تیزی سے اٹھی اور ان سے ٹرے لینی چاہی۔ لیکن انہوں نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا اور بدقت جھک کے ٹرے میز پر رکھی۔ اس میں چائے کی پیالیاں تھیں اور کپکپاہٹ کے باعث ذرا ذرا سی چائے باہر گری تھی۔

بانو نے افسوس سے آغا کو دیکھا پھر پیالیوں کو۔ آغا کسی عادت کی طرح ایک ٹشو باکس کی طرف جھکا، بدقت تین ٹشو نکالے اور پرچوں کے کناروں کو صاف کیا۔ پھر ٹشو ڈسٹ بن میں ڈالنے گیا۔ بانو کی نگاہوں نے تب تک اس کا تعاقب کیا جب تک وہ ساتھ رکھی کرسی پر آ کے بیٹھ نہیں گیا۔ اب وہ دونوں بوڑھے ان

کے سامنے ایک جیسی کرسیوں پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ لیکن ایسی خاموشی جس میں بہت سا سکون تھا۔
"آپ دونوں کتنے عرصے سے ساتھ ہیں؟" مالا نے دلچسپی سے ان کو دیکھا تھا۔ اور ماہر نے اسے۔
بانو ہلکا سا مسکرائیں۔
"پینتالیس سال سے۔ ہمارے بچے اپنی اپنی یونیورسٹی، شادیوں اور اپنے بچوں میں مصروف ہو کے جا چکے ہیں۔ چھٹیوں اور تہواروں میں آتے ہیں۔ ایک کیئر ٹیکر ہے جو ہمارا خیال رکھتی ہے۔" ابرو سے کچن کی طرف اشارہ کیا جہاں سے کھٹ پٹ سنائی دے رہی تھی۔
ان دونوں کو ساتھ دیکھ کے کچھ تھا جو اس کے چہرے پہ لہرایا تھا۔ وہ مسکرا دی۔
"آپ کی انگلش بہت اچھی ہے۔ حالانکہ اس ملک میں لوگوں کی انگلش زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔"
"میں ایک لمبا عرصہ انگلش ٹیچر رہی ہوں۔" بانو مسکرا کے بولیں۔ ان کا لہجہ برطانوی انگریزی کے جیسا تھا۔
"اگر میں آپ سے پوچھوں کہ زندگی نے آپ کو وہ کون سا سبق دیا جو آپ ہر ایک کو دینا چاہیں گی؟"
جواب میں بانو کی آنکھوں میں سوگواریت اتری۔
"زندگی نے مجھے ایک بات سکھائی ہے۔" وہ جیسے سانس رد کے رکی تھیں۔
"کہ کوئی کسی کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتا۔"
لکڑی کے لونگ روم میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔
پھر ماہر کھنکھارا۔
"جیسے یہ ٹیپسٹری۔ یہ بھی آپ کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے میں اسے لینے آیا ہوں۔" وہ مسکرا بھی رہا تھا۔
بانو نے اسی تیکھی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔
"اور ہم یہ تمہیں کیوں دے دیں؟ تاکہ تم اس کو اپنے دفتر میں ٹانگ کے بھول جاؤ؟ ہاں، تمہارا کوئی فارنر مہمان آئے گا تو تم فخر سے دومنٹ کے لیے رک کے اسے کہو گے کہ یہ شیلے کے دھاگوں سے بنی ہے۔ اس میں سے سمندر کی خوشبو آتی ہے۔ پھر تم ان کو بتاؤ گے کہ اغوہ کے شہر میں ابھی تک لوگ ہاتھ سے کپڑا بُنتے ہیں۔ یہ کہہ کے تم دونوں آگے بڑھ جاؤ گے۔ تمہارے اس چند سیکنڈ کے فخر کے لیے، کیا ہم یہ ٹیپسٹری تمہیں یونہی اٹھا کے دے دیں؟"
ماہر نے گہری سانس لی۔ پیچھے ہو کے بیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور سینے پر باز ولپیٹ لیے۔ جیسے اس کے پاس بولنے کے لیے اب کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ ابرو سے مالا کو اشارہ کیا۔
بانو اور آغا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسی دلچسپی سے کشمالہ کو۔ چائے کی پیالیوں کو کسی نے چھوا تک نہ تھا۔
"تم چاہتی ہو کہ ہم یہ ٹیپسٹری اس کو دے دیں؟ اس روبوٹ کو؟ جو کسی دن اچھی قیمت ملنے پہ اس کو بیچ بھی سکتا ہے؟"
"کیا آپ نے پہلے کبھی ماہر کو کوئی ٹیپسٹری نہیں دی؟"
بانو نے نفی میں سر ہلایا۔
"اس نے کبھی مانگی ہی نہیں۔"
"اور اب وہ مانگ رہا ہے۔"
"کیونکہ ہمارا آرٹ ورک قیمتی ہے۔ اس کو اپنی عمارت میں لگانے سے اس کے آفس کی شان بڑھ جائے گی۔ لیکن ماہر فرید اس آرٹ کو اپنے تک محدود کر کے رکھنا چاہتا ہے۔"
"اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"
دونوں بوڑھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسے۔
"ہم اس کو اغوہ کے میوزیم میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ دور دور سے جب اس شہر میں آئیں تو وہ اس ٹیپسٹری کو دیکھیں اور انہیں اس سے سمندر کی خوشبو آئے۔"

digest library.com

مالا نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ صوفے پر قدرے آگے کو ہوئی۔ اس دوران ٹیک لگائے بیٹھے ماہر کی نگاہیں مالا اور اس بوڑھے کپل کے درمیان ٹینس بال کی طرح گھوم رہی تھیں۔

"میں آپ کی بات سمجھ سکتی ہوں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے آرٹ کی قدر کی جائے۔ اس کو بھلایا نہ جائے۔ یقیناً اغوہ کے میوزیم میں اس کو بہت عزت دی جائے گی۔ سیاح آئیں گے۔ وہ اس کو دیکھیں گے۔ اس کے ساتھ لگی پلیٹ پر لکھی چند سطور پڑھیں گے۔ کوئی گائیڈ کھڑا ہو تو وہ انہیں اس کے بارے میں مزید آگاہی دے گا۔ اور پھر وہ وہاں سے چلے جائیں گے۔ اور آپ کی پینٹنگ صرف اس چھوٹے سے شہر میں آنے والے سیاحوں تک محدود ہو جائے گی۔"

بوڑھی بانو خاموشی اور دلچسپی سے گال تلے انگلیاں رکھے مالا کو دیکھے گئی۔

وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ بولتے ہوئے ایک کان کے پیچھے بال اڑس رہی تھی۔ کان ٹوپی نے چھپا رکھا تھا۔ بال سامنے سے ہٹے تو ان میں ننھی سی بالی واضح ہوئی۔ کھڑکی سے دھوپ اس بالی پہ پڑی اور ساتھ ہی اس کی سبز آنکھوں کو سنہرے رنگ میں تبدیل کرتی گئی۔

"لیکن اگر یہی پینٹنگ ماہر فرید کے آفس میں لگی ہو گی تو کیا ہو گا؟" وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ بالی چمک رہی تھی اور وہ اس کے نیم رخ کو دیکھے جا رہا تھا۔

"اس آفس میں سیاح نہیں آتے۔ وقت گزارنے، کھانے پینے اور شغل میلے کے لیے لوگ اس جگہ کا رخ نہیں کرتے۔ بلکہ وہاں دنیا بھر سے کاروباری افراد آتے ہیں۔ اپنی اپنی زندگیوں میں کامیاب اور ہائی اچیونگ لوگ۔ وہ وقت ضائع کرنے نہیں آتے۔ کسی مقصد کے لیے آتے ہیں۔ جب وہ اس آرٹ ورک کو ماہر فرید کے آفس میں دیکھیں گے تو وہ دیوار پر لگی پلیٹ پہ درج چند سطور نہیں پڑھیں گے۔ نہ ہی وہ کسی گائیڈ سے اس کے بارے میں رٹی رٹائی باتیں دریافت کریں گے۔ بلکہ وہ ماہر فرید سے اس کی کہانی پوچھیں گے۔ اور اس کہانی کو سنانے والا شخص ماہر بے سے بہتر کون ہو سکتا ہے، جو کئی گھنٹوں کی مسافت طے کر کے یہاں اس آرٹ کو آپ سے لینے آیا ہے۔ ورنہ وہ کسی بھی کاروباری شخص کی طرح پیسوں کا لفافہ تھما کے اس کو آرام سے اٹھا کے لے جا سکتا تھا۔"

بوڑھے آغا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ بانو نے اپنا استخوانی ہاتھ اس کے لرزتے گھٹنے پر رکھا۔ وہ پہلو بدل کر خاموش ہو گیا۔

ماہر نے ایک پیالی اٹھالی۔ ٹیک لگائے گھونٹ بھرتے وہ مسکراہٹ دبائے اسے بولتے سنتا گیا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ ماہر بے کو کیا سمجھتے ہیں۔ اور کچھ غلط بھی نہیں سمجھتے۔" وہ ماہر کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔ یہ وہی مہربان اور نرم چہرہ تھا جو اس نے اوشن میں پہلی دفعہ اپنے سامنے دیکھا تھا۔ جب وہ وہاں جاب انٹرویو کے لیے گیا تھا۔ جب وہ کیف تھا۔ اور وہ صرف مالا۔ جب زندگی اتنی پیچیدہ نہیں تھی۔ اور جب حالات مختلف تھے۔

"ماہر بے واقعی ایک روبوٹ ہے۔ مشینی انسان۔ اس کو پیسے سے محبت ہے اور وہ بہت سے فیصلے پیسے بچانے یا پیسے جمع کرنے کے لیے لیتا ہے۔ ماہر چیزوں اور انسانوں کو مینوپلیٹ بھی کرتا ہے۔ ہمیشہ سچ نہیں بولتا۔ اور پورا سچ تو شاید کبھی نہیں بولتا۔"

ماہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ دھوپ تیز ہو چکی تھی اور اس کا نیم رخ سے دکھائی دیتا چہرہ مکمل دمک رہا تھا۔

"جس ماہر فرید کو میں جانتی ہوں اس کے اندر یہ ساری مشینی خصوصیات موجود ہیں۔ لیکن وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ وہ مہربان بھی ہے اور قدردان بھی۔ وہ اپنی بات سے پھرنے والا مرد نہیں

ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اپنی سب سے قیمتی چیز کے لیے اس پہ بھروسہ کرنا آپ کو بہت مشکل لگ رہا ہے۔ کیونکہ شاید آپ کے ساتھ زندگی نے پہلے کچھ ایسے دھوکے کیے ہوں گے کہ آپ ہر رسی کو سانپ سمجھتے ہوں اور دوبارہ بھروسہ کر کے بھروسہ ٹوٹنے کی تکلیف نہیں اٹھانا چاہتے۔"

ماہر نے پیالی کا ہینڈل دو انگلیوں سے تھام رکھا تھا البتہ اسے ہونٹوں تک نہیں لے کر جا رہا تھا۔ نگاہیں بس اس پہ جمی تھیں۔

"لیکن سارا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم سب اپنی اپنی کمفرٹ زون میں بیٹھے رہیں گے اور بھروسہ کرنے کا رسک نہیں لیں گے، تو ہم ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح متعفن ہو جائیں گے۔ بھروسہ تو کرنا ہوگا۔ اندھا یقین تو لینا ہوگا۔ بھروسہ کر کے ایک جست تو لگانی ہوگی۔ اور اگر آپ کے سامنے ایک ایسا انسان موجود ہے جس سے آپ کو بہت سے گلے رہے ہوں، بہت مسئلے بھی درمیان میں آئے ہوں، اور آپ شاید اس کی ہر بات سے راضی نہ ہوں، تب بھی میں آپ سے کہوں گی کہ اس ایک انسان پہ آپ بھروسہ کر کے دیکھ لیں۔ یہ آپ کا دل نہیں دکھائے گا۔ اور یہ آپ سے کیا وعدہ بھی نہیں توڑے گا۔ کیونکہ ماہر اپنے سے جڑے لوگوں کے مان کو ہمیشہ رکھتا ہے۔ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ان کے لیے جو کر سکتا ہے، وہ کرتا ہے۔ اور اگر کبھی نہ کبھی آپ کو اس ٹیپسٹری کے لیے کسی پہ بھروسہ کرنا ہی ہے، تو پھر ماہر فرید کیوں نہیں؟"

ماہر کو لگا ایک گیلی سی گیند تھی جو اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔ شاید وہ ٹیپسٹری کی بات کر رہی تھی۔ شاید وہ ٹیپسٹری کی بات نہیں کر رہی تھی۔ لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی تک ان دونوں بوڑھوں سے کچھ کہے جا رہی تھی۔ لیکن جو اس کو سننا تھا وہ سن چکا تھا۔ اسے لگا اس کی اپنی آنکھوں میں پانی آ رہا ہے، اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی، انگلی کی نوک سے اسے صاف کیا۔ اتنی مہارت سے کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکا۔ پھر سیدھا ہو کے بیٹھا اور اپنی کاروباری مسکراہٹ چہرے پر سجائے گفتگو کی طرف متوجہ ہوا۔ بوڑھی بانو مسکراتے ہوئے سر ہلا رہی تھیں۔

"تم لوگ یہ ٹیپسٹری لے جا سکتے ہو۔"

آغا نے ایک نظر اپنی بیوی کو دیکھا۔ وہ کسی بات سے غیر آرام دہ تھا۔ پھر کندھے اچکائے۔ ساتھ ہی وہ سر دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ جیسے وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

مالا نے مسکرا کے اس کی جانب چہرہ موڑا تو وہ مسکرایا۔ مالا کی آنکھیں بھیگی ہوئی نہیں تھیں۔ لیکن ان میں ایک گلابی پن تھا جس کو وہ پہچانتا تھا۔

آغا اٹھا اور جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ کھڑکی تک آیا۔ ماہر تیزی سے ساتھ کھڑا ہوا اور اس کے ہمراہ کپڑے میں لپٹی ٹیپسٹری اٹھائی۔

اب وہ تینوں ماہر کی کار کے ساتھ کھڑے تھے۔ ٹرنک میں ٹیپسٹری کو احتیاط سے رکھ کے ماہر نے ٹرنک بند کیا۔ وہ آغا کو مسکرا کے الوداع کہتی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ رہی تھی۔ ماہر اس کی کھڑکی کے پاس جھکا۔

"میں بانو کو خدا حافظ کہہ آؤں۔" مالا نے سر اثبات میں سر ہلایا اور سیٹ بیلٹ پہننے لگی۔ وہ تیز قدموں سے چلتا لکڑی کے زینے عبور کرتا اندر آیا۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کا فرش چٹختا تھا۔

بانو ونگ چیئر پر اسی طرح پاؤں اونچے کیے بیٹھی تھیں۔ ابھی تک انہوں نے سلائیاں نہیں اٹھائی تھیں۔ ہاتھ صوفے کے ہتھے پر جمائے وہ مسکرا کے اسے آتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ان کے قریب آیا۔ پھر دونوں ہاتھ باہم ملائے سر کو خم دیا۔

"بہت شکریہ۔"

"یہ اچھی لڑکی ہے۔ اس کو کھونا مت۔"

ساتھ ہی بانو نے اپنی لکڑی کی اسٹک اٹھائی۔ اسے اونچا کیا یہاں تک کہ اس کا دوسرا سرا ماہر کی کہنی تک پہنچا۔ کہنی کو ہلکا سا چھوا اور پھر اسٹک کو میز تک لے گئیں۔ میز پر دو دفعہ نرمی سے اسے مارا۔

"ڈرامہ ختم ہوا تمہارا؟ اب پیسے رکھو۔" گھور کے کہا تھا۔

ماہر نے تابعداری سے سر کو خم دیا۔ کوٹ کی جیب میں سے پھولا ہوا لفافہ نکالا اور میز پر رکھا۔

"تھینک یو۔ آغا کو سنبھال لیتا۔ اس کے منہ سے کچھ نکلنے ہی والا تھا۔"

بانو نے مسکرا کے سر جھٹکا اور ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ انہی تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔

اب آغا برآمدے میں کھڑا ان کی کار کو پیچھے ریورس ہو کے سڑک پر جاتے دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ سر افسوس سے دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔

"دھوکے باز... میلو پیٹر..." ساتھ ہی وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

☆☆☆

واپسی کا سفر اتنا طویل نہیں تھا جتنا صبح آتے ہوئے لگا تھا۔ سرما کا دن چھوٹا اور جلد دم توڑ دینے والا تھا۔ روشنی کم ہو رہی تھی اور ان کی کار خاموشی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی جب باہر دیکھتی مالا کو احساس ہوا کہ ماہر نے رفتار سست کر دی ہے۔ اس نے چونک کے ماہر کو دیکھا۔ وہ سڑک کنارے ایک جگہ پارکنگ تلاش کر رہا تھا۔ مالا کچھ پوچھنے لگی پھر ہونٹ واپس سی لیے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کار کیوں روک رہا تھا۔

وہ گفتگو ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور ماہر فرید ادھوری چیزوں کو مکمل کرنا سیکھ رہا تھا۔

یہ ڈھلان کے اوپر کا ایک مقام تھا۔ سڑک کنارے ایک گھنا درخت تھا جس کے نیچے چند پتھر رکھے تھے۔ وہاں کھڑے ہو تو چند قدم دور سے کھائی شروع ہوتی تھی۔ نیچے پانی بہہ رہا تھا اور دائیں جانب کئی میل کے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی ڈبیوں کی صورت اغوہ کے گھر دکھائی دیتے تھے جن کو اب وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

وہ چپ چاپ درخت تلے جا کھڑا ہوا تھا۔ چند لمحے وہ کار میں بیٹھی رہی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔ مالا نے سیٹ بیلٹ کھولی۔ کار سے نکلی۔ ایک نظر بیک سیٹ کو دیکھا جہاں لاپروائی سے رکھا کوٹ اب کی دفعہ ماہر نے نہیں اٹھایا تھا۔ شاید اسے اتنی ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے البتہ اپنا کوٹ نکالا۔ پہلے اسے سست روی سے پہنا۔ پھر بہت سا تھوک نگلا۔ ٹوپی کو مزید کانوں سے نیچے سرکایا۔ اور سینے پر بازو لپیٹے اس کے پیچھے آئی۔

وہ وہیں ڈھلان کے کنارے کھڑا دور نیچے پھیلی آبادی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے عین ساتھ آ رکی۔ اس کی نگاہیں بھی آبادی پہ جمی تھیں۔ افق پہ سورج کی روشنی دم توڑ رہی تھی اور آسمان پہ جامنی روشنائی پھیلنے لگی تھی۔

"کیا تم پیسٹری کی بات کر رہی تھیں؟"

"میں پیسٹری کی بات نہیں کر رہی تھی۔"

ماہر نے رخ اس کی طرف موڑا۔ پھر اس کے پیروں کو دیکھا اور ڈھلان کے کنارے کو۔ وہ بالکل کونے پہ کھڑی تھی۔ اس نے ابرو سے پتھروں کی طرف اشارہ کیا اور خود پیچھے چلا آیا۔ ایک پتھر کے کنارے پر بیٹھا۔ مالا دوسرے پتھر پر آ کے بیٹھی۔ یوں کہ رخ اس کی جانب موڑ رکھا تھا۔ اب وہ اس کا نیم رخ نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ وہ اس کے سامنے تھی۔ وہاں آغا اور بانو کے گھر کی طرح دھوپ نہیں تھی۔ بلکہ جامنی اندھیرا پھیلنے کو بے تاب تھا۔ اس کے باوجود اسے مالا کی آنکھیں اپنے لیے اس سے پہلے اتنی شفاف نہیں لگی تھیں۔

"تم جانتے ہو کہ میرا دل کتنی بری طرح ٹوٹ چکا ہے۔"

"جانتا ہوں۔"

"لیکن میں دنیا کی وہ واحد انسان نہیں ہوں جس کا دل ٹوٹا ہے۔ سب کا دل ٹوٹتا ہے۔ سب دھوکہ کھاتے ہیں۔ سب کو برے انسان ملتے ہیں۔ لیکن اگر میں اس خوف سے خود کو اونچے قلعے میں محفوظ رکھنے کی کوشش کروں گی کہ کہیں کوئی پھر سے نقب لگا

کے اندر داخل نہ ہو سکے تو میں تو قید ہو گئی نا۔"

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ سردی سے اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی اور آنکھوں کا گلابی پن واپس آ گیا تھا۔

"کچھ لوگ خود کو ایک برے واقعے کے بعد قلعے میں بند کر لیتے ہیں۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں لیکن مزید نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے خود کو اس قلعے میں سے نکالنا ہے۔ لیکن میں ہر دوسرے انسان کے لیے خود کو اس قلعے میں سے نہیں نکال سکتی۔ مجھے نہیں لگتا میں زندگی میں بھی کسی پہ بھروسہ کر سکتی ہوں، چاہے وہ ماہر فرید ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر کسی ایک انسان پہ میں دوبارہ بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں، تو وہ تم ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایسا بھی نہیں ہوگا کہ تم میرا دل نہیں دکھاؤ گے۔ کیونکہ سب انسان ایک دوسرے کا دل دکھاتے ہیں اور..."

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن مالا نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرا دیا۔

"اور ایسا بھی کبھی نہیں ہوگا کہ تم اور میں تلخ نہیں ہوں گے۔ اگر ہم ایک خیمہ ایک ساتھ لگاتے ہیں تو آندھی بھی آئے گی، طوفان بھی ہوگا اور کبھی نہ کبھی اس خیمے کو کوئی جلتا ہوا انگارہ چھو کے آگ بھی لگانے کی کوشش کرے گا۔ ہر انسان دوسرے کا دل کبھی نہ کبھی دکھا دیتا ہے۔ تلخ باتیں بول دیتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب ہم انسان ایک دوسرے سے بے زار بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے مجھے کہ تم مجھ سے ہمیشہ سچ نہیں بولو گے۔ کیونکہ سارے مرد کہیں نہ کہیں جھوٹ ضرور بولتے ہیں۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ تم جتنا بھی کہہ لو، تم ہمیشہ میری اور میرے بچے کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ نہ ہی تم میری زندگی کے ذاتی پرابلم حل کر سکتے ہو۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ سبز آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ عقب میں پہاڑیوں پہ دور دور تک اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہوگا کہ تمہارے ساتھ ہونے سے میرے ماضی کے زخم از خود مندمل ہو جائیں گے، یا میں خود کو بدر کی مجرم سمجھنا چھوڑ دوں گی، یا بدر بھی بولنے لگے گا، یا ہمارا خیمہ اس دنیا کا سب سے پرفیکٹ گھر ہوگا۔ مجھے یہ سب معلوم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی ایک انسان پہ میں بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں، تو وہ تم ہو۔ کیونکہ میں یہ جانتی ہوں کہ ماہر بھی اگر میرا دل کبھی دکھائے گا، تو وہ اس دل کو واپس جوڑنے کی کوشش بھی کرے گا۔ اگر کبھی وہ مجھ سے حقیقت چھپائے گا تو میری حفاظت کرنے کے لیے۔ اس کے ساتھ لگایا گیا خیمہ بے شک دنیا کا بہترین خیمہ نہیں ہوگا لیکن وہ ایک ایسا انسان ہوگا جو عزت دینا جانتا ہوگا۔ خفا ہوگا تو بھی عزت دینا نہیں چھوڑے گا۔ غصہ ہوگا تب بھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ جانے یا انجانے میں دل دکھائے گا لیکن پھر بات کو کلیئر بھی کرے گا۔ تمہارے اوپر میں زندگی کی ہر چیز کا بھروسہ نہیں لاد سکتی۔ لیکن اتنا اعتماد مجھے تمہارے اوپر ہے کہ جو بھی مسئلہ راستے میں آئے گا، تم اس کو حل کرنے کی کوشش کرو گے اور بنا بات کیے جگہ کو چھوڑ کے نہیں جاؤ گے۔ کیا تم بھی مجھ پہ اتنا بھروسہ کر سکتے ہو؟"

مالا کی آواز میں تکان تھی۔ جیسے ایک لمبے سفر کے بعد وہ تھک چکی تھی۔ اس کو احساس بھی نہیں ہوا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کے ٹھوڑی پر لڑھک رہے تھے۔ وہ چند لمحے آزردگی سے اسے دیکھے گیا۔ دانت سے ہونٹ کاٹتے ہوئے ماہر کو احساس نہیں ہوا کہ نچلے ہونٹ سے خون رسنے لگا تھا۔

"میں جانتا ہوں کوئی انسان کسی کی حفاظت نہیں کر سکتا نہ اس کے سارے مسئلے حل کر سکتا ہے۔ اور اگر میں تمہارے سارے مسئلے حل نہ بھی کر سکا، تب بھی میں کوشش کروں گا۔ مجھے تمہارے اوپر مکمل بھروسہ نہیں ہے کہ تم آندھی کے پہلے جھونکے پہ جگہ چھوڑ کے نہیں چلی جاؤ گی۔ لیکن میں بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں کہ تم فرار کے بجائے مجھ سے ہمیشہ بات کرو گی۔ اور جو بھی مسئلہ ہوگا اس کو میرے سامنے

digest library.com

رکھو گی۔ تم ہر مسئلے کو اکیلے حل کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔ بلکہ مجھے واقعی میں اپنا ساتھی سمجھ کے اپنے مسئلے میرے سامنے رکھو گی۔ اور ہم کبھی بات کیے بنا جگہ چھوڑ کے نہیں جائیں گے۔ ایک ساتھ خیمہ لگانے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خیمے کی زمین میں کوئی کنکر، کوئی کرچیاں ہمیں زخمی نہیں کریں گی۔ لیکن کم از کم ہم ایک ساتھ ہوں گے۔ میں تمہارے اوپر یہ بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں، اگر تم "ہمیں" ایک چانس دے سکو۔"

مالا نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اس کے گال اور ناک سرخ ہو چکے تھے۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تمہیں اپنا جواب بتا چکی ہوں۔"

ماہر نے انگلی سے اپنے ہونٹ کو چھوا۔ پھر انگلی کی پور کو دیکھا تو اس پر خون لگا تھا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے ہونٹ رگڑ دیا۔ اسے لگا اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی تھی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہم کل سے ہی ایک نئی زندگی شروع کر دیں۔ نہ ہی مجھے کسی بھی چیز کی جلدی ہے۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہم نے ایک بہت لمبا وقت ضائع کیا ہے۔ اپنی انا میں، جگہ چھوڑ کے چلے جانے والی عادت میں، اور دوسرے کی بات نہ سننے کی غلطی کرنے میں۔ جہاں اتنا وقت ضائع کر دیا ہے، وہاں تھوڑا سا وقت اور لگا لیتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ آہستہ آہستہ زندگی کو ایک ساتھ تعمیر کریں۔ میں، تم، بدر اور ہلال۔"

مالا نے گہری سانس لی اور گردن اوپر نیچے ہلائی۔

"میں، تم، بدر اور ہلال۔"

پھر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور اردگرد پھیلتا جامنی اندھیرا۔

"ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ یہ باتیں اب ہم شہر واپس جا کر بھی طے کر سکتے ہیں۔ لیکن بدر میرا انتظار کر رہا ہو گا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دور نیچے پھیلی بستی کی ماچس کی ڈبیوں جیسے گھروں میں دھیرے دھیرے روشنیاں جلنے لگی تھیں۔ ایک مایوس سی شام میں امید کے قمقمے جگمگانے لگے تھے۔ اور ان دونوں مسافروں کو بالآخر اپنی منزل کی طرف واپس جانا تھا۔

وہ کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب دور کہیں فضا میں ایک گنگناہٹ سی گونجی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

مالا نے چونک کے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر ماہر کو۔ وہ خاموشی سے اندر بیٹھ رہا تھا۔

"کیا تم نے سنا؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔

"کیا؟" شاید اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"یہ میوزک۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ یہ مجھے بار بار سنائی دیتا ہے۔"

وہ اب ناگواری سے سیٹ بیلٹ کھینچ کے باندھ رہی تھی۔

"عالیان۔"

"اٹس او کے۔ اگنور کرو۔ وہ کوئی نئی چال چل رہا ہو گا۔" ماہر کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ البتہ غیر آرام دہ ہو گئی تھی۔ میوزک ابھی تک بج رہا تھا۔ اور بہت سے لوگ کورس میں گنگنا رہے تھے۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ظہیر کی آواز سب سے اونچی تھی۔

☆☆☆

جس وقت ماہر فرید کی سیاہ کار اونچی نیچی گھاٹیوں والی سڑک پر دوڑتی استنبول کی جانب بڑھ رہی تھی، اس وقت شہر کے وسط میں ایک سڑک کنارے ایسی ہی ایک سیاہ کار کھڑی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سوٹ میں ملبوس شخص ایئر پوڈز کان میں لگائے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہ ابھی تک میری نگاہ میں ہے، کبیرہ خانم۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟" اپنے ہوٹل روم میں کسی پنڈولم کی طرح دائیں بائیں ٹہلتی کبیرہ بیگم فون کان سے لگائے بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

ڈرائیور نے ونڈ اسکرین کے پار سڑک کو دیکھا جو ایک گلی کے دہانے پہ مڑ رہی تھی۔ یہاں اکا دُکا ٹریفک کی آمد تھی۔ ایک سپر مارکیٹ کھلی تھی اور گلی اندر مڑتے ہوئے ایک کلب کی طرف جا رہی تھی جس کے باہر معمولی سا رش تھا۔ یہ تنگ و تاریک مشتبہ قسم کی گلیوں والا نواحی علاقہ تھا جہاں ایک ٹریش کین کے ساتھ سنہرے بالوں والا عالیان، کھڑا تھا۔ بال ہڈی میں ڈھکے ہوئے تھے اور اس کی کبیرہ بیگم کے ڈرائیور کی جانب پشت تھی۔ وہ الجھے ہوئے انداز میں بحث کرنے کے انداز میں سامنے کھڑے آدمی سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"وہ چند بسیں بدل کے اس علاقے تک آیا ہے۔ اسے کسی سے ملنا تھا شاید۔"

"کس سے مل رہا ہے؟"

"میں نے آپ کو تصویریں واٹس ایپ کی ہیں۔ کوئی عرب نوجوان ہے۔"

ڈرائیور کے ہونٹ ایک دم اوہ میں سکڑے۔

عالیان کے مخاطب دراز قد آدمی نے غصے سے اس کے کندھے کو دو انگلیوں سے دھکا دیا تھا۔ خلاف توقع اس نے جواب میں کچھ نہیں کیا۔ بس کندھا چھڑایا اور پیچھے ہٹ گیا۔ وہ عرب آدمی اب انگشت شہادت سے اشارہ کرتا کچھ کہہ رہا تھا۔ اتنی دور سے ڈرائیور کو آواز نہیں آرہی تھی۔ البتہ وہ عالیان کے ملاقاتی کے تاثرات پڑھ سکتا تھا۔ یہ تاثرات یونیورسل تھے۔ کوئی بھی ملک ہو، کوئی بھی قوم ہو، کوئی بھی زبان ہو، ایسے تاثرات صرف ایک صورت میں کسی شخص کے چہرے پہ آتے تھے۔

"اس نے اس آدمی کے پیسے دینے ہیں۔ ادھار ہے یا شاید کسی کی پے منٹ۔" ڈرائیور دھیرے سے مسکرایا۔ وہ اس ساری روائی میں کبیرہ بیگم کے ساتھ گواہ رہا تھا۔ پہلی دفعہ عالیان کو اضطراب سے انگلیاں مروڑتے دیکھ کر اسے جیسے خوشی ملی تھی۔

"کسی بھی طرح پتا لگاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ کس چیز میں پھنسا ہوا ہے اور اس نے کس کے پیسے دینے ہیں۔" کبیرہ بیگم اس کی طرح خوش نہیں تھیں۔ اضطرابی انداز میں نیکلس کو انگلی پر مروڑتی وہ ہدایات دے رہی تھیں۔

نہ وہ کھلے دل سے ان کو ماں تسلیم کر رہا تھا نہ وہ اپنے مسئلے ان کے سامنے رکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کا دل جیتیں تو کیسے جیتیں؟

☆☆☆

مالا کے اپارٹمنٹ کے ٹیرس سے شہر کا جو حصہ دکھائی دیتا تھا وہ اس صبح سرمئی پن میں ڈوبا تھا۔ سرمئی پانی، سرمئی کشتیاں، سرمئی درخت، لیکن بہت عرصے بعد کشمالہ مبین کی زندگی سرمئی نہیں تھی۔

وہ بالکونی پر کہنیاں جمائے کافی کا کپ ہاتھ میں لیے مسکرا کے دور تک پھیلے نظارے کو دیکھ رہی تھی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور ہر جانب ٹھنڈی چھایا تھی۔ البتہ پھر بھی اس کا دل باہر ٹیرس پہ کھڑے ہونے کو چاہ رہا تھا۔ کوٹ، دستانے اور اُونی ٹوپی پہنے وہ کافی لیے وہیں آ کھڑی ہوئی تھی۔ بہت عرصے بعد دل جیسے ہلکا ہوا تھا۔

اسے اب کچھ بھی اکیلے نہیں کرنا ہوگا۔ بالآخر وہ اس ٹریپ سے نکل آئے گی جس میں وہ ہمیشہ خود کو محسوس کرتی تھی۔ وہ پھندا جو کبھی پوری طرح سے اس کی گردن کے گرد سے ڈھیلا نہیں ہوا تھا۔ بالآخر وہ خود کو اس میں سے نکال رہی تھی۔

موبائل بجنے لگا تو اس نے اسکرین کو دیکھ کے گہری سانس لی۔ ماہی کی کال آرہی تھی۔ اس نے دستانے والا ہاتھ جیب میں ڈالا، ایئرپوڈز نکالے، ٹوپی تلے انہیں کانوں میں گھسایا، کپ ایک طرف رکھا اور گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

"کیا بتانا تھا تم نے؟" ماہی کی آواز میں تجسس تھا۔ وہ علیک سلیک اور رسمی حال احوال کے بعد فوراً اسے مدعے پہ آ گئی تھی۔ رات کو مالا نے اس کو میسج کیا تھا اور ماہی نے جواب میں کئی میسجز بھیجے لیکن اس نے ابھی تک ریپلائی نہیں کیا تھا۔ وہ اس بات کو فون پہ کرنا چاہتی تھی۔

"کل ماہر نے مجھ سے بات کی ہے۔ ڈائریکٹ بات۔"

دوسری جانب سے آتا شور، ماہی کے بچوں کی آوازیں، برتنوں کی کھٹ پٹ، ایک دم ہر چیز جیسے خاموش ہوگئی۔ جیسے ماہی کی ساری حسیات اس طرف متوجہ ہوگئیں۔

"کیسی بات؟"

"اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔"

چند لمحے کے لیے ماہ بینہ مبین کچھ نہیں بول سکی۔

"اور تم نے کیا کہا؟"

اس سے پہلے کہ مالا کچھ کہتی، ماہی تیزی سے بولی۔ "تم نے فوراً جواب تو نہیں دیا نا؟ ابھی تمہارے پاس سوچنے کے لیے وقت ہے۔"

"وہ یہ سوال پہلے بھی پوچھ چکا تھا۔ بدر کے ملنے سے پہلے۔ میں نے جواب سوچنے کے لیے بہت وقت لیا تھا۔" اس نے گہری سانس لی۔ دور نیچے بہتے سرمئی پانی کو دیکھ کے وہ مسکرائی۔ اس کا چہرہ روشن تھا اور گلابی۔

"میں نے ماہر کو ہاں کہہ دی ہے۔"

دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔ یہاں تک کہ مالا کو لگا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔

"ہیلو؟" اسے جیسے تعجب ہوا۔

"مبارک ہو۔ میں تمہارے لیے خوش ہوں۔" ماہی نے توقف کیا۔ مالا کے ابرو ناسمجھی سے اکٹھے ہوئے۔

ماہر فرید کی ان تمام برسوں میں سب سے بڑی مداح ماہ بینہ مبین تھی۔ وہ اس کا دن ان فنفٹی تھا۔ جس نے برسوں پہلے اس کو بیچ دیے تھے۔ اور ساتھ ایک امید بھی، کہ جو مکتوب ہے اسے انسان سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ پھر وہ خاموش کیوں ہوگئی تھی؟

"لیکن کیا؟"

"لیکن یہ کہ کیا تم واقعی ماہر جیسے انسان کے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتی ہو؟"

"تم ماہر کی سب سے بڑی فین تھیں، ماہی۔" اسے جیسے برا لگا تھا۔

"میں اب بھی اس کی سب سے بڑی فین ہی ہوں۔ اور میرے خیال میں ماہر فرید ایک بہت اچھا دوست ہے۔ ایک سمجھدار انسان ہے۔" وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔

☆☆☆

"میں اب بھی اس کی سب سے بڑی فین ہی ہوں۔ اور میرے خیال میں ماہر فرید ایک بہت اچھا دوست ہے۔ ایک سمجھدار انسان ہے۔"

(کیف کی لفٹ کے دروازے ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو سوزین کو سامنے کا منظر دکھائی دیا۔ قطار در قطار کیبن۔ بہت سے جھک کے کام کرتے سر۔ وہ ہیلو سے چلتی آگے بڑھی تو ٹک ٹک کی آواز پہ بہت سی گردنیں اس کی جانب گھومیں۔ سفید ڈریس پہ مخملیں نیلا لمبا کوٹ پہنے، کہنی پہ بیگ جمائے، ماتھے پہ سن گلاسز۔ وہ بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ ماہر کے آفس کی طرف چلتی جارہی تھی۔ وہ تمام سر جو اس کی جانب مڑے تھے، وہ آفس کی جانب مڑ گئے۔ جہاں ماہر فرید دروازے سے باہر آرہا تھا۔ چارکول گرے سوٹ میں ملبوس، پالش ہوئے جوتوں کے ساتھ مسکرا کے اس نے سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا۔ سوزی درمیان میں رک گئی۔ ناپسندیدگی سے زینوں کو دیکھا اور اس جانب بڑھ گئی۔ ماہر بھی اسی طرف بڑھنے لگا۔ ہال میں موجود تمام آنکھوں نے ان دونوں کا پیچھا کیا۔)

"ماہر فرید ایک بہت اچھا دوست ہے۔ بہت اچھا مشورہ دینے والا۔ محنت کرنے والا۔ ایک اچھا کاروباری انسان۔ مجھے اگر کبھی کام کے سلسلے میں کوئی مدد چاہیے ہوئی تو میں سب سے پہلے ماہر بے کے پاس ہی جاؤں گی لیکن..."

(نیلا مخملیں پردہ ہٹا کے سوزین ٹھک ٹھک کرتی اندر داخل ہوئی۔ ماہر اس کے پیچھے اندر داخل ہوا۔ شیشے کا دروازہ بند کیا۔ کلک کی آواز [illegible] سے لاک لیا اور سربراہ [illegible] کرسی کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ سوزین اس کو

سخت نگاہوں سے دیکھتی ایک کرسی تک آئی۔ بیگ ٹھک سے میز پر رکھا مگر بیٹھی نہیں۔ بازو سینے پر لپیٹے۔

"بیربل کہاں ہے اور وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا؟"

"لیکن ماہر نے زندگی میں کبھی کوئی ریلیشن شپ کامیابی سے چلایا نہیں ہے۔ اپنی کزن سے منگنی کی، وہ بھی کسی اور وجہ سے، جیسا کہ تم نے مجھے بتایا ہے۔ اور پھر اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ریلیشن شپس کے معاملے میں اس کا ٹریک ریکارڈ کچھ اچھا نہیں ہے۔ اتنی عمر اور کامیابیاں ہو جانے کے باوجود اگر ایک آدمی سیٹل ڈاؤن نہ ہو سکے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو کوئی عورت پسند تو آ سکتی ہے، لیکن کسی عورت کے ساتھ گھر بنانا، فیملی بنانا، اس کے لیے بہت مشکل ہوگا۔"

"بیربل تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔" سوٹ میں ملبوس آدمی کھڑا اسی اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"آپ نے کچھ کیا ہے اس کے ساتھ زبردستی اس کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔ یقیناً اس کا فون بھی لے لیا ہے تاکہ وہ مجھ سے بات نہ کرے۔" وہ پھنکاری تھی۔

"بیٹھو، سوزی۔ بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔ تم سے یہ بات کھڑے ہو کے نہیں سنی جائے گی۔"

"شادی کے لیے انسان کا بہت اچھا ہونا، بہت خوبصورت یا دولت مند ہونا ضروری نہیں ہے لیکن اس کے اندر ایموشنل انٹیلی جنس کا ہونا ضروری ہے۔ اسے رشتوں کو نبھانا آنا چاہیے۔ وہ پہلی ہی مشکل پہ چھوڑ کے نہ چلا جائے۔ اور ماہر نے آج تک کسی عورت کے ساتھ ریلیشن شپ کو زیادہ دیر نہیں چلایا۔ کم از کم ہم نے نہیں سنا۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بھلے بہت اچھا انسان ہو، لیکن وہ ایک کلاسک منی پولیٹر ہے۔ وہ کبھی بھی پورا سچ نہیں بولتا۔ ہمیشہ چیزوں کو دائیں بائیں گھماتا رہتا ہے۔"

"بیربل تم سے اس لیے نہیں ملنا چاہتا کیونکہ اسے تمہارے اور براق کے بارے میں سب معلوم ہو گیا ہے۔"

سوزی کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔ وہ سرد رہا۔ البتہ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میرے اور براق کے بارے میں کیا؟" میز پر رکھی اس کی مٹھی بھنچ گئی۔ البتہ گردن اکڑا کے بولی تھی۔

"سب کچھ۔ تمہاری وائس ایپ چیٹ بھی اور..." ماہر نے میز پر رکھا زرد لفافہ چاک کیا اور اس کے سامنے رکھا۔ سوزی نے لفافے کو ذرا سا کھولا۔ اندر اے فور سائز کے پرنٹ آؤٹس تھے۔ تصویریں۔

"میرے پرائیوٹ انویسٹی گیٹر نے یہ فوٹو گراف لیے تھے۔ تمہارے اور براق کے۔"

سوزی نے نیل پالش لگی انگلیوں سے فوٹوگراف نکالے، سرسری سا ان کو دیکھا اور ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ فوٹوگراف میرے اور براق کے ڈنر کے ہیں۔ اس ڈنر میں اور لوگ بھی تھے۔ لیکن شاید آپ کے فوٹوگرافر نے جان بوجھ کے صرف ہماری ہی تصاویر لی ہیں۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ آپ بیربل کو یہ دکھا بھی دیں تو اس سے وہ مجھے بے وفا نہیں سمجھے گا۔" ساتھ ہی وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔)

"تمہیں ایسا مرد چاہیے، مالا، جو زندگی کی دھوپ میں تمہارے لیے سایہ بن سکے۔ نہ کہ تمہیں اپنا سایہ بنائے۔ کیا تم واقعی شیور ہو کہ تم ماہر جیسے پیچیدہ انسان کے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتی ہو؟ میں ہر فیصلے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ لیکن ماہر کے ساتھ بہت سے مسئلے جڑے ہیں۔ اور اگر تم اس کی زندگی میں داخل ہوتی ہو تو وہ تمام مسئلے تمہاری زندگی کا بھی حصہ بن جائیں گے۔"

کانفرنس روم میں بیٹھا ماہر فرید اسی انداز میں مسکرایا تھا۔

"میں نے یہ تصاویر بیربل کو دکھانے کے لیے نہیں بنوائیں۔ بیربل پہلے ہی تمہاری حقیقت جان چکا ہے۔ اس لیے وہ تم سے ملنا نہیں چاہتا۔ اور اس کی

digest library.com

طرف سے، ہم نے ڈائیورس پیپرز فائل کر دیے ہیں۔ چونکہ تم نے پری نپشل ایگری منٹ سائن کیا تھا، اس لیے طلاق بہت آسان ہوگی۔"

سوزی کے چہرے پہ بہت سے رنگ ابھرے۔ غصے سے مٹھی بھنچ گئی۔

"میں نے کہا نا، ان تصاویر سے آپ کچھ ثابت نہیں کر سکتے۔ نہ عدالت میں نہ بیرنل کے سامنے۔"

"یہ تصاویر نہ میں نے عدالت کے لیے لی ہیں، نہ بیرنل کے لیے۔"

سوزی ایک دم بالکل ٹھہر کے اس کو دیکھنے لگی۔ اس کی ٹون میں کچھ ایسا تھا جو مختلف تھا۔)

"مسئلے تو سب کے ساتھ جڑے ہیں، ماہی۔ کوئی بھی انسان ایموشنل اور فیملی جنس میں پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ میں ایک یونیک انسان ہوں۔ ہر کوئی یونیک انسان ہے۔ ہم دوسروں کو اپنے رویے سے خود سکھاتے ہیں کہ ہم سے محبت کیسے کی جانی چاہیے۔ ہمیں کیا بات پسند ہے اور کیا بات نہیں۔ پہلے ہی دن سے نا اس کو سمجھ میں آ جائے گا کہ مجھے کیسے ٹریٹ کرنا ہے اور نہ مجھے سمجھ میں آئے گا کہ اسے کیسے ٹریٹ کرنا ہے۔ لیکن زندگی سے میں نے اتنا سیکھا ہے کہ دو لوگ ایک رشتے کو مضبوط تب کر سکتے ہیں جب وہ اس کے لیے محنت کریں۔ جیسے جم میں محنت کیے بغیر باڈی نہیں بنتی۔ کاروبار میں محنت کیے بغیر کامیابی نہیں ملتی۔ ویسے ہی ریلیشن شپ میں بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ کیا تم ماہر فرید کے لیے وہ محنت کرنے پہ تیار ہو؟"

"ہاں، میں نے خود کو تیار کر لیا ہے۔ کیونکہ ہم دونوں زندگی میں جب بھی ایک دوسرے کو کھوتے ہیں ہم ہمیشہ ایک دوسرے کی طرف واپسی کا راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔"

"میں نے یہ تصاویر نہ عدالت کے لیے لی ہیں، نہ بیرنل کو دکھانے کے لیے۔" وہ سگار اٹھا کے ہونٹوں میں دبا رہا تھا۔ پھر رک کے پوچھا۔ "ڈو یو مائنڈ؟"

سوزی نے ناک سے مکھی کے انداز میں ہاتھ جھلایا۔ ماہر نے لائٹر سے سگار سلگایا۔ ایک سانس اندر کھینچی۔ سگار باہر نکالا۔ چہرہ ایک طرف موڑ کے دھواں ہونٹوں سے خارج کیا۔ پھر اسی انداز میں بات جاری رکھی۔

"عدالت میں تو کچھ خاص نہیں ہوتا۔ ایک ہی پیشی ہوگی۔ تم آؤ گی، سائن کرو گی اور واپس چلی جاؤ گی۔ عدالت میں مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تصاویر..." اس نے سگار والا ہاتھ نیچے کیا اور فوٹو گرافس واپس اس کی جانب دھکیلے، یوں کہ وہ بکھر کے سوزی کے سامنے میز پر پھیل گئے۔

"یہ فوٹو گرافس میں نے اپوزنگ ٹیبلو ائیڈس کے لیے بنوائے ہیں۔"

سوزی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا سانس رک گیا۔

"بیرنل تمہارے ساتھ اب نہیں رہے گا۔ میں اپنے بھائی کو جانتا ہوں۔ لیکن ان فوٹو گرافس کے ریلیز ہونے کے بعد شہر کے سارے ٹیبلو ائیڈس تمہاری بات کریں گے۔ تم اگلے ایک ہفتے کے لیے ان چیپ اخباروں کی سب سے بڑی خبر ہوگی۔ اور اس کے بعد کیا ہوگا، سوزی؟"

سوزین نے تھوک نگلا۔ اس کی رنگت بدلی تھی۔

"بیرنل تمہاری زندگی کا کبھی فل ٹرم پلان نہیں تھا۔ وہ ایک تھوڑے عرصے کا پلان تھا۔ میں اور تم یہاں اکیلے ہیں۔ کوئی فلٹر نہیں لگا ہوا درمیان میں۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم نے کچھ عرصہ کے بعد بیرنل کی بہت سی دولت کو اپنے نام کر کے اس کو چھوڑ ہی دینا تھا اور کسی دوسرے مرد کی طرف موو کر جانا تھا۔ لیکن اگر میں اس طلاق کی اصل وجہ اخبارات میں دے دوں، تو کیا ہوگا؟ کیا تم کسی دوسرے امیر آدمی کی طرف موو آن کر سکو گی؟"

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

رُخسار احمد

digest library.com

اس نے کچن سمیٹنے کے بعد بچا ہوا سالن فریج میں رکھا، اور بتی بند کر کے باہر نکل آئی۔ لائبہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اپنا نام سن کر بے اختیار وہ وہیں پر رک گئی تھی۔

"حاشر بھائی! آج بھابھی کی امی آئی تھیں، بھابھی نے ان کی خوب خاطر مدارت کی، اور جب آنٹی جانے لگیں تو انہیں چھپا کر پیسے بھی دیے، میں نے خود دیکھا ہے، مجھے بہت افسوس ہوا کہ وہ آپ کی محنت کی کمائی کس طرح اپنے گھر والوں پر لٹا رہی ہیں۔"

"اف......" رباب نے سر پیٹ لیا۔ "اس چغل خور، فسادن نے کیسے دیکھ لیا آخر، اس نے تو اپنی طرف سے بڑی احتیاط کی تھی۔"

دراصل دو ماہ سے انس بے روزگار تھا، امی بے چاری تو اس سے پیسے لینے پر قطعی آمادہ نہ تھیں، مگر اس کے بے حد مجبور کرنے پر انہوں نے اس شرط پر ہامی بھر لی تھی کہ انس کی نوکری لگتے ہی وہ اس کے پیسے لوٹا دیں گی۔ اور جو پیسے اس نے امی کو دیے تھے وہ حاشر کے نہیں، بلکہ وہ پیسے تھے جو ہر ماہ پاکٹ منی کے نام پر حاشر اس کو دیتا تھا اور وہ جمع کر لیتی تھی مگر اس وقت کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ تلملاتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد حاشر کمرے میں آیا تو اکھڑا اکھڑا تھا، کچھ دیر تک خاموشی سے ٹی وی دیکھتا رہا، اور پھر بنا اس سے کوئی بات کیے کروٹ بدل کر سو گیا۔ رباب نے وہ ساری رات جلتے کڑھتے گزاری تھی۔

☆☆☆

رباب کی ساس سیدھی سادی گھریلو خاتون تھیں، حاشر بھی خیال رکھنے والا شریک حیات تھا مگر اس کی اکلوتی نند لائبہ، جسے وہ شادی سے پہلے تک بالکل اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھتی تھی انتہائی چغل خور، حاسد اور فسادن تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں کو جواز بنا کر اس کے خلاف امی اور حاشر کے کان بھرتی رہتی تھی کہ وہ کسی طرح اس سے متنفر ہو جائیں ہمہ وقت اس کے کمزور پہلوؤں کی تلاش میں رہتی، اس کی لگائی بجھائی کی عادت سے رباب بے حد تنگ تھی۔

☆☆☆

اس روز حاشر نے اپنے کولیگ ارسل، جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، ان دونوں میاں بیوی کو ڈنر پر مدعو کیا تھا، رباب نے انتہائی محنت کے بعد ایک پر تکلف ڈنر کا اہتمام کیا۔ ارسل اور اس کی بیوی ماہا ایک ایک چیز کی تعریف کرتے ہوئے رغبت سے کھا رہے تھے امی بھی بہو کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔

حاشر کی نگاہوں میں رباب کے لیے محبت، ستائش کے رنگ دیکھ کر لائبہ جل کر رہ گئی، مہمانوں کے جانے کے بعد رباب برتن سمیٹنے لگی تو وہ بھائی کے قریب کھسک آئی اور آہستہ سے کان میں سرگوشی کی۔

"بھائی! ابھی میں پانی پینے کے لیے کچن میں گئی تو بھابھی فون پہ اپنی امی سے بات کر رہی تھیں کہہ رہی تھیں کہ امی مجھے تو اس گھر میں ایک پل کے لیے بھی سکون نہیں ہے، ان سب نے مجھے نوکرانی بنائے رکھا ہوا ہے۔" اس کی بات پر حاشر کے مسکراتے لب بھینچ گئے، ماتھے پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

رباب سارے کاموں سے فارغ ہو کے حاشر کے کپڑے استری کر رہی تھی کہ حاشر نے کمرے میں

آ کر ایک جھٹکے سے شرٹ کھینچ لی۔

"تم رہنے دو میں خود کرلوں گا۔ ورنہ پھر تم اپنی ماں سے کہو گی کہ ہم نے تمہیں نوکرانی بنا کے رکھا ہوا ہے۔" اس کے ترش لہجے پر رباب حیران رہ گئی۔

"کیا ہوا ہے حاشر!" اس نے نا سمجھی سے دریافت کیا، مگر وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر شرٹ پریس کرنے لگا۔ رباب پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ حاشر کو اچانک سے کیا ہو گیا؟ ابھی تو ان کا موڈ بالکل ٹھیک تھا۔"

پریشانی سے سوچتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے صوفے پر بیٹھی موبائل میں مصروف مطمئن سی لائبہ پر پڑی تو اس کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تھی۔

☆☆☆

انس کی نوکری لگتے ہی امی نے اس کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کر دی تھیں۔ جلد ہی انہیں نازک سی حیا بھا گئی تھی۔ سو اب منگنی کی تیاریاں جاری تھیں۔

رباب نے دل کھول کر شاپنگ کی تھی، آخر اس کے اکلوتے بھائی کی پہلی خوشی تھی، منگنی میں پہننے کے لیے اس نے میرون اور گولڈن کنٹراسٹ کا انتہائی نفیس اور اسٹائلش ڈریس لیا تھا ساتھ میچنگ جیولری، جوتے اور چوڑیاں تھیں، اتنے خوب صورت اور قیمتی ڈریس کو دیکھ کر لائبہ کا منہ اتر گیا تھا۔

رات کو رباب حاشر کے لیے چائے بنانے کچن میں آئی تو لائبہ فون پر سہیلی کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔

"بس یار! کیا بتاؤں، بھائی تو شادی کے بعد بالکل ہی بیوی کے غلام بن کے رہ گئے ہیں، میں اور امی تو جیسے انہیں دکھائی ہی نہیں دیتے ہر وقت اپنی بیوی کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں اور بھابھی! وہ تو ایک نمبر کی چالاک عورت ہیں، اتنے چھوٹے گھر سے اٹھ کر آئی ہیں اور اب میرے بھائی کی کمائی پر عیش کر رہی ہیں۔

ابھی بھی اپنے بھائی کی انگیجمنٹ کے بہانے اتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی ہے۔ مگر میں رباب بھابھی کو اتنی آسانی سے اپنے بھائی کو ہتھیانے نہیں دوں گی حاشر بھائی مجھ پر بھروسا کرتے ہیں، تو میں بھی موقع دیکھ کر بھابھی کے خلاف ان کے کان بھرتی رہتی ہوں، جس کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہے۔"

اپنی عادت سے مجبور وہ بولے چلی جا رہی تھی فون بند کر کے پلٹی تو سامنے اسے دیکھ کر ساکت رہ گئی۔

"رباب! میں نے تم سے چائے لانے کا کہا تھا مگر لگتا ہے تم پائے بنانے کھڑی ہو گئی ہو۔" حاشر اس کے پیچھے چلا آیا۔

"میں تو چائے ہی بنانے آئی تھی مگر آپ کی بہن کے آپ کے متعلق خیالات جان کر میں تو حیران رہ گئی ہوں۔" اس نے جتاتی نظروں سے لائبہ کو دیکھا۔

"اچھا بھئی ایسا بھی کیا کہہ رہی تھی میری گڑیا میرے بارے میں......"

حاشر نے مسکراتے ہوئے لائبہ کا چہرہ دیکھا جو سانس روکے رباب کو دیکھ رہی تھی۔ بس کوئی لمحہ جاتا ہے کہ بھابھی اس کو ہمیشہ کے لیے حاشر بھائی کی نظروں میں گرا کر اپنے تمام حساب بے باق کر لیں گی۔

"لائبہ فون پر اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھی" رباب لمحے بھر کو رکی۔ "میرے حاشر بھائی نے مجھے کبھی اپنے بابا کی کمی محسوس نہیں ہونے دی وہ اس دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہیں اور میری بھابھی وہ بھی میرا بہت خیال رکھتی ہیں میں اپنے بھائی اور بھابھی سے بے حد پیار کرتی ہوں۔"

رباب کی بات پر حاشر کا چہرہ فخر و انبساط سے چمک اٹھا۔

"میں بھی اپنی چھوٹی سی گڑیا سے بہت محبت کرتا ہوں، میرے لیے تم کسی نعمت سے کم نہیں ہو ہمیشہ خوش رہو۔"

وہ شفقت سے اس کا سر سہلا کر باہر نکل گیا۔

لائبہ کی آنکھوں میں ندامت و تشکر کے آنسو تھے وہ دوڑ کر رباب کے گلے لگ گئی۔

رباب کی آنکھوں میں بھی محبت کے دیے چمک رہے تھے۔

☆☆

شب فراق بھی ہم ذکر یار کرتے رہے
خزاں سے اخذ نشاط بہار کرتے رہے

کبھی ثواب بھی سرزد ہوا تو بے منشا
کبھی گناہ بھی بے اختیار کرتے رہے

صلیب [illegible] رہے آپ اٹھا کے مقتل تک
جو کر سکے [illegible] نثار کرتے رہے

جو بات برسر منبر نہ کہہ سکے واعظ
تمہارے دوست وہ بالائے دار کرتے رہے

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی رہی
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے رہے

تمام عمر تری آرزو رہی ہم کو
تمام عمر ترا انتظار کرتے رہے

کہاں گئے وہ ندیمان خاص جو شوکت
ہمیشہ عہد وفا استوار کرتے رہے

شوکت واسطی

اسے کیسے مناؤ گے

اگر ناراض ہو کوئی
شکایت ہو جسے آنکھیں تمہاری
رخ بدلتے منظروں کی جستجو میں
اس کے چہرے پر نہیں رہتیں
نگاہیں ٹک نہیں پاتیں
سدا آوارہ رہتی ہیں

کہ جیسے ہوں
سمندر کی وہ لہریں جو
لب ساحل سے ٹکرا کر
کہیں اپنے ہی اندر کی توانائی کو گنوا کر
کمال اک شوق سے بہتی ہوں منزل کو
کسی انجان منزل کو
حقیقت میں دم بہ دم مٹتے ہوئے
تپش مسلسل کے سوا کچھ بھی نہ رہتا ہو
کنارا اک ٹھکانا ہے
جہاں ساحل [illegible] کے لیے ہر موج لے
اک [illegible]
[illegible]
اسے کیسے بتاؤ گے

کرے سب میں فطرت [illegible]

ادا و عشوہ و رخسار و خال و خط
ٹھکانا ہے مگر دل بھر کا
نگاہوں کے لیے
پہلو بدلنے کا بہانا ہے
مگر یہ سب
اسے کیسے بتاؤ گے
اگر ناراض ہو کوئی
اسے کیسے مناؤ گے

حسین الطاف

digestlibrary.com

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: میری بیٹی دلہن ہے۔ (اس کی شادی قریب ہے۔) اسے چیچک نکل آئی ہے اور بال جھڑ گئے ہیں تو کیا میں اس کے بالوں میں دوسرے بال ملا دوں؟

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے لعنت کی ہے بال ملانے والی اور ملوانے والی پر۔''

ناممکن

ایک دانا سے کسی نے پوچھا۔

''ہم ایسا کیا کریں کہ سب کی نظروں میں اچھے بن جائیں۔''

دانا نے جواب دیا۔ ''اس دنیا میں اگر کوئی فرشتہ بھی بن جائے تب بھی اسے برا کہنے والے موجود ہوتے ہیں۔''

ناکامی کا راز

کامیابی کا راز تو میں نہیں بتا سکتا لیکن ناکامی کا راز ضرور بتا سکتا ہوں اور وہ ہے ہر کسی کو خوش کرنے کی کوشش۔ (ہربرٹ سوپ)

وقت گزاری

ایک ریٹائرڈ افسر کریانہ کی دکان پر گیا اور کہا۔

''مجھے دال مسور کے 742 دانے دے دو۔''

دکان دار لڑکے نے بغیر کچھ کہے دوسو گرام مسور کی دال تول دی۔

ریٹائرڈ افسر نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا یہ واقعی 742 دانے ہیں۔

لڑکے نے کہا۔ ''گھر جا کر گنتی کر لیں۔ میرے والد صاحب نے اس کی گنتی 370 دانے فی کلوگرام کی ہے۔ یہ 200 گرام پورے 742 دانے ہوں گے۔''

ریٹائرڈ افسر نے کہا۔ ''بہت خوب ویسے تمہارے والد کرتے کیا ہیں؟''

لڑکے نے جواب دیا۔ ''کچھ نہیں، آپ کی طرح ریٹائرڈ ہیں۔ بس اسی طرح وقت گزارتے ہیں۔''

کولمبس کی کامیابی کا راز

کولمبس نے شادی نہیں کی۔ اس لیے امریکہ ڈھونڈ لیا۔ کیونکہ اس سے کسی نے بھی نہیں پوچھا۔

1۔ کہاں جا رہے ہو؟

2۔ کس کے ساتھ جا رہے ہو؟

3۔ کب واپس آؤ گے؟

4۔ میں بھی چلتی ہوں۔

5۔ گھر رہ کر ہی ڈھونڈ لو امریکہ۔

6۔ آپ چھوڑ دو، کوئی اور ڈھونڈ لے گا۔

7۔ میں اکیلی گھر میں کیا کروں گی؟

8۔ اچھا بچوں کو بھی ساتھ لے جائیں۔

9۔ میرے لیے کیا لاؤ گے؟

10۔ کوئی اور چکر تو نہیں؟

11۔ اچھا۔ واپسی میں دہی لیتے آنا۔

اقوال زریں

☆ زندگی بذات خود جینے کے قابل نہیں۔ اسے جینے کے قابل بنانا پڑتا ہے۔ (رچرڈ ایچ میک فیل)

☆ لوگ پہاڑوں سے نہیں اکثر کنکریوں پر سے پھسلتے ہیں۔ (کنفیوشس)

☆تکلیفیں انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ سوچنے سے آدمی دانا بنتا ہے اور دانائی زندگی کو جینے کے قابل بناتی ہے۔ (جان پیٹرک)

☆سوچنا اور غور و فکر کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ بہت کم لوگ اس کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔

☆علم کتابوں سے نہیں ملتا۔ یہ مشاہدے اور مشاہدے کے بعد نتائج اخذ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ڈراما

کشتی ہو رہی تھی، دونوں پہلوان یا تو تھکے ہوئے تھے یا لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے۔ ان کی کشتی سے اکتا کر ایک صاحب نے بہت زیادہ بوریت محسوس کی، وہ چیخ کر بولے۔

''بتیاں بجھا دو، بجلی فضول خرچ ہو رہی ہے۔ یہ دونوں پہلوان ڈراما کر رہے ہیں۔''

دوسرے کونے سے آواز آئی۔ ''نہیں نہیں ابھی بتیاں مت بجھانا، میرا تو دل ابھی ختم نہیں ہوا۔''

وکیل

ایک صاحب دوسرے صاحب سے پوچھ رہے تھے۔

''آپ نے اپنے بیٹے کو وکیل کیوں بنایا؟''

''بھئی، وہ بچپن سے ہی بہت جھگڑالو تھا، بہت بحث کرتا تھا۔ عجیب عجیب دلیلیں ڈھونڈ کر لاتا تھا، دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتا تھا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی کمزوریاں نکال کر لاتا تھا۔ میں نے سوچا کہ بہتر ہے کہ ان کاموں کا اسے معاوضہ بھی ملنے لگے۔''

لوہے کی موجودگی کی سائنسی وجہ

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ لوہا اس زمین اور نظام شمسی کا حصہ نہیں ہے۔ ان کے مطابق لوہے کے پیدا ہونے کے لیے ایک خاص درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمارے نظام شمسی میں موجود ہی نہیں ہے۔

سائنس دان یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری زمین پر لوہا اس طرح آیا جس طرح اربوں سال پہلے شہاب ثاقب اس زمین پر گرے تھے جو اپنے ساتھ لوہا لائے تھے۔

سائنس کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھیے قرآن پاک کی سورۃ الحدید میں اللہ واضح فرماتے ہیں۔

''اور ہم نے لوہے کو اتارا۔ اس میں سخت ہیبت و قوت اور لوگوں کے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔''

(سورۃ الحدید۔ آیت نمبر 25)

انسانی زندگی لوہے کے بغیر ناممکن ہے جو ہمارے خون میں ہیموگلوبن بن کر دوڑ رہا ہے جس کا کام پورے جسم میں آکسیجن کی سپلائی کا ہے۔

والد کا اکرام

حضرت ابو غسان رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں میں اپنے والد صاحب کے ساتھ (مدینہ منورہ کے) پتھریلے میدان میں چلا جا رہا تھا۔ کہ اتنے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا۔ ''یہ کون ہیں؟'' میں نے کہا۔

''یہ میرے والد ہیں۔'' انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی۔

''ان کے آگے نہ چلا کرو بلکہ ان کے پیچھے یا ان کے ساتھ پہلو میں چلا کرو اور کسی کو ان کے اور اپنے درمیان نہ آنے دو اور اپنے والد کے مکان کی ایسی چھت پر نہ چلو جس کی منڈیر نہ ہو کیونکہ اس سے ان کے دل میں (چھت سے تمہارے نیچے گر جانے کا) خوف پیدا ہوگا۔ اور وہ اس سے پریشان ہوں گے۔''

گوشت والی ہڈی پر تمہارے والد کی نگاہ پڑ چکی ہو تم اسے نہ کھاؤ، ہو سکتا ہے وہ اسے کھانا چاہتے ہوں۔''

حسد

امیہ بن ابی الصلت ساری عمر سچے مذہب کی تلاش میں پھرتا رہا۔ کبھی عیسائی بنا، کبھی یہودیت اختیار کی مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو بدبخت حسد میں مبتلا ہوگیا۔ کہنے لگا کہ وحی مجھ پر کیوں نہیں آئی۔

اسی حسد کی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ حالانکہ وہ بڑا قابل آدمی تھا۔ بڑے پایہ کا شاعر تھا۔ اس کا دیوان پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ وہ کس قدر حق کا طالب تھا۔ مگر حسد کی وجہ سے کفر کی موت مرا۔

کلمہ حق

امام ابوحنیفہ جیل میں ڈالے گئے۔
امام احمد بن حنبل جیل میں ڈالے گئے۔
امام مالک جیل میں ڈالے گئے۔
اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو قید کیا گیا۔
امام العز بن عبدالسلام جیل میں ڈالے گئے۔
مسلمانوں کے بیشتر امام اور علماء قید ہوئے۔

کیونکہ وہ سلاطین و امراء کو راضی کرنے کے لیے کلمہ حق سے دست بردار نہیں ہوئے۔

اگر آپ اہل حق کو تلاش کرنا چاہتے ہیں تو ہرگز دھوکا نہ کھائیں علماء سلاطین سے جن پر دن رات کیمروں کا فوکس ہوتا ہے۔ جو کفار کے وحشیانہ مظالم کے جواب میں رواداری کا درس دیتے ہیں۔ جو حکمرانوں کے کفر نافذ کرنے کے باوجود درجہ دیتے ہیں۔

آج بھی ہزاروں اہل حق علماء جیلوں میں قید ہیں۔ ان کا موقف جانیں۔ ان کے بیانات سننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ سے پوچھا گیا۔

''مجھے اہل حق علماء کہاں ملیں گے؟''

شیخ نے کیا شاندار جواب دیا۔

''قید میں یا میدان جہاد میں یا زمین کے نیچے۔''

تین چھوٹی کہانیاں

1۔ ایک بار، تمام گاؤں والوں نے بارش کے لیے دعا کرنے کا فیصلہ کیا، نماز کے دن سب لوگ جمع ہوئے لیکن صرف ایک لڑکا چھتری لے کر آیا۔

یہ ایمان ہے۔

2۔ جب آپ بچے کو ہوا میں پھینکتے ہیں، تو وہ ہنستا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ اسے پکڑ لیں گے۔

یہ بھروسہ ہے۔

3۔ ہر رات ہم سوتے ہیں، اگلی صبح زندہ ہونے کی یقین دہانی کے بغیر لیکن پھر بھی ہم جاگنے کے لیے الارم لگاتے ہیں۔

یہ امید ہے۔

بانو قدسیہ کہتی ہیں

☆ امید صرف اتنی روشنی رکھتی ہے کہ راہ دکھائی دیتی رہے۔ توقع ایسا الاؤ سلگاتی ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

☆ کبھی آپ نے ایسا تعلق محسوس کیا ہے کہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں زندگی خالی اور بے معنی ماچس کی ڈبیا بن جائے۔

☆ رشتے اور شیشے میں ایک خوبی سانجھی ہے کہ یہ اندر ہی اندر اپنے ہی تناؤ، اپنے ہی بوجھ، اپنی ہی سردی یا گرمی کے بوجھ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

☆ سچ بولنا کوئی کمال نہیں۔ سچ سننا بڑا کمال ہے۔

بند آنکھوں سے نظر آنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو دل کے اس کونے میں بستے ہیں جہاں محبت جنم لیتی ہے۔

☆ جو آدمی اپنے کھانے میں سے کسی کو کھلاتا ہے وہ اپنا کھانا پاک کر لیتا ہے۔ بڑے بڑے انبیاء کرام، قطب اور اولیا کا یہی مسلک تھا۔

☆☆

digest library.com

خواتین کی ڈائری

امت الصبور

سحر سہیل کی ڈائری سے

افتخار عارف کا لب و لہجہ اپنے ہم عصر شاعروں میں ایک علیحدہ پہچان رکھتا ہے۔ ان کی شاعری میں زندگی کا مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی۔ ان کی یہ غزل زندگی کے مختلف رویوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ آپ کی نذر

سربام ہجر دیا بجھا تو خبر ہوئی
سرشام کوئی جدا ہوا تو خبر ہوئی

مرا خوش خرام، بلا کا تیز خرام تھا
مری زندگی سے چلا گیا تو خبر ہوئی

کوئی بات بن کے بگڑ گئی تو پتا چلا
مرے بے وفا نے کرم کیا تو خبر ہوئی

مرے ہم سفر کے سفر کی سمت ہی اور تھی
کہیں راستہ گم ہوا تو خبر ہوئی

مرے قصہ گو نے کہاں کہاں سے بڑھائی بات
مجھے داستاں کا سرا ملا تو خبر ہوئی

حمدہ خان کی ڈائری سے

کسی نے کیا خوب کہا ہے
"جو ٹل جائے وہ مقدر نہیں اندیشہ ہے جو بدل جائے وہ صرف امکان ہے مقدر نہیں۔ جو نہ بدلے، وہ مقدر ہے۔ جو اٹل ہے وہی امر الٰہی ہے وہی نصیب ہے۔ ہمارا نصیب۔"
آفتاب عالم قریشی کی یہ غزل اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ آپ پڑھیے، آپ کو پسند آئے گی۔

لامکانی نصیب کا حصہ
خاک چھانی نصیب کا حصہ

ایک یقیں ہے کسی کا بخشا ہوا
بدگمانی نصیب کا حصہ

ہم نے فاقے کمائے محنت سے
دانہ پانی نصیب کا حصہ

اک فسانہ ادھار کی زد میں
اک کہانی نصیب کا حصہ

بیٹیاں گھر میں ہو گئیں بوڑھی
راجہ رانی نصیب کا حصہ

میرے حصہ میں کیوں نہیں آیا
خاندانی نصیب کا حصہ

لفظ مبہم نصیب سے باہر
پر معانی نصیب کا حصہ

ہم نہ چاہیں تو پھر بھی ملتا ہے
یار جانی نصیب کا حصہ

بولنا تو عطائے ربی ہے
بے زبانی نصیب کا حصہ

مرتبہ دیکھ "آفتاب عالم"
نعت خوانی نصیب کا حصہ

روحیلہ خان کی ڈائری سے

ساتھ پل بھر کا ہو یا عمر بھر کا، ہم سفر کا دل اچھا نہ ہو تو سفر بے رنگ اور دل پر بوجھ بن جاتا ہے۔ منیر نیازی کچھ ان ہی جذبوں کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کی یہ غزل پڑھیے۔

ہم زباں میرے تھے، ان کے دل مگر اچھے نہ تھے
منزلیں اچھی تھیں، میرے ہم سفر اچھے نہ تھے

Digest Novels .com

جو خبر پہنچی یہاں تک، اصل صورت میں نہ تھی
تھی خبر اچھی، مگر اہل خبر اچھے نہ تھے

بستیوں کی زندگی میں بے زری کا ظلم تھا
لوگ اچھے تھے وہاں کے، اہل زر اچھے نہ تھے

ہم کو خوباں میں نظر آتی تھیں کتنی خوبیاں
جس قدر اچھے لگے تھے، اس قدر اچھے نہ تھے

اس لیے آئی نہیں گھر میں محبت کی ہوا
اس محبت کی ہوا کے منتظر اچھے نہ تھے

ایک خیال خام ہی مرشد تھا ان کا منیر
یعنی اپنے شہر میں اہل نظر اچھے نہ تھے

فرخندہ سلیم کی ڈائری سے

ممتاز گورمانی کی یہ غزل آپ سب کے لیے
لہلہاتی ہوئی شاداب زمین چاہتے ہیں
اور کیا تجھ سے ترے خاک نشین چاہتے ہیں

ہم کو منظور نہیں پھر سے بچھڑنے کا عذاب
اس لیے تجھ سے ملاقات نہیں چاہتے ہیں

کب تلک در پہ کھڑے رہنا ہے۔ ان سے پوچھو
کیا وہ محشر کا تماشا بھی یہیں چاہتے ہیں

وہ جو کھڑکی میں اسی طرح جلاتے ہیں چراغ
اس کا مطلب ہے ہمیں پردہ نشین چاہتے ہیں

کون وعدوں پہ جیے، حشر تک ظلم سہے
تیرے بندے تیرا انصاف یہیں چاہتے ہیں

اتنی اونچی ہے کہ اب بیل کا دم گھٹتا ہے
جانے دیوار سے کیا گھر کے مکیں چاہتے ہیں

زمل فاطمہ کی ڈائری سے

چبھتے اشکوں سے کبھی آنکھیں نہ چمکایا کرو
کانچ کے ٹکڑوں سے اپنا دل نہ بہلایا کرو

مجھ کو فرصت ہی نہیں ملتی خود اپنے آپ سے
روٹھنے والو! مجھے اب یاد تم آیا کرو

دوستوں اپنی زباں سے میں ابھی واقف نہیں
جب مری باتیں سمجھ لو، مجھ کو سمجھایا کرو

اب تمہیں بھی شہر والوں کی ہنسی ڈسنے لگی!
میں نہ کہتا تھا مرا دکھ تم نہ اپنایا کرو

کل تھکے ہارے پرندوں نے نصیحت کی مجھے
شام ڈھل جائے تو محسن تم بھی گھر جایا کرو

سلمیٰ مسرت کی ڈائری سے

آج کے حالات دیکھ کر مجھے آخری چٹان کے ڈرامہ سیریل کا او، ایس، ٹی یاد آ گیا اگست کے حوالے سے پڑھیں کیا آج بھی یہی حالات نہیں۔

نگر ہے کون سا جہاں بلا کا رن نہیں پڑا
میں سر ہتھیلی پر لیے کہاں کہاں نہیں گیا
وقار قوم کے لیے
میں جنگلوں میں، آگ میں
شبیں گزارتا رہا
تباہ کر کے تیر کو تمہیں پکارتا رہا
مگر تمام در مجھے ہمیشہ بند ہی ملے
میرے لہو کے گلستان کبھی نہیں کھلے
ہے شور سا ہر طرف کہ سرحدوں کی جنگ میں
زمین پر آدمی نہیں؟ فلک پر کیا خدا نہیں؟
یہ آندھیاں، یہ بجلیاں
یہ شعلہ کارروائیاں
یہ وقت کی سیاہیاں
فضا ہے گردباد کی
سزا ہے انتشار کی
اب ہمیں شکست ہے۔ خیر آخری وقت ہے
میں خواب تھا بکھر گیا
میں وقت تھا گزر گیا

☆☆

روحیلہ خان

میری بیاض سے

ارم اکرام .... کراچی

نہ کوئی خواب ہمارے ہیں نہ تعبیریں ہیں
ہم تو پانی پہ بنائی ہوئی تصویریں ہیں
لٹ گئے مفت میں دونوں تیری دولت میرا دل
اے سخی! تری مری ایک سی تقدیریں ہیں

لبنیٰ بٹ .... گلشن حدید

اب کیا دیارِ غیر میں ڈھونڈیں ہم آشنا
اپنے تو غیر ہوگئے سب ، اپنے شہر میں
خاطر اب اہلِ دل بھی بنے ہیں زمانہ ساز
کس سے کریں وفا کی طلب اپنے شہر میں

حبیبہ خان .... کراچی

تعلق تھا، تماشا تو نہیں تھا
محبت تھی، یہ دھاگا تو نہیں تھا
اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے
وہ یوں کانوں کا کچا تو نہیں تھا

انعم .... لاہور

ان سے کہنا کہ ہم مزے میں ہیں
بس ان کی یادیں بہت ستاتی ہیں
ان کی دوری کا غم نہیں ہے
بس ذرا پلکیں بھیگ جاتی ہیں

شائستہ نسرین .... کراچی

وہ کون تھا جو درد کے بھاؤ گرا گیا
سستے لگادیے ہیں مگر بک نہیں رہے

فوزیہ بٹ .... پنجاب

ہیں محبت کے اور بھی اسباب
مجھ کو تیرا ملال تھوڑی ہے

سحر احمد .... کراچی

خوابوں کی کھڑکی جو کھولوں تو دیکھوں
کھلے آسمان کو میں بانہوں میں لے لوں
اڑوں بن کے پنچھی ، ہواؤں سے کھیلوں
میں مٹھی میں چند ستاروں کو لے لوں

ثوبیہ قطب .... کراچی

ہجر کی شب بھی کٹ ہی جائے گی
اتفاقاً اگر سحر نہ ہوئی
خواہشیں اتنی خوب صورت تھیں
کوئی دل سے ادھر ادھر نہ ہوئی

سائرہ قریشی .... کراچی

اچھا سا کوئی موسم، تنہا سا کوئی عالم
ہر وقت کا رونا تو بے کار کا رونا ہے
برسات کا بادل تو دیوانہ ہے کیا جانے
کس راہ سے بچنا ہے، کس چھت کو بھگونا ہے

ارم کمال .... فیصل آباد

دل پہ آئے ہوئے الزام سے پہچانتے ہیں
لوگ اب مجھ کو ترے نام سے پہچانتے ہیں

ندا طارق .... حیدرآباد

میں جو مہکا تو میری شاخ جلادی اس نے
سبز موسم میں مجھے زرد ہوا دی اس نے

پہلے اک لمحے کی زنجیروں سے باندھا مجھ کو
اور پھر وقت کی رفتار بڑھادی اس نے

تحریم خان .... کراچی

وہ جو ممکن نہ ہو ممکن یہ بنادیتا ہے
خواب دریا کے کناروں کو ملادیتا ہے

انمول دعا عقیل .... کوٹ ادو

سوچا تھا ایک خواب جو دیکھا نہیں گیا
پھر اس کے بعد عمر بھر سویا نہیں گیا
کچھ میں بھی خود پسند تھا، کچھ وہ بھی بے نیاز
ٹوٹا تو پھر وہ سلسلہ جوڑا نہیں گیا

رضوانہ وقاص .... کرلاں پور ہری پور

تری طلب ترے گمان میں رہا
میں ایک عمر امتحان میں رہا
زمیں کے بھید کیا کھلے نگاہ میں
نہ کوئی رنگ آسماں میں رہا

خانم زخرف .... سرگودھا

نگاہیں نہ پھیرو چلے جائیں گے ہم
مگر یاد رکھنا کہ یاد آئیں گے ہم

☆☆

digest library.com

انجان وادی کی سائرہ

قانتہ رابعہ

یہ ممکن نہیں کہ اچھا لکھاری اچھا قاری نہ ہو!

میں اچھی لکھاری نہ بھی ہوں لیکن اچھی قاری ضرور ہوں۔

گڑیوں سے کھیلنے کی عمر سالوں میں گزر گئی......

مجھے اچھی طرح یاد ہے پے در پے تین چار ایسی تحریریں جو میرے دل کو چھو جائیں، ان ڈائجسٹوں میں پڑھنے کو ملیں تو میں نے نوٹ کیا ان میں دو تحریریں سائرہ رضا ایک سنیعہ عمیرا اور ایک سمیرا حمید کی تھی تب مجھے اچھی طرح یاد ہے اور شاید ان ڈائجسٹوں کے صفحات میں محفوظ بھی ہوگی۔ میں نے اقتل کو لکھا تھا۔

"پیاری اقتل آج کل ان ڈائجسٹوں پر سین یا ایس بہت مہربان ہے ہر اچھی تحریر کی مصنفہ کا نام اسی لفظ سے شروع ہوتا ہے۔"

خیر آمدم بر سر مطلب ایسا ہی ایک عام سا دن تھا جب میں نے فیس بک پر کسی معروف مصنفہ کی وال پر پوسٹ کے جواب میں کمنٹ لکھنے والی کا نام سائرہ رضا پڑھا۔

میں رابطے میں پہل کے بارے میں ہمیشہ محتاط رہتی ہوں لیکن یہاں معاملہ میری پسندیدہ مصنفہ کا تھا میں نے برتصدیق کے لیے سوال بھیجا۔

"کیا آپ ڈائجسٹ رائٹر سائرہ رضا ہیں؟"

اس کے بعد چند دن جواب کا انتظار کیا اور پھر بھول بھال گئی کہ میرے حساب سے اسکرین پر لکھنے والے بے حد مصروف رہتے ہیں اور ہم جیسے قلمکاروں کے لیے ان کے پاس کہاں وقت؟

اور یہ بھی کہ یہ چونکہ بڑے رائٹر ہوتے ہیں تو عام لوگوں سے کیوں رابطے میں رہیں!

اور جب سب دماغ سے محو ہوا تو ایک دن اچانک میسنجر پر میسج دیکھا، بھیجنے والی کا نام سائرہ رضا تھا۔

ان ڈھیر سارے پیغامات میں اس بات پر معذرت تھی کہ میں میسنجر کی ڈاک نہیں چیک کرتی آج نجانے کیسے اچانک —— ہی موبائل ہاتھ میں لیتے ہی آپ کا میسج اسکرین پر تھا۔

میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنا واٹس ایپ نمبر شیئر کرے تاکہ آسانی سے بات ہو سکے۔

حفظ ماتقدم میں اپنا واٹس ایپ نمبر بھیج دیا۔

چند ہی لمحوں میں ان کی واٹس ایپ پر کال بھی آ گئی 2024 کا رمضان اور مارچ کا مہینہ تھا۔

میرے حساب سے آخری عشرہ چل رہا تھا۔

گفتگو کے آغاز ہی میں انہوں نے اتنی بے تکلفی سے میری تحریروں کے موضوعات اور افسانوں کے عنوان کا تذکرہ کیا کہ میں دنگ رہ گئی۔

اور میں جو چند ہفتے قبل سوچ رہی تھی سائرہ رضا چونکہ بڑی رائٹرز میں سے ہیں تو انہیں پورا حق ہے چھوٹے چھوٹے افسانے لکھنے والوں کے میسج کا جواب نہ دیں۔

مجھے اس فون کال کے بعد اپنی رائے بدلنا پڑی۔

سائرہ بڑی رائٹر نہیں تھی بلکہ وہ بہت بڑی رائٹر تھی کہ مجھ جیسے مختصر لکھنے والی کے افسانوں کے پلاٹ تک ڈسکس کیے، اس ماہ کے شائع ہونے والے افسانے پر تبصرہ بھی کیا اور معصومیت سے پوچھا۔

"آپ نے کیسے سوچ لیا کہ میں آپ کو نہیں

جانتی؟"

مجھے اچھی طرح یاد ہے تب گیس کی لوڈشیڈنگ تھی اور افطاری کا وقت سر پر تھا لیکن اس نے مجھ سے جی بھر کے گفتگو کی۔

کہتے ہیں دنیا میں گفتگو کے موضوعات بس آٹھ ہی ہیں، اس نے اس دن آٹھوں پر نہیں تو سات پر تو ضرور گفتگو کی۔

اپنی ننھیال کا تذکرہ، بچیوں کی تفصیلات، ملکی صورت حال وغیرہ وغیرہ۔

پھر مجھے ہی کہنا پڑا کہ کراچی اور گوجرہ کے افطاری کے وقت میں کم از کم پچیس منٹ کا فرق ہے۔ اس لیے ہمیں اب خدا حافظ کہنا چاہیے۔

سائرہ اس فون کال کی روشنی میں بہت متحرک تھی۔

بہت محبت والی بیٹی اور ماں تھی۔
بہت محنتی تھی اور یہ کہ بہت ملنسار تھی۔

اس کے بعد میرا اس سے رابطہ اس کی والدہ کی وفات کی خبر پڑھ کر ہوا۔

میرا دل چاہتا تھا کہ اس سے فون کال پر افسوس کروں اس ضمن میں میرے اپنے خیالات ہیں کہ آمنے سامنے کی تعزیت میں اور سوشل میڈیا کی تعزیت میں بہت فرق ہوتا ہے فون کرنے والا فرصت سے بات کرنے کا خواہشمند ہو اور سننے والا اس وقت مصروف ہو۔ گھر کے حالات میں اونچ نیچ ہو سکتی ہے، اس لیے میں نے کئی دن شش و پنج میں گزار کر اسے تعزیتی وائس نوٹ بھیجا جس کے جواب میں اس کے تین میسج موصول ہوئے پھر فون کال پر رابطہ ہوا۔

میں نے اسے اپنی امی کے انتقال پر تعزیتی مضمون لکھنے کی تلقین کی۔

پھر آپ سب نے دیکھا اس نے لکھا اور کس عمدہ پائے کا لکھا۔

میں اسے تعریفی خط لکھنا چاہ رہی تھی لیکن رمضان سے قبل استقبال رمضان اور پھر دورہ قرآن کچھ یہ کہ حج بیت اللہ کی سعادت بھی مل رہی تھی۔

آخری فلائٹ سے ہم ملتان ایئرپورٹ سے روانہ ہوئے اور جب منیٰ جانے کی تیاریوں میں بھی تو مزنہ نے اس کی بیماری کے متعلق بتایا دعا کے لیے لفظ بھی نہ مل پائے تھے کہ موبائل فون پر سم ایکٹیویٹ ہوتے ہی صائمہ اکرم چوہدری کی فیس بک وال پر ان کے جانے کی خبر پڑھ لی۔

اس کے بعد منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے، وقوف عرفات کے دوران، مزدلفہ کی زمین پر گزری رات، جمرہ جاتے ہوئے بس دل و دماغ پر سائرہ رضا کی مغفرت کی دعائیں ہی حاوی رہیں۔

آنسو تھے کہ رکتے ہی نہ تھے۔

پھر طواف زیارت کرتے ہوئے سائرہ کے لیے دعا کی، اللہ سے راز و نیاز کیے، فرمائش کی کہ یا اللہ اسے بتا دیں۔ قانتہ نے اسے دیکھا نہیں بس پڑھا ہے یا محض فون کال پر آواز سنی ہے لیکن حج کے تمام ارکان میں اسے یاد رکھا ہے۔

تب مجھے معلوم ہوا تھا کہ قاری کا صرف لکھاری سے ہی نہیں لکھاری کا بھی لکھاری سے کتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ سائرہ ان شاء اللہ تم ہمیشہ دعاؤں میں رہو گی۔ جس ذات نے تمہارے لیے دعاؤں کا آغاز ہی حج کے دنوں میں کروایا وہ آئندہ بھی توفیق دے گا۔

اللہ تمہاری بچیوں کے حق میں وہ ساری دعائیں تمہارے جانے کے بعد بھی قبول فرمائے جو اپنی زندگی میں تم ان کے لیے کیا کرتی تھیں۔

میرے یہ لفظ سائرہ کے لیے خراج عقیدت ہیں کہ حج سے واپسی کے دس دن بعد میں نے لکھنے کا سلسلہ اس کی یاد کا حق ادا کرنے سے کیا ہے۔ جو مجھ پر قرض تھا۔

اللہ اس کی مغفرت فرمائے اور تمام حسنات کو بڑھا چڑھا کر قبول فرمائے۔ (آمین)

☆☆

ابھی جامِ عمر بھرا نہ تھا

نگہت سیما

سائرہ رضا کے متعلق پتا چلا تو کتنی ہی دیر تک تو یقین نہیں آیا کہ۔

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف دست ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی حسرتیں دل ہی میں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

سائرہ رضا سے میرا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب ابھی وہ لکھتی نہیں تھیں۔ ان کا ایک خط چھپا تھا جس میں انہوں نے میری ایک کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک چھوٹی سی غلطی کی نشان دہی کی تھی۔ لیکن میری نظر سے یہ خط چھپنے کے سال بھر بعد گزرا۔

دوسرا تعارف ان کی کہانی "اب کر میری رفو گری" سے ہوا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ ان کی پہلی کہانی تھی یا اس سے پہلے لکھنا شروع کر چکی تھیں۔ میں اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتی تھی لیکن وہی پرانی عادت "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں۔"

جاب اور گھر کی مصروفیت پھر میری ایک کہانی "روزن" اور "زمین کے آنسو" کے متعلق انہوں نے کسی کے ساتھ تبصرہ کیا۔ میں ان سے بات کرنا چاہتی تھی اس حوالے سے لیکن نہیں کر سکی۔ میری کبھی ان سے بات نہیں ہوئی نہ کبھی کوئی ملاقات ہوئی۔

فیس بک پر ایک بار ان کا انٹرویو دیکھا تھا۔

لیکن لگتا ہے جیسے کوئی بہت اپنا دنیا سے چلا گیا ہو۔ سب لکھنے والوں کے درمیان ایک لطیف سا نامعلوم سا تعلق، رشتہ ہوتا ہے ان کے دکھ سکھ اپنے لگتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب پروین شاکر کا انتقال ہوا تو اگلے روز میں کلاس میں گئی۔ پہلا پیریڈ بوائز کی کلاس میں تھا۔ کچھ دیر آپس میں کھسر پھسر کرنے کے بعد دو لڑکے کھڑے ہوئے اور کہا کہ

"میم! پروین شاکر کی ڈیتھ کا افسوس ہوا ہے۔" گھر آئی تو میری کزن جو کبھی کبھار ہی فون کرتی تھی اس کا فون آیا۔ وہ مجھ سے پروین شاکر کا افسوس کر رہی تھی۔ میں تو پروین شاکر کو جانتی بھی نہیں تھی، شیخوپورہ کالج میں ایک مشاعرے میں اپنی نظم اور غزل پر فرسٹ اور سیکنڈ انعام میں پروین شاکر کی دو بکس انعام میں ملی تھیں۔

تب پہلی بار میں نے پروین شاکر کو پڑھا تھا۔ تو میرے اسٹوڈنٹ اور میری کزن مجھ سے کیوں افسوس کر رہے تھے۔ تب میں نے جانا کہ سب لکھاری ایک دوسرے کو جانے اور ملے بغیر بھی ایک لطیف رشتے میں بندھے ہوتے ہیں اور میں نے سائرہ رضا کا پرسہ خود کو ہی دیا۔

یار ابھی تو موسم گل کی آمد تھی
یار ابھی تو پھول کھلے تھے شاخوں پر

☆☆

آپ کا باورچی خانہ

حنا گل......بنوں

"آ گہ تیرے دم سے ہیں" کچن کی رونقیں"

آ گئے ہیں جی آ گئے ہیں آپ بلائیں ہم نہ آئیں کیا بات کرو ہو۔ ویسے کچن ایک ایسی جگہ ہے جہاں بغیر دعوت کے بھی گھس جانا چاہیے کون جانے اندر کیا "خفیہ" کارروائیاں ہو رہی ہوں۔

س: کھانا پکانے میں کس چیز کا خیال رکھتی ہیں پسند یا غذائیت؟

ج: غذا اور غذائیت؟ ہلکی پھلکی ڈشز کے علاوہ کھانا تو امی ہی بناتی ہیں اور امی پسند کا خیال سب سے پہلے رکھتی ہیں سو امی کے کھانے ذائقے کے ساتھ ساتھ غذائیت سے بھی بھرپور ہوتے ہیں۔

س: کھانے کا وقت ہے۔ مہمان آ گئے ہیں تو؟

ج: مہمان؟ یقیناً اللہ کی رحمت ہوتے ہیں پہلے سے کچھ بنا کر فریج میں رکھنا لوڈشیڈنگ نے تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔ سو اگر اطلاع دے کر آئیں تو پہلے سے ہی کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں ہاہاہا مطلب تیاری مکمل ہو جاتی ہے اور اگر بغیر اطلاع کے آئیں تو نزدیکی مارکیٹ سے سب کچھ دستیاب اور امی کے ہاتھوں فٹ سے چکن تیار سو نو پرابلم!

س: کچن کی صفائی کے لیے کیا اہتمام کرتی ہیں؟

ج: کچن کی صفائی؟ کچن کی صفائی میں بلا کے مستعد ہیں، ہاتھ کے ہاتھ صفائی کے ساتھ ساتھ گرد، جالوں، لال بیگ، چیونٹوں اور مکھیوں کے پیچھے جھاڑو اور پائپ لے کر پھرتے رہتے ہیں سو نتیجہ بڑا نکھرا ہوتا ہے۔

س: صبح ناشتا میں کیا اہتمام کرتی ہیں؟

ج: ناشتا؟ اللہ لوگ ہیں جی جائے، پراٹھا، آملیٹ سے کام چل جاتا ہے اور نہیں تو حلوہ بھی ملا لو اور اکثر امی ناشتے میں مکئی کی پتلی روٹی، جسے پشتو میں ہم "دیشیلیے" کہتے ہیں بناتی ہیں جو بہت خستہ اور کراری ہوتی ہے ناشتے میں آملیٹ کی متبادل ایک ڈش یعنی "آلو ہری پیاز" کی منی سی ترکیب شیئر کرتی ہوں۔

آلو ہری پیاز

اجزاء:

آلو (باریک کٹے ہوئے)	چار عدد
ہری پیاز (کٹی ہوئی)	ایک پاؤ
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	ایک عدد
زیرہ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی	حسب ذائقہ
سرخ مرچ (ثابت)	ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب: گرم تیل میں ثابت سرخ مرچ اور تھوڑا سا زیرہ "سوتے" کرلیں دوسری طرف آلو فرائی کرنے کے بعد ان میں ٹماٹر، ہری پیاز نمک، ہلدی اور سرخ مرچ شامل کر دیں پھر دس منٹ کے لیے دم پر پکانے کے بعد ڈش میں نکال لیں اور پراٹھے کے ساتھ ناشتے میں آلو ہری پیاز سے لطف اندوز ہوں۔

س: مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھاتی ہیں؟

ج: باہر کھانا؟ اپنے علاقے میں تو باہر کبھی نہیں گئے۔ ٹرینڈ نہیں ہے ہاں ہم کزنز کا ٹولہ اکٹھا ہو جائے تو بے شمار آئٹمز کے ساتھ ایک گرینڈ پارٹی جنم لے لیتی ہے اور اس طرح اپنے علاقے سے کہیں باہر آؤٹنگ پر جائیں تو ہلکی پھلکی پکنک چل جاتی ہے۔

ٹپ اگر چھری وغیرہ پر زنگ لگ جائے تو میٹھا سوڈا، سرکہ اور دم تینوں کا آمیزہ بنالیں اور ان پر دو گھنٹے لگا رہنے دیں اس سے زنگ اتر جائے گا۔

☆☆

digest library.com

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

سوئیٹ اینڈ ساور بالٹی چکن

ضروری اشیاء:

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
کیچپ	آدھا کپ
دہی	آدھا کپ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ
مینگو چٹنی	آدھا کپ
پسا گرم مسالہ	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کریم	آدھا کپ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	تین سے چار عدد

ترکیب:

ایک ساس پین میں تیل گرم کریں اور لہسن فرائی کریں۔ گوشت ڈال کر بھونیں۔

نمک، لال مرچ، دہی، کیچپ، سرکہ، پسا ہوا گرم مسالہ ڈال کر پکائیں گوشت بھون کر کریم مکس کریں اور اتار لیں۔

ایک آم، ہرا دھنیا پودینہ، لال ثابت مرچ نمک کو پیس کر مینگو چٹنی بنالیں۔

مینگو چٹنی، ہرا دھنیا، ہری مرچیں ڈال کر سرو کریں مزیدار کھٹی میٹھی بالٹی چکن تیار ہے۔

اسپیشل وڑا پاؤ

ضروری اشیا:

بن	چھ عدد
بیسن	ایک پاؤ
پیاز	دو عدد
ہری مرچیں	پانچ عدد
پودینہ	چوتھائی کپ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
میٹھا سوڈا	آدھا چائے کا چمچہ
اجوائن	چوتھائی چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

سرخ چٹنی کے اجزاء:

لال مرچ	چوتھائی کپ
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس	چوتھائی کپ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

پیالے میں بیسن، میٹھا سوڈا اور نمک ڈال کر گاڑھا پیسٹ بنالیں اور بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس میں باریک کٹی پیاز، ہری مرچیں، پودینہ، سرخ مرچ، سفید زیرہ، اجوائن اور نمک ملا کر پھینٹ لیں۔ ایک پیالے میں کٹی لال مرچ، لہسن، نمک اور لیموں کا رس تھوڑے پانی میں ملا کر گاڑھی چٹنی تیار کرلیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے تھوڑے بڑے سائز کے وڑے (پکوڑے) سنہری تل لیں۔ بن کے دو حصے کرلیں ایک حصہ ہلکا سا سینک لیں۔ اس پر لال چٹنی لگائیں اور وڑا رکھ کر اوپر سے تھوڑی چٹنی اور لگا کر دوسرا حصہ رکھ کر بند کردیں۔ مزیدار چٹ پٹا وڑا پاؤ سرونگ ڈش میں نکال کر لال یا ہری چٹنی اور رائتہ کے ساتھ سرو کریں۔

بہاری سیخ کباب

ضروری اشیاء:

بیف	ایک کلو
پپیتا	تین کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالہ	آدھا چمچہ
باریک کٹی پیاز	ایک عدد
سرسوں کا تیل	آدھا کپ
باربی کیو مسالہ	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

گوشت میں تمام مسالے اور سرسوں کا تیل لگا کر چار گھنٹے تک رکھیں۔ پھر سیخوں پر چڑھا کر باربی کیو کریں۔

کبابوں کی رنگت سنہری ہو جائے تو اتار لیں۔

پراٹھے، چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔ چاہیں تو اسے کڑاہی میں بھی بنا سکتی ہیں آخر میں کوئلہ کی دھونی دے لیں۔

امریکن اسٹیک

ضروری اشیاء:

بیف انڈر کٹ	آدھا کلو
مکھن یا تیل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
ادرک لہسن	ایک چائے کا چمچہ
ووسٹر ساس	ایک کھانے کا چمچہ
مسٹرڈ پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
لیمن جوس	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

گوشت میں یہ تمام مسالے لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ مکھن یا تیل گرم کریں۔ اس میں مسالہ لگا بیف درمیانی آنچ پر کم تیل میں تل لیں۔ دونوں سائیڈوں سے اچھی طرح فرائی کرلیں۔ اس کے بعد اس کو نکال کر علیحدہ رکھ دیں۔

پیش کرنے کا طریقہ:

مٹر	آدھا کپ
آلو	ایک عدد
گاجر	ایک عدد

مٹر آلو گاجر ابال لیں۔ ان تمام چیزوں کو میونیز اور مکھن میں مکس کرلیں۔

اسٹیک کو ڈش میں نکالیں اس کے اوپر پنیر ڈال دیں۔ ایک طرف سبزیاں رکھیں۔

دوسری طرف فرائی انڈا رکھیں اور مختلف سائز میں کاٹ کے ساتھ سرو کریں۔

پیڑے

اجزاء:

گھی	آدھا کپ
میدہ	ایک کپ
بادام	بارہ عدد
ملک پاؤڈر	چار چمچے
الائچی	آدھا چمچہ
چینی	آدھا کپ
ناریل	حسب ضرورت

ترکیب: گھی گرم کرکے اس میں میدہ ڈال کر ہلکی آنچ پر بھون لیں۔ بادام پیس کر ملا دیں۔ چمچہ مستقل چلاتی رہیں تاکہ لگے نہیں۔ پندرہ منٹ بھون کر نیچے اتار لیں۔ اس میں چار چمچے ملک پاؤڈر اور پسی ہوئی آدھا کپ چینی بھی مکس کر دیں۔ اب ٹھنڈے ہونے کے لیے رکھ دیں۔

پندرہ منٹ بعد اس میں پسی ہوئی الائچی آدھا چمچہ ڈال کر اچھی طرح مسلیں۔ اب کسی مناسب سائز کے ڈھکن یا کپ میں تھوڑا آمیزہ ڈالیں اور شیپ دیں۔ اس کے بعد اس پر پسا ہوا کھوپرا چھڑک دیں۔

مزے دار پیڑے تیار ہیں۔

☆☆

Digest Novels .com

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

کیا آپ لوگوں کو پسند کرتی ہیں؟

ان کے اعتماد، ان کے خلوص، ان کی قربت کی خواہاں ہیں؟

اگر آپ لوگوں کو پسند نہیں کرتیں۔ تنہائی کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو آپ ذہنی طور پر بیمار ہیں۔

کیا آپ ماضی کی غلطیوں پر بیٹھی روتی رہتی ہیں اور مستقبل کے ڈر سے سہمی رہتی ہیں تو آپ سمجھ لیں کہ آپ اپنے آنے والے کل اور آج کا خون کرتی رہتی ہیں۔

آپ عمر کے کسی دور میں ہوں، کتنی ہی مال دار اور کتنی ہی غریب، کامیاب، ناکام ہوں، آپ کو اپنے گھر میں ماں باپ یا بھائی، بہن کی شکل میں ایک بااعتماد دوست کی ضرورت ہے۔ جس سے آپ پورے بھروسے، خلوص کے ساتھ سب کچھ کہہ دیں، خواہ کتنا ہی بڑا واقعہ کیوں نہ ہو۔

عروسہ خان......لاہور

س: ہمارے پڑوس میں نئے کرایہ دار آئے ہیں۔ ان کے ہاں کئی لڑکیاں ہیں۔ بڑی لڑکی کی عمر سولہ سال ہے۔ لڑکا ہمارے گھر کے سامنے رہتا ہے۔ اس کی عمر بمشکل چودہ، پندرہ سال ہے۔ میٹرک کا طالب علم ہے۔ اللہ جانے کب دونوں کے درمیان عشق محبت ہوا۔ اس بات کی گواہ میں ہوں۔ میں دونوں بچوں کی حرکات و سکنات محسوس کرسکتی ہوں کیونکہ میرا گھر ان دونوں کے گھر سے قریب ہے۔

لڑکے کی ماں کو باپ نے چھوڑ دیا تھا، جب وہ چھوٹا تھا۔ بوڑھی دادی اور پھوپھو نے پرورش کی۔ پھوپھو بیاہ کر پردیس کی ہوگئی۔ اب گھر میں صرف بوڑھی دادی ہیں۔ میں سخت ٹینشن میں ہوں کہ ان دونوں کو کیسے سمجھاؤں، مجھے شبہ ہے کہ ان دونوں کا کوئی اور ہی پروگرام ہے۔ میرے شوہر کا کہنا ہے کہ تم دوسروں کے معاملے میں نہ پڑو، اگر کل کو کچھ ہوا تو تمہیں بھی گھسیٹا جائے گا۔ میرا اپنا ایک ہی بیٹا ہے جو بیرون ملک پڑھ رہا ہے۔ لڑکی لڑکے سے بہت بڑی بھی لگتی ہے۔ کیا میں لڑکی کے والدین سے بات کروں یا چپ رہوں۔ عجیب الجھن میں ہوں۔

ج: عزیز بہن! آپ کی سوچ غلط نہیں۔ پڑوسی ہونے کے ناتے...... آپ کو ان کا خیال رکھنا چاہیے خصوصاً لڑکے کا کیونکہ بوڑھی دادی اس کا ٹھیک سے خیال نہیں رکھ سکتیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے اگر آپ نے کچھ کہا تو وہ آپ کے لتے لے ڈالیں گی۔ ممکن ہے لڑکی کے گھر والوں کو پتا ہو اور اس میں ان کی مرضی بھی شامل ہو جو بات آپ نے محسوس کی۔ وہ لڑکی کے گھر میں سے کسی اور کو کیوں محسوس نہ ہوئی؟ اور سب سے اہم بات کہ یہ سب آپ کا وہم بھی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے ان دونوں کے بیچ پڑوسی ہونے کے ناتے عام سا ہنسنے بولنے کا رشتہ ہو، گرچہ لڑکی اور لڑکے کی اس طرح کی آپس میں بے تکلفی جائز اور مناسب نہیں۔ لیکن بہت سے گھرانوں میں اسے دوستی کا نام دے کر معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اس معاملے میں نہ پڑیں۔

ہانیہ اشرف...... کراچی

س: میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں میرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ پپا بحرین میں ہوتے ہیں۔ میں اپنی مما سے بہت پیار کرتی ہوں لیکن وہ مجھ سے زیادہ میری بڑی بہن کو چاہتی ہیں، میں چاہے کتنا ہی کچھ کرلوں، مما ہمیشہ آپی سے لاڈ کرتی ہیں اور مجھے جھڑک دیتی ہیں۔ دراصل میں آپی کی طرح بہت خوب صورت نہیں ہوں۔ سب بہن بھائیوں میں آپی سب سے زیادہ پیاری ہیں۔ میں ہمیشہ اچھے نمبروں سے پاس ہوتی ہوں پر مما آپی کو ہی پاس ہونے پر مہنگے گفٹس دیتی ہیں اور مجھے معمولی سا تحفہ دیتی ہیں۔ پپا مجھے بہت چاہتے ہیں لیکن مما نجانے کیوں ایسا کرتی ہیں جیسے میں سوتیلی ہوں۔

ج: یہ آپ کا نہیں ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ چھوٹی بہنوں کو یہ شکایت عام ہوتی ہے کہ بڑی بہن کو زیادہ چاہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پہلی اولاد والدین کی زیادہ توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑی اولاد کو زیادہ روک ٹوک اور تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ والدین چاہتے ہیں کہ پہلی اولاد کو دوسرے آنے والے بچوں کے لیے مثال بننا چاہیے۔ وہ اس کی تربیت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اس پر زیادہ پابندیاں لگاتے ہیں آپ کی مما آپ کی آپی سے زیادہ پیار کرتی ہیں تو یقیناً ان میں کچھ خوبیاں ہوں گی۔ آپ بھی اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ پڑھائی میں اور گھر کے دوسرے کاموں میں زیادہ دلچسپی لیں۔ آپ کے خیال میں آپی زیادہ خوب صورت ہیں، اس لیے آپ کی مما انہیں چاہتی ہیں۔ خوب صورتی بے شک اللہ کی دین ہے لیکن تھوڑی سی کوشش کرکے آپ بھی پرکشش اور جاذب نظر بن سکتی ہیں۔

digest library.com

ل۔م...... گجرات

س: میں نے بچپن سے اس سے محبت کی تھی۔ وہ میرے لیے بہت کچھ تھا لیکن اس نے مجھے کبھی لفٹ نہیں کرائی۔ میری بہن جانتی تھی کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔ لیکن انہوں نے اسے بچپنا سمجھا۔ اب میرے والدین نے شادی کے لیے رشتے دیکھنے شروع کردیے ہیں۔ میری بہن نے ہی اپنے جیٹھ کے بیٹے کے لیے رشتہ دیا ہے مجھے ان پر سخت افسوس اور غصہ ہے کہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ کیوں چاہتی ہیں کہ میں وہاں شادی کروں، باجی کہتی ہیں کہ تو جھلی ہے۔ وہ تو تجھے پوچھتا بھی نہیں حالانکہ وہ میرا سگا خالہ زاد ہے پر [illegible] کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ باجی کہتی ہیں کہ وہ نکما ہے، سارا وقت اپنے بننے سنورنے پر لگاتا ہے۔ کیا ہیرو ہے [illegible]۔ جیٹھ کا بیٹا [illegible] میں پکی نوکری پر ہے۔

ج: عزیز بہن! آپ کی باجی بالکل درست کہتی ہیں اگر باجی کے جیٹھ کا بیٹا اچھا ہے تو آپ کو اس رشتہ کو فوراً قبول کرلینا چاہیے۔

ذرا سوچیں، آپ کیا اعلا درجے کی حماقت کرنے جارہی ہیں۔ آپ نے لکھا، آپ کو بچپن سے محبت ہے جبکہ اس نے کبھی محبت تو کیا پسند کا اظہار بھی نہیں کیا۔ آپ کی خالہ نے بھی کبھی رشتہ کی بات نہیں کی۔ لڑکا کوئی کام بھی نہیں کرتا۔ نہ ہی اسے کام کرنے میں دلچسپی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کس برتے پر رشتہ سے انکار کرنے کا سوچ رہی ہیں اور آپ کو اپنی بہن پر غصہ آرہا ہے کہ وہ اپنے جیٹھ کے بیٹے کا رشتہ کیوں لائیں۔

ہوش کے ناخن لیں۔ اچھے رشتے مشکل سے ملتے ہیں۔ عمر نکل گئی تو پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ خوابوں خیالوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آجائیں۔

☆☆

بیوٹی بکس

امت الصبور

فرحانہ ارشد.............کراچی

میری جلد بہت چکنی ہے۔ چہرے کے مسام کھلے ہوئے ہیں۔ چہرے پر کیل بھی ہیں میک اپ کروں تو چہرہ اچھا لگتا ہے لیکن دس منٹ بعد چہرہ سنولا جاتا ہے۔ جبکہ میرا رنگ صاف ہے۔ میں چہرے کی اس چکنائی سے کیسے نجات حاصل کروں؟

ج: سب سے پہلے تو آپ اپنی عمومی صحت پر توجہ دیں۔ اگر آپ کو قبض ہے تو اس پر توجہ دیں لیکن قبض سے نجات کے لیے قبض کشا دوائیاں ہرگز نہ استعمال کریں۔ دن بھر میں کم از کم دس گلاس پانی استعمال کریں۔

جلد کی صفائی کا خصوصی خیال رکھیں، رات سونے سے پہلے چہرہ ضرور دھوئیں اور ایسا فیس واش استعمال کریں جس میں نمی اور چکنائی ہو، ایسی پروڈکٹس استعمال نہ کریں جو تیز کیمیکل والی ہوں۔

ہفتہ میں ایک مرتبہ ملتانی مٹی کا ماسک ضرور استعمال کریں۔ یہ زائد چکنائی کو جذب کرتا ہے اور جلد کو مکمل خشک ہونے سے بچاتا ہے۔

میک اپ کرتے ہوئے لیکوئڈ فاؤنڈیشن نہ لگائیں۔

سلمیٰ شیراز..........کراچی

میری عمر پینتیس سال ہے اور جلد نارمل ہے۔ میں جب بھی پارلر سے میک اپ کروا کر آتی ہوں تو پتا نہیں کیا بات ہے کہ دوسرے دن میرے چہرے پر چھوٹے چھوٹے دانے سے نکل آتے ہیں۔

ج: بہت سے لوگ حساس جلد رکھتے ہیں غالباً آپ کی جلد بھی ایسی ہی ہے اسی لیے آپ کو ایسے میک اپ اور برشز وغیرہ سے الرجی ہو جاتی ہے۔ جنہیں دوسرے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں۔

ایسا صرف میک اپ کروانے کے بعد بھی نہیں بلکہ بیوٹی پروڈکٹس کی خریداری کرتے جب خواتین دکان دار سے اشیاء چیک کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں تو عموماً وہ ٹیسٹر پروڈکٹس پہلے ہی کافی خواتین آزما کر دیکھ چکی ہوتی ہیں۔ جن سے خواتین مختلف انفیکشن یا وائرل بیماریوں میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا آپ کو الرجی پیدا کرنے والے عوامل سے بچنا ہے اپنے میک اپ کی اشیاء نہ کسی کو استعمال کے لیے دیں اور نہ ہی کسی کی استعمال کریں۔ عام طور پر الرجی کے علاج کے لیے ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھونا، ایلوویرا کا جیل لگانا یا ناریل کے تیل کا استعمال بھی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

قندیل رانا..........کراچی

میں ہاؤس وائف ہوں گھر سے نکلنا کم ہوتا ہے تو میک اپ زیادہ نہیں کرتی پر جب بھی کہیں جاتی ہوں تو لپ اسٹک ضرور لگاتی ہوں پر جلد ہی میں ساری لپ اسٹک کھا جاتی ہوں۔

ج: آپ نے وضاحت نہیں کی کہ کیا آپ کو ہونٹوں پر زبان پھیرنے کی عادت ہے۔ اس لیے آپ کی لپ اسٹک غائب ہو جاتی ہے۔

بہرحال لپ اسٹک کو دیر تک قائم رکھنے کے لیے کچھ ترکیب پر عمل کر کے آپ کو مطلوبہ نتائج مل سکتے ہیں۔ ہونٹوں کو کسی نم کاٹن کے کپڑے سے آہستہ سے رگڑیں۔ اس سے آپ کے ہونٹوں کی خشک مردہ جلد ہٹ جائے گی۔

ہونٹوں پر لپ بام لگائیں یا مائع فاؤنڈیشن لگائیں خشک ہونے کے بعد لپ پینسل سے ہونٹوں کی آؤٹ لائن بنائیں۔ لپ پینسل کو پہلے اگر دس پندرہ منٹ فریج میں رکھ دیں تو دیر پا اثرات رہیں گے۔ اس کے بعد لپ اسٹک لگائیں۔